MARCH 2008

ماہنامہ

حنا

خواتین کا سب سے خوبصورت اور معیاری پرچہ

ماہنامہ حنا

جلد 30 شمارہ 3

مارچ 2008ء

قیمت 30 روپے

مدیر اعلیٰ سردار محمود

مدیر سردار طاہر محمود

نائب مدیران نسیم طاہر
ارم طارق
ربیعہ شہزاد
عاصمہ راشد

مدیرہ خصوصی فوزیہ شفیق

قانونی مشیر سردار طارق محمود
(ایڈووکیٹ)

اشتہارات خالدہ جیلانی

Aneela PakistaniPoint

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

حمد — حکیم نان حکیم 7

نعت — ادا جعفری 7

پیارے نبی کی پیاری باتیں — سید اختر ناز 8

مکمل ناول

دل کا درد غزل ہوا — مدیحہ تبسم 44

مجھے اپنے ملن کا غرور دو — ثناء ظفر 126

کہو اک دن — غزالہ جلیل راؤ 160

انشانامہ

اندیشہ شہر کے بغیر دبلے ہونے کا — ابن انشاء 13

ناول

عجب سلسلے ہیں وفا کے — فوزیہ غزل 22

انٹرویو

اداکارہ ثمینہ پیرزادہ سے ملاقات — عبداللہ 15

ناولٹ

تجھے دھڑکن میں بسالوں — متعاہل تناوش 88

چودھری سردار محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "حنا" 205 سرکلر روڈ لاہور سے

Aneela Pakistanipoint

افسانے

ابھی کچھ دن لگیں گے	شمع جبیں	113
ایک اجالا خوابوں جیسا	ام مریم	199
دعا کا کرشمہ	فرحت شوکت	215
دیدہ بینا	نازیہ ضیاء	224

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ	فرزانہ سلیم	234
میری ڈائری سے	صائمہ محمود	238
رنگ حنا	بلقیس بھٹی	242
بیاض	تسنیم طاہر	246
حنا کی محفل	عین غین	251
حنا کا دسترخوان	ثمینہ احتشام	253
خبرنامہ	عبداللہ	255
کس قیامت کے یہ نامے	فوزیہ شفیق	257

ماہنامہ "حنا" میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کا کسی بھی حصے کی اشاعت یا الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے کسی بھی انداز میں پیش کرنے سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! مارچ 2008ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

حنا کا یہ شمارہ تیاری کے مراحل سے گزر رہا تھا جب پورے ملک میں انتخابات کا عمل بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا، کسی بھی ملک کے لئے جمہوریت بہت اہمیت رکھتی ہے اور انتخابات ہی جمہوریت کے عمل کو پروان چڑھاتے ہیں اگرچہ ہمارے ہاں اس کے نتائج خوشگوار شکل میں سامنے نہیں آئے ہیں، بہرحال اب جب کہ ہم انتخابات کے عمل سے گزر کر جمہوریت کے دور میں داخل ہونے والے ہیں صرف دعا ہی کر سکتے ہیں کہ ہمیں ایسی قیادت نصیب ہو جو ملک کے استحکام و سلامتی کو برقرار رکھ سکے اور ملک کے وقار اور ترقی میں اضافہ ہو۔

مارچ کا مہینہ بہاروں کی آمد اور موسم کے بدلنے کا مژدہ سناتا ہے۔ خزاں کے بعد بہار اور سردی کے بعد گرمی قدرت کا یہ نظام روز اول سے یونہی چلا آ رہا ہے۔ موسم آتے جاتے رہتے ہیں وقت کا کام گزرنا ہے اور یہ گزرتا جا رہا ہے یہ آگے کی طرف رواں رہتا ہے، پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا، نہ رکتا ہے نہ پلٹتا ہے جو اس کے ساتھ نہیں چلتا وہ پیچھے رہ جاتا ہے ترقی اور کامیابی اس کی منزل ہے لیکن ترقی ہم صرف اسی کو کہہ سکتے ہیں جو صحیح راستے سے ہمیں اپنی منزل کی طرف لے جا رہی ہو جو حرکت منزل کے برعکس سمت لے جائے وہ ترقی نہیں تنزلی ہے، آنے والی ہر صبح کا سورج ایک خوشگوار امید کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، آسودگی، خوشحالی اور مسرتوں کی بہار کے ساتھ ہمارا ملک بہت سارے مدو جزر سے گزرتا رہا ہے، یہ ابھی ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اسے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے، جو لوگ اپنی ذمہ داریوں کو ایمانداری سے نبھاتے ہیں ان کا نام تاریخ کے صفحات میں لوگوں کے دلوں میں اور افسانوں کی یادداشت میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمہ داریاں بہ احسن و خوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اس شمارے میں:۔ اداکارہ ثمینہ پیرزادہ سے ملاقات، مدیحہ تبسم، ثناء ظفر اور غزالہ جلیل راؤ کے مکمل ناول، متعاہل تناوش کا ناولٹ، شمع جبیں، ام مریم، فرحت شوکت اور نازیہ ضیاء کے افسانے، فوزیہ غزل کا سلسلے وار ناول کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

زمیں پر اور آسماں پر الٰہی
ذکر ہے ترا ہر زباں پر الٰہی

تری دسترس سے نہیں کوئی باہر
تو حاکم ہے سب جہاں پر الٰہی

خزاں رت میں گل کھلائے ہیں تو نے
کرم ہے ترا گلستاں پر الٰہی

جلانے کو بے تاب ہیں بجلیاں
نظر ہو مرے آشیاں پر الٰہی

مرادیں دل کی وہ پا کر ہی جائے
جو آئے ترے آستاں پر الٰہی

نہیں ہے مرا اس جہاں میں کوئی
ترا نام ہے بس زباں پر الٰہی

حکیم نان حکیم

نعت رسول مقبولؐ

طوفاں میں جیسے دور سے ساحل دکھائی دے
میں ان کو سوچ لوں مجھے منزل دکھائی دے

یہ اور راستے ہیں حدی خواں! سنبھل کے چل
طیبہ کا ذرہ ذرہ مجھے دل دکھائی دے

گم ہو نہ جاؤں راہ میں اے صاحب کرم
اک بار پھر جادہ منزل دکھائی دے

طرز دعا بھی سونپ رہی ہوں نگاہ کو
کیوں صرف التجاؤں میں حائل دکھائی دے

وہ راہرو نہیں ہے اسے کارواں کہو
اس در کی آرزو میں جو شامل دکھائی دے

مل جائیں گے وہیں سے اجالے جہاں ادا
تنویر لہر و ماہ تجھی سائل دکھائی دے

ادا جعفری

Aneela PakistaniPoint

سید اختر ناز

حضور نبی کریم کی بیاری باتیں

بشریت کاملہ

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات عالی صفات تمام اخلاق و خصائل صفات جمال میں اعلا و اشرف اور اقویٰ ہے، ان تمام کمالات اور محاسن کا احاطہ کرنا اور بیان کرنا انسانی قدرت و طاقت سے باہر ہے کیونکہ وہ تمام کمالات جن کا عالم امکان میں تصور ممکن ہے سب کے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔ تمام انبیاء مرسلین آپ کے آفتاب کمال کے چاند اور انوار جمال کے مظہر ہیں۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تمام خوبیاں ہیں) وصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ قدر حسنہ وجمالہ وکمالہ وبارک وسلم۔

(مدارج النبوۃ)

امتیاز خصوصی

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کتاب "تہذیب" میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخلاق و عادات کی تمام خوبیاں اور کمالات اور اعلا صفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں جمع فرما دی تھیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے علوم سے جو آپ کے شایان شان تھے۔ بہرہ ور فرمایا تھا۔ حالانکہ آپ اُمّی تھے، کچھ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے۔ نہ انسانوں میں سے کوئی آپ کا معلم تھا۔ اس کے باوجود آپ کو ایسے علوم عطا فرمائے گئے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں کسی اور کو نہیں دیے۔ آپ کو کائنات ارضی (زمین) کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں، مگر آپ نے دُنیوی مال و متاع کے بدلے ہمیشہ آخرت کو ترجیح دی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علم و حکمت کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، سب سے زیادہ محترم، سب سے زیادہ منصف، سب سے زیادہ حلیم و بُردبار، سب سے زیادہ پاک دامن و عفیف اور لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے اور لوگوں کی ایذا رسانی پر سب سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(وسائل الوصول الی شمائل الرسول)

بخاری و مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، بہادر اور فیاض تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ تمام انسانوں میں سب سے اشرف تھے اور آپ کے مزاج میں سب سے زیادہ اعتدال تھا اور جس میں یہ اوصاف ہوں تو اس کا ہر فعل بہترین افعال کا نمونہ ہوگا۔ وہ تمام لوگوں میں حسین ترین صورت والا ہوگا اور اس کا خلق اعلا ترین اخلاق کا سیرتی کے حامل تھے اور سب سے زیادہ کریم، سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر جود و سخا والے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ تسلیماً کثیراً کثیراً۔

صورت زیبا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا آپ کے رخسار مبارک میں سورج تیر رہا ہے۔ جب آپ مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔

(مدارج النبوۃ، از کتاب الشفا)

ہند بن ابی ہالہؓ سے روایت ہے۔
"دیکھنے والوں کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور عظیم، بزرگ اور دبدبہ والا تھا۔ آپؐ کا چہرہ ایسا چمکتا تھا جیسے چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طیب و مطیب ہونا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے "میں نے کوئی عنبر اور کوئی مشک اور کوئی خوشبودار چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہرگز نہیں دیکھی۔ آپؐ جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی اور جب کبھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی راستے سے گزرتے اور کوئی شخص آپؐ کی تلاش میں جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپؐ اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔ یہ خوشبو بغیر خوشبو لگائے ہوئے خود آپ کے بدن مبارک میں تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً۔

(نشر الطیب)

بس گئی ہے فضا میں نکہتِ حسن
وہ جہاں بھی جدھر سے گزرے ہیں
(عارفی)

خُلقِ عظیم

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ کریم میں مکارمِ اخلاق، محامدِ صفات اور ان کی کثرت و قوت اور عظمت کے لحاظ سے قرآنِ کریم میں مدح و ثنا فرمائی ہے اور ارشاد ہے۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ط

(بلاشبہ آپ بڑے ہی صاحبِ اخلاق ہیں۔)

اور فرمایا۔

کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ط

(آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔)

اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

(یعنی مجھے مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے۔

لِاُکَمِّلَ مَحَاسِنَ الْاَفْعَالِ ط

(یعنی اچھے کاموں کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی ذاتِ مقدس میں تمام محاسن و مکارمِ اخلاق جمع تھے اور کیوں نہ ہوں جب کہ آپؐ کا معلم حق تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔

سیدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا۔

کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنَ

(آپؐ کا اخلاق قرآن تھا)

اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو کچھ قرآن کریم میں اخلاق و صفاتِ محمودہ مذکور ہیں، آپؐ ان سب سے متصف تھے۔

کتاب الشفا میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید ذکر فرماتے ہیں۔ (کہ نیز یہ بھی ہے)

"آپؐ کی خوشنودی قرآن کی خوشنودی کے ساتھ اور آپؐ کی ناراضگی قرآن کی ناراضگی کے ساتھ تھی۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی رضا امرِ الٰہی کی بجا آوری میں اور آپؐ کی ناراضگی حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی میں اور ارتکابِ معاصی میں تھی۔"

اور عوارف المعارف میں مذکور ہے کہ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد یہ تھی کہ قرآن کریم ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہذبِ اخلاق تھا۔ یعنی خلقہ القرآن کے یہی معنی و مطلب ہیں۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ کسی کا فہم اور کسی کا قیاس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی حقیقت اور آپ کے حال کی کُنہ عظیم تک نہیں پہنچ سکتا اور بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں پہچان سکتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند کما حقہ کوئی نہیں پہچان سکتا۔

لَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ "اس کی تاویل بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔"

(حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز، مدارج النبوۃ)

حلم و عفو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر، بردباری اور درگزر کرنے کی صفات، نبوت کی عظیم ترین صفتوں میں سے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے ذاتی معاملہ اور مال و دولت کے سلسلہ میں کسی سے انتقام نہیں لیا، مگر اس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیا تو اس سے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بدلہ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ اشد و سخت صبر غزوۂ اُحد میں تھا کہ کفار نے آپ کے ساتھ جنگ و مقابلہ کیا اور آپ کو شدید ترین رنج و الم پہنچایا۔ مگر آپ نے ان پر نہ صرف صبر و عفو پر ہی اکتفا فرمایا بلکہ ان پر شفقت و رحم فرماتے ہوئے ان کو اس ظلم و جہل میں معذور گردانا اور فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

(یعنی اے اللہ میری قوم کو راہِ راست پر لا کیونکہ وہ جانتے نہیں)

اور ایک روایت میں ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ (اے اللہ! انہیں معاف فرما دے) اور جب صحابہؓ کو بہت شاق گزرا تو کہنے لگے۔

"یا رسول اللہ! کاش ان پر بد دعا فرماتے کہ وہ ہلاک ہو جاتے"۔

آپ نے فرمایا "میں لعنت کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ میں حق کی دعوت اور جہان کے لیے رحمت ہو کر مبعوث ہوا ہوں۔"

(الشفا۔ مدارج النبوۃ)

صبر و استقامت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا۔ اور ایک دفعہ تیس رات دن مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلالؓ کے لیے کھانے کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس کے جو بلالؓ نے اپنی بغل کے اندر چھپا رکھا تھا"

(معارف الحدیث۔ شمائل ترمذی)

واقعہ طائف

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی تبلیغ کے لیے حضرت زید بن حارث کو ساتھ لیے ہوئے پا پیادہ طائف پہنچے اور وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت فرمائی۔ جس سے وہ سب برافروختہ ہو کر درپے آزار ہو گئے۔ وہاں کے سرداروں نے اپنے علاقوں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا۔ وہ لوگ وعظ کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنے پتھر پھینکتے کہ حضور اکرمؐ لہو میں تر بتر ہو جاتے۔ خون بہہ بہہ کر نعلین مبارک میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں جوتے سے نکالنا مشکل ہو جاتے۔

ایک دفعہ بد معاشوں اور اوباشوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، چیخیں ماریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہو گئے۔

اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ فرماتے ہوئے خدا کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنی چوٹیں آئیں کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے۔ پانی کے چھینٹے مارنے سے ہوش آیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس سفر میں تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج و صدمہ کے وقت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت سے لبریز تھا۔ اس وقت آپ نے جو دعا مانگی اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے اللہ! میں اپنے ضعف، بے بسی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی تحقیر اور بے سروسامانی کی فریاد تجھ ہی سے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین اے درماندہ ناتوانوں کے مالک تو ہی میرا رب ہے اے میرے آقا! تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے۔ بیگانوں کے جو ترش رو ہوں گے یا دشمن کے جو میرے نیک و بد پر قابو رکھے گا۔ لیکن جب تو مجھ سے ناخوش نہیں ہے تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے، کیونکہ تیری عافیت اور بخشش میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات پاک کے نور کی

پناہ چاہتا ہوں، جس سے آسمان روشن ہوئے اور جس سے تاریکیاں دور ہوئیں اور دنیا و آخرت کے کام ٹھیک ہوئے۔ تجھ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر غضب نازل کرے یا تیری ناخوشی مجھ پر وارد ہو اور تجھ کو منانا ہے۔ حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور تیری مدد اور تائید کے بغیر کسی کو کوئی قدرت نہیں۔"

(طبری ج ۲ ص ۸۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا۔

"میں ان لوگوں کی تباہی کے لیے کیوں دعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ ان کی آیندہ نسلیں ضرور اللہ واحد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔"

(عن عائشہؓ صحیح مسلم۔ کتاب رحمۃ للعلمین)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عفو و کرم

کفار مکہ اکتیس سال تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نام لیواؤں کو ستاتے رہے۔ ظلم و ستم کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو انہوں نے خدائے واحد کے پرستاروں پر نہ آزمایا۔ حتیٰ کہ وہ گھر بار اور وطن تک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے بدترین دشمن مکمل طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم و کرم پر تھے اور آپ کا ایک اشارا سب کو خاک و خون میں ملا سکتا تھا، لیکن ہوا کیا۔

ان تمام جباران قریش سے جو خوف اور ندامت سے سر نیچے ڈالے آپ کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ نے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟"

انہوں نے دبی زبان سے جواب دیا۔

"اے صادق، اے امین! تم ہمارے شریف بھائی اور شریف برادر زادے ہو، ہم نے تمہیں ہمیشہ رحمدل پایا ہے۔"

آپ نے فرمایا: "آج میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔"

حضورؐ نے مزید فرمایا: "تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ آج تم سب آزاد ہو۔" صلی اللہ علیہ وسلم۔

(کتاب الشفا۔ ابن ہشام)

فطرتِ سلیمہ

آپ تمام احوال و اقوال و افعال میں کبائر سے اور محققین کے نزدیک صغائر سے بھی معصوم تھے اور آپ سے کسی قسم کی وعدہ خلافی یا حق سے اعراض کا صدور ممکن ہی نہ تھا نہ قصداً نہ سہواً نہ صحت میں نہ مرض میں، نہ واقعی مراد لینے میں نہ خوش طبعی میں، نہ خوشی میں نہ غضب میں۔

(نشر الطیب)

ایفائے عہد

جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل تھی اور مسلمانوں کو ایک ایک آدمی کی اشد ضرورت تھی۔ حذیفہ بن الیمانؓ اور ابو حسیلؓ دو صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

"یا رسول اللہ! ہم مکہ سے آ رہے ہیں۔ راستے میں کفار نے ہم کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم لڑائی میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے، لیکن یہ مجبوری کا عہد تھا۔ ہم ضرور کافروں کے خلاف لڑیں گے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "ہرگز نہیں، تم اپنا وعدہ پورا کرو اور لڑائی کے میدان سے واپس چلے جاؤ۔ ہم (مسلمان) ہر حال میں وعدہ پورا کریں گے، ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔"

(صحیح مسلم باب الوفا بالعہد ص ۸۹ ج دوم ص ۱۰۳ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن ابی الحمادؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

"بعثت سے پہلے میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز خریدی، کچھ رقم باقی رہ گئی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ اسی جگہ لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ پھر میں بھول گیا۔ تین دن کے بعد مجھے یاد وہاں پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

سے فرمایا۔
"تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں"
(ابوداؤد نے اس کو روایت کیا) اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور ایفائے عہد کی انتہا ہے۔
(مدارج النبوۃ)

شجاعت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"مجھ کو اور لوگوں پر چار چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ سخاوت، شجاعت، قوت مردمی اور مقابل پر غلبہ۔ اور آپ نبوت کے قبل بھی اور بعد یعنی زمانہ نبوت میں بھی صاحبِ وجاہت تھے۔
(نشر الطیب)
غزوۂ حنین کے موقع پر کفار کے تیروں کی بوچھاڑ سے صحابہ کرام میں ایک قسم کا ہیجان، پریشانی اور تزلزل اور ڈگمگاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ فرمائی۔ حالانکہ گھوڑے پر سوار تھے، اور ابوسفیان بن حارث آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑے تھے۔ کفار چاہتے تھے کہ حضور پر حملہ کریں۔ چنانچہ آپ گھوڑے سے اترے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور زمین سے ایک مشت خاک لے کر دشمنوں کی طرف پھینکی تو کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھ اس خاک سے نہ بھر گئی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ شعر پڑھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ
(میں نبی ہوں اس میں کذب نہیں)
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ
(میں عبد المطلب کی اولاد ہوں۔)

اس روز آپ سے زیادہ بہادر، شجاع اور دلیر کوئی نہ دیکھا گیا۔
(مدارج النبوۃ)
حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی شجاع دیکھا اور نہ مضبوط دیکھا اور نہ فیاض دیکھا اور نہ دوسرے اخلاق کے اعتبار سے پسندیدہ دیکھا اور جنگ جدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں پناہ لیتے تھے اور بڑا شجاع وہ شخص سمجھا جاتا تھا جو میدانِ جنگ میں آپ سے نزدیک رہتا۔ جب کہ آپ دشمن کے قریب ہوتے تھے کیونکہ اس صورت میں اس شخص کو بھی دشمن کے قریب رہنا پڑتا تھا"
(نشر الطیب)

سخاوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اول تو تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ کوئی بھی آپ کی سخاوت کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ نہایت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کی حالت میں آپ نے پہنی، اسی وقت ایک شخص نے مانگ لی۔ آپ نے مرحمت فرما دی۔
آپ قرض لے کر ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا فرماتے تھے اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کچھ آ گیا اور ادائے قرض کے بعد بچ گیا تو جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے گھر میں تشریف نہ لے جاتے تھے)
بالخصوص رمضان المبارک کے مہینے میں آخیر تک بہت ہی فیاض رہتے۔ (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ماہ کی فیاضی بھی اس مہینہ کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینے میں جب بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لاتے اور آپ کو کلام اللہ سناتے، اس وقت آپ بھلائی اور نفع رسانی میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔
(خصائل نبوی)
حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول خدا سے کچھ مانگا گیا ہو اور آپ نے فرمایا ہو، میں نہیں دیتا۔
حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز نہ اٹھا رکھتے تھے"۔
حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے۔ خاص کر ماہ رمضان میں تو بہت ہی سخی ہو جاتے تھے۔
(صحیح بخاری باب بدء الوحی)

اندیشہ شہر کے بغیر دبلے ہونے کا

ابن انشا

روکھی پھیکی کھا کے ٹھنڈا پانی پی۔ "بھگت کبیر کے اس ایدیش پر ہمارا عمل کچھ تو عادتاً" ہے، کچھ ضرورتاً"۔ لیکن کل ہم نے رئیس گھرانے کی ایک خاتون کو سوکھے ٹکڑے چباتے، آہ سرد بھرتے اور ٹھنڈا پانی پیتے دیکھا تو بہت متاثر ہوئے۔

"ہم آپ کی خاکساری سے بہت متاثر ہوئے۔ مانگیے کیا انعام مانگتی ہیں۔"

بولیں۔ "اس معاملے میں کچھ دخل انکسار کو نہیں ہے۔ مجھے کبیر الدین اسپیشلسٹ نے یہ بتایا ہے کہ آپ بالکل ہی بارہ من کی دھوبن نہیں بننا چاہتیں اور غبارہ کی طرح پھٹنا بھی پسند نہیں کرتیں تو ڈائٹنگ کیجئے۔ ہاتھ روک کر کھائیے۔ کم کھائیے، سادہ کھائیے۔ بلکہ ہو سکے تو کچھ نہ کھائیے۔ ہاں ہوا کی ممانعت نہیں۔ وہ جتنی جی چاہے کھائیے۔"

ہم نے کہا "اور کھانوں کے بارے میں تو ڈاکٹر صاحب کا مشورہ صائب ہے لیکن ہوا کی بھی احتیاط رکھیے۔ زیادہ ہوا کھانے سے ریاح کا اندیشہ ہے۔"

کھاتے پیتے گھرانے کی جس خاتون کو بھی دیکھیے، اس غم میں دبلی ہوتی جا رہی ہے کہ اس پر مٹاپا دن بدن چڑھ رہا ہے۔ اصل میں دبلاپا بھی فیشن ہو گیا ہے حالانکہ کسی خاتون کا ایسا دبلا ہونا بھی کیا کہ یہ معلوم ہو قدرت نے فرشِ زمین پر عمود گرا رکھا ہے یا بانس ہے جس پر کپڑے ٹنگے ہیں۔ یہ بات بھی نہیں کہ آدمی کھا کر گول دائرہ ہی ہو جائے یا مثلث دکھائی دے جس کے نیچے دو پائے لگے ہوں۔ بس کھڑی مستطیل کی سی صورت ہونی چاہیے کہ جیومیٹری کی ساری شکلوں میں ہمیں یہی پسند ہے۔ رقبہ نکالنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔

کچھ قصور اس دبلاپے کی تحریک میں حکومت کا بھی ہے جس نے بچت کرو، بچت کرو کی مہم پلا رکھی ہے۔ خواتین حب الوطنی کے جذبے سے مجبور نہ صرف تھوڑا کھاتی ہیں، بلکہ تھوڑا پہنتی بھی ہیں تاکہ فالتو کپڑا بیرون ملک بھیج کر زرِ مبادلہ کمایا جا سکے۔

ابھی کل ہی ایک محترمہ سے ہم نے کہا کہ "یہ نیا فیشن کب سے نکلا۔ شلوار کے ساتھ بلاؤز پہننے کا یہ تو ساڑھی کے ساتھ پہنا جاتا ہے۔"

"ناخوش ہو کر بولیں۔ "یہ بلاؤز نہیں ہے صاحب، قمیص ہے۔"

شلوار کا بھی بقول ہمارے ایک دوست کے ایسا پتلا حال ہوا ہے کہ پہلے چار گز میں ایک شلوار بنتی تھی، اب ایک گز میں چار شلواریں بنتی ہیں۔ کچھ کپڑا پھر بھی بچ جاتا ہے، اس کا ازار بند سی لیجئے یا دوپٹہ بنا کر اوڑھ لیجئے۔

تھوڑا کھانے اور تھوڑا پہننے کے علاوہ بھی خواتین کئی طرح کی بچتیں کرتی ہیں، جس سے اس الزام کی تردید ہو جاتی ہے کہ عورتیں کفایت شعار نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر اپنی عمر تک گھٹا کرتی ہیں۔ آج کل کے زمانے میں جب کہ ہر چیز کو بڑھا چڑھا کر بتانے کا رواج ہے۔ عورتوں میں اتنا انکسار قابل تعریف ہے۔ البتہ زیادتی ہر چیز کی بری ہوتی ہے حتیٰ کہ انکسار اور عمر گھٹانے کی بھی، ایک صاحبہ کو ہم جانتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے وقت اٹھارہ بیس برس کی تھیں۔ پچھلے دنوں پھر ان کی ایک تحریر چھپی جو خود نوشت حالات پر مشتمل تھی اس میں بھی اٹھارہ بیس برس ہی لکھا پایا۔ ہم نے ایک محفل میں ان سے کہا کہ

"ہمیں تو آپ کی ان تحریروں میں زیادہ مزا آتا ہے جو آپ نے اپنی پیدائش سے پہلے لکھی تھیں۔"

بولیں "کیا مطلب؟"

ہم نے کہا "یہی ۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء" کی بات کر رہے ہیں۔"

اس پر بڑی مشکل سے انہوں نے اپنی عمر میں دس سال بڑھائے۔ دس پھر بھی اپنے پاس رکھ لیے۔

ہماری فلمی ایکٹرسیں خاص طور پر اس بات کا خیال رکھتی ہیں کہ ان کی عمر ناروا طور پر بڑھنے نہ پائے۔ ایک صاحبہ ہمارے ساتھ کی کھیلی ہوئی ہیں۔ بیس برس کی عمر

تک تو وہ اور ہم ہم عمر رہے' اس کے بعد ہم اکتیس سال کے ہو گئے تو وہ انیس سال کی ہو گئیں۔ ہم بائیس کے ہوئے وہ اٹھارہ کی ہو گئیں۔ بعد میں کیا ہوا' ہمیں معلوم نہیں کیونکہ اب ایک مدت سے انہیں نہیں دیکھا۔ ہاں فلم میں ضرور دیکھا تھا۔ جس میں وہ ایک بے بی کا کردار کرتی تھی پوپ چاٹتی گدگدے لگاتی دکھائی دی تھیں۔

پچھلی بار ایران کے سفر میں ہمارے ہمراہ فیروز سنز کے ڈاکٹر وحید بھی تھے۔ ساؤنا باتھ ہم نے وہاں پہلی بار دیکھا جس میں پہلے آپ کو گرم کمرے میں بٹھا کر لٹا کر ہیں۔ درجۂ حرارت درجۂ جوش سے بھی زیادہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ کو فوراً" بھاگ کر برفانی پانی میں چھلانگ لگانی ہوتی ہے۔ ہم نے تو ایک بار کیا اور اس کے بعد درازیٔ عمر کے لیے دعا کی۔ ڈاکٹر وحید دو تین بار نہائے اور کہنے لگے۔

ہر غوطے کے بعد میں خود کو بقدر دس سال جوان تر محسوس کرتا ہوں۔

وہ پھر تیار ہو رہے تھے کہ ہم نے روک لیا اور کہا۔

"ڈاکٹر صاحب دو غوطے آپ نے اور لگائے تو غوں غاں کرتے نکلیں گے۔ ہمارے پاس تو آپ کے لائق نہ بب ہے نہ چڈی ہے' نہ گرائپ واٹر کا ذخیرہ ہے۔" بڑی مشکل سے مانے۔

☼ ☼ ☼

پاکستان ٹیلی وژن والوں نے اشتہارات کے لیے بعض قاعدے بڑے سخت رکھے ہیں۔ اگر آپ سگریٹ کے اشتہار میں کسی خاتون کو سگریٹ پیتے اور دھواں اڑاتے دکھانا چاہتے ہیں تو اس خاتون کی عمر اکیس برس سے کسی صورت کم نہ ہونی چاہیے۔

سگریٹ کی ایک اشتہاری فلم کے لیے انٹرویو لینے والوں میں ہم بھی تھے امیدواریں تو بہت آئیں' لیکن جب اعلان ہوا کہ جو خواتین اکیس برس سے زیادہ کی ہیں' وہ آگے آجائیں۔ تو سب ایک دوسری کا منہ دیکھنے لگیں۔ بعض تو پھٹ ہی پڑیں کہ "نوج ہم کیوں ہوں اکیس برس کی' اکیس برس کے ہوں ہمارے دشمن' بعض تو گڑیاں اور جھنجھنے نکال کر ان سے کھیلنے لگیں۔ ایک صاحبہ نے تو ہمیں سلطانی گواہ بھی بنا لیا اور کہا۔

"آپ تو خود جانتے ہیں کہ میں پاکستان بننے سے پہلے دہلی میں آل انڈیا ریڈیو میں ہمیشہ بچوں کے پروگرامز میں حصہ لیا کرتی تھی یہ تو پاکستان کے حالات اور زلزلے نے اکیس برس سے کم کی نہ ملیں۔ ہم فارغ ہو کر باہر نکلے تو انہی میں سے ایک صاحبہ کو فٹ پاتھ پر کھڑے پایا۔ ہم نے کہا "خیریت؟" بولیں۔

"میری لڑکی نے کہا تھا کہ واپسی میں مجھے اپنی کار میں لے لیں گی۔ کالج میں تو بارہ بجے ہی چھٹی ہو جاتی ہے۔ جانے کہاں رہ گئی ہوں گی۔"

ایک زمانہ تھا کہ اولاد اور والدین کی عمر میں اچھا خاصا فرق ہوا کرتا تھا۔ بالعموم زیادہ' ورنہ پندرہ سولہ برس کا تو ضرور' اب تو دنیا ہی بدل گئی ہے۔ کوئی شے اپنے حال پر نہیں رہی۔ ایک محفل میں ایک والدہ اپنا تعارف کراتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ اب کے ستمبر میں میری عمر بیس سال کی ہو جائے گی۔ اتنے میں ان کی صاحبزادی پہنچ گئیں۔ چھوٹوں کو بڑوں کی گفتگو میں بولنا تو نہیں چاہیے لیکن آج کل کی اولاد کا آپ جانتے ہیں' چلا کر بولیں۔ "امی خدا کے لیے اپنی اور میری عمر میں نو ماہ کا فرق تو رکھ لیا کیجیے۔"

لیکن ذکر تو کھانے پینے بلکہ نہ کھانے پینے کا تھا اس سے وزن ضرور گھٹ جاتا ہے لیکن تکلیف بھی ہوتی ہے۔ اسی خیال سے ہم نے بلا درد وزن گھٹانے کی گولیاں ایجاد کی ہیں کہ ایک گولی کھائیے پانچ پونڈ وزن گھٹائیے۔ دو کھائیے دس پونڈ کم ہو جائے۔ تین گولیاں اکٹھی کھانے والے کے ساتھ خاص رعایت' یعنی آپ پندرہ پونڈ کے بجائے سترہ پونڈ گھٹا سکتے ہیں۔ جن صاحب یا صاحبہ کو ضرورت ہو' بیس روپے اشتہارات و پیکنگ کے لیے بھیج کر ہم سے مفت طلب کریں بلکہ محصول ڈاک ہم اپنے پاس سے دیں گے۔ کفن دفن کا خرچ البتہ بذمۂ خریدار رہے گا۔ ہمارے پاس ایک انگریز کا سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے۔ وہ سابقہ مشرقی پاکستان سے ایک ہاتھی اپنے ساتھ ولایت لے جانا چاہتا تھا۔ ترکیب سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر چند روز ہماری گولیاں اسے مسلسل استعمال کرائیں حتیٰ کہ وہ ہاتھی کا خلاصہ بلکہ گیس پیپر رہ گیا۔ اب کیا تھا۔ سوٹ کیس میں بند کیا اور لے گیا۔ مر ضرور گیا تھا لیکن آپ نے سنا ہو گا' زندہ ہاتھی ایک لاکھ کا' مرا ہوا سوا لاکھ کا۔

☼ ☼

عجب سلسلے ہیں وفا کے

فوزیہ غزل

پچھلی قسط کا خلاصہ

14 اگست کے حوالے سے آرمی والوں کا فنکشن اپنے مخصوص انداز میں جاری تھا۔ فنکشن کے دوران بریگیڈیئر سلطان کی فرمائش پر کیپٹن سبط حسن نے وطن کے حوالے سے ایک خوبصورت نظم سنا کر محفل لوٹ لی۔

امبر اپنی دوستوں کے ساتھ آرمی سروس کلب میں بیٹھی اپنے آئیڈل کو ڈسکس کرتی ہے جہاں کیپٹن سبط حسن اس کی باتوں کو سن لیتا ہے اور اپنے ساتھ بیٹھے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ میں اس کے دل کا مکین بنوں گا۔

ثمن کا آئیڈل نیوی آفیسر ہے۔

فضہ ایک مہم جو لڑکی ہے جو نہ صرف خود اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی ہے بلکہ اپنی دوستوں کو بھی اس پر اکساتی ہے۔

ثمن، اسماء اور فضہ کو ساتھ لے کر آفیسرز کالونی کا چکر لگانے نکلتی ہے کہ کسی کے گانے کی آواز سن کر رک جاتی ہے وہ اپنی دوستوں سے اس جگہ جانے کی خواہش کرتی ہے جہاں چند نوجوان بیٹھے ہوتے ہیں گانے کی آواز بھی وہی سے آ رہی ہوتی ہے روشنی سے بچتے ہوئے وہ ان لوگوں سے کچھ فاصلے پر ایک تاریک جگہ پر رک جاتی ہے کہ اچانک ثمن کی چیخ بلند ہوتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

''میرا خیال ہے میں کچھ دنوں کے لئے اسلام آباد چلی جاؤں۔'' وارڈ روب میں کپڑے سیٹ کر کے رکھتے ہوئے امبر خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''انکل کی فیملی تو کراچی ٹور پہ ہے حسنین بھائی بھی اپنی بیوی بچوں سمیت کچھ دنوں کے لئے لاہور گئے ہوئے ہیں اور رہے ثقلین بھائی تو وہ ہوئے پنڈی میں، ہیں تم وہاں کس کے پاس جاؤ گی۔'' نگین بھابھی اس کی بات پر بولیں۔

''آ چکے ہیں وہ لوگ، میری صبح ہی فصیح انکل سے بات ہوئی ہے۔'' میجر نعیم متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔

''بھائی آپ مجھے چھوڑ آیئے گا فضا کے ہاں، میرا دل بہت اداس ہو رہا ہے، میں اپنی کزنز اور فرینڈز سے ملنا چاہتی ہوں۔'' امبر نے انہیں دیکھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے گڑیا مگر تم کچھ دن اپنی تھکن اتارو پھر میں چھوڑ آؤں گا بلکہ فضا اور ثمن کو ادھر ہی لے آتا ہوں۔'' وہ HUGO BOSS کا اسپرے کرتے ہوئے مڑے۔

''ہوں واقعی یہ آئیڈیا زبردست ہے مجھے بھی کچھ دنوں کے لئے ریلیکس ہونے کا موقع مل جائے گا ویسے تو گھر سے نکلا نہیں جاتا۔'' نگین فوراً خوش ہو کر بولی۔

''نگین جھوٹ مت بولو تمہارا تو ہر دن ریلیکس ہو کے گزرتا ہے نہ بیگمات کی آپس میں گیدرنگ ختم ہونے پاتی ہیں نہ شاپنگ حال کے چکر کم ہوتے ہیں، کھانا پکانے کا جھنجھٹ بھی میس کی وجہ سے تقریباً نہ ہونے کے برابر۔'' میجر نعیم نے جتاتے لہجے میں کہا۔

''آپ مردوں کو بس یہ دو چیزیں دکھائی دے جائیں تو عورتوں کو ٹینشن فری سمجھ لیتے ہیں، جب کہ ہمارے ہزار ہا قسم کے سر درد ہوتے ہیں۔'' وہ کچھ برا مان کر بولیں۔

''ایک یہ عادت بھی تم لوگوں کی صنف میں بہت بری ہے کہ معمولی سے معمولی بات کو بھی بڑھا چڑھا کر یوں بیان کرتی ہیں اگلا بندہ پریشان ہو جائے، عملی زندگی میں بھی حقیقت سے زیادہ اداکاری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔''

''اور آپ مرد حضرات جو چھوٹی سے چھوٹی بات کو پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، آنکھ جھپکنے پہ بھی تفتیش ہر بات پر بال کی کھال اتارنا۔'' نگین نے تیوری چڑھائی۔

''پلیز آپ لوگ اپنی لڑائی بعد میں لڑ لیجئے گا پہلے مجھے بتایئے کہ ثمن اور فضا کو ادھر لے آئیں گے یا مجھے ادھر چھوڑ دیں گے۔'' امبر نے زچ آ کر انہیں ٹوکا۔

''ایک منٹ ابھی بتاتا ہوں۔'' میجر نعیم اپنے سیل پر ان سے Contact کرنے لگے۔

''وعلیکم السلام الحمد اللہ تم سناؤ۔'' وہ شائستگی سے بولے۔

''بہت کرم ہے اللہ کا بھابھی اور آنٹی کیسی ہیں۔'' فضا جواباً بولی۔

''خدا کے فضل سے ٹھیک ٹھاک اور امبر آئی ہوئی ہے تم لوگوں سے ملنا چاہتی ہے۔''

''ارے امبر کب آئی اور میں ابھی ثمن سے اس کا ذکر کر رہی تھی، پلیز بات کروائیں۔'' فضا بہت پر جوش ہوئی تھی۔

''السلام وعلیکم فضا کیسی ہو میری سویٹ ہارٹ۔'' امبر نے سیل نعیم سے لیا۔

''وعلیکم السلام! تمہاری دعا ہے سب خیریت ہے تم کب آئیں۔''

''یہی کوئی چوبیس سال پہلے۔'' امبر برجستگی سے بولی۔
''کل ہی پہنچی ہوں تمہیں تو پتہ ہے کہ عاشر کی پوسٹنگ سیاچن ہو چکی ہے اور ممی، پاپا عمیرہ کے سلسلے میں سعودیہ گئے ہیں نعیم بھائی سرگودھا ہوتے ہیں تو یہ مجھے ادھر لے آئے۔'' امبر نے تفصیل سے آگاہ کیا۔
''اچھا کیا ویسے بھی تمہیں گھومنے پھرنے اور لکھنے کا شوق ہے اب شاہینوں کے شہر میں اپنے شوق جی بھر کر پورے کر لینا۔''
''نہیں فضا اب بہت بے دلی سے بیٹھ گئی ہے میرے اندر ایک انجانا خوف ہر لمحہ ذہن پر لاحق رہنے لگا ہے سب شوق عہد گزشتہ کے قصے بن گئے، تم بتاؤ ثمن کیسی ہے اور کیا کر رہی ہے اس وقت۔''
''دریز کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور غم سے سنبھل نہیں پا رہی، مجھے بہت ترس آتا ہے اتنی معصوم اور غموں سے بے خبر تھی میری بہن جانے کس کی نظر لگ گئی کہ پل بھر میں خوشیوں سے محروم ہو گئی۔'' فضا کا لہجہ بھرا گیا بولتے ہوئے۔
''دکھ تو بہت بڑا ہے مگر ہم انسان کر بھی کیا سکتے ہیں سوائے صبر اور حوصلے کے، ثمن سے محبت بھی تو بہت کرتے تھے حارث بھائی اور ثمن ان سے بہت اٹیچ تھی۔''
''ہوں تم ٹھیک کہتی ہو، یادوں کے زخم بھرنے میں تھوڑا عرصہ تو لگتا ہے مگر ثمن کی زندگی میں یہ عرصہ کچھ طویل ہو گیا ہے وہ اب تک پہروں خاموش بیٹھی بھیگی آنکھوں سے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں جانے کیا کھوجتی رہتی ہے۔ ماما بہت سمجھاتی ہیں مگر دل تو پھر دل ہے اسے کون سمجھا سکتا ہے۔''
''ہاں دل کو کون سمجھا سکتا ہے۔'' امبر نے طویل سانس لیا۔
''فضا تم ایسا کرو ثمن کو لے کر یہاں آ جاؤ کچھ عرصہ ادھر رہے گی تو ذہن و دل پر مثبت اثر پڑے گا۔'' امبر نے پیشکش کی۔
''ماما مشکل سے مانیں گی وہ ثمن کو لمحہ بھر نگاہوں سے اوجھل نہیں کرتیں، تم ہی ادھر آ جاؤ ہمارے پاس ویسے بھی ٹائم بہت شارٹ ہے پاپا کی پوسٹنگ ہو رہی ہے سو ہم سامان کی پیکنگ وغیرہ میں لگے ہوئے ہیں۔'' فضا نے اطلاع دی۔
''او کے پھر میں آ جاتی ہوں۔'' امبر نے رابطہ منقطع کرتے ہوئے میجر نعیم کو اسلام آباد جانے کا بتایا اور اٹھ کر بچیوں کو دیکھنے چل دی۔
''فیضان یہاں قدرت کا کتنا حسن بکھرا پڑا ہے کیسی دلفریب ضیائیں ہیں، بلند و بالا چوٹیاں سفید برف سے ڈھکی ہوئی، خوبصورت جھیلیں اور مسحور کن چشمے سرسبز و شاداب درخت اور رنگ برنگے خوشنما پھول، سچ زندگی بہت بڑا انعام محسوس ہو رہی ہے۔'' اسماء ہمیشہ کی طرح قدرتی مناظر دیکھ کر دیوانی ہو رہی تھی۔
''زندگی اور یہ ضیائیں واقعی بہت بڑا انعام ہیں مگر اس سے بھی بڑا انعام تم ہو۔'' میجر فیضان بہت دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔
''اور زندگی کے یہ میلے رفاقتوں کے فیض سے آباد ہیں آپ کی رفاقتیں جو محبتوں سے گندھی ہیں۔'' اسماء مسکراتے ہوئے بولی۔

''آج تمہارے ساتھ اس جگہ کھڑے ہوئے جتنا سکون میرے اندر ہے شاید پہلے کبھی نہ تھا، کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ دنیا کا حسن پھر سے مل جائے گا۔''

''میں نے یونہی تو نہیں کہا تھا کہ، اگر آپ سب کچھ کھو چکے ہیں تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے اس کے پاس پانے کے لئے پوری دنیا ہوتی ہے۔''

''تمہارے ساتھ نے سب کچھ بخشا ہے خوشی، سکون، ذہن و دل کا آرام مگر اک کونہ ایسا ہے دل کا یہاں آنسوؤں کے دیے جلتے ہیں یہاں درد چپکے چپکے کروٹیں لے کر آنکھیں بھگوتا رہتا ہے۔'' حارث کو یاد کرتے ہوئے ان کی پلکیں بھیگی تھیں۔

''یاد ہے اسماء، ہم سب اکٹھے شادی کے بعد یہاں آئے تھے بچپن سے لے کر جوانی تک ہم چاروں دوست ایک ساتھ رہے، سبط حسن اور حارث تو ایک ہی محلے کے رہنے والے تھے عاشر اور میں بعد میں دونوں سے ملے شاید فائیو یا سکس کلاس میں ہم دوست بنے اور پہلی ملاقات ایسی تھی کہ ہم آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہوتے گئے ہمارے درمیان کچھ راز نہ تھا، ہم ایک دوسرے کے سامنے کھلی کتاب کی مانند تھے ہماری دوستی، ہمارے جذبات، ہمارے احساسات بہت الگ اور مخصوص قسم کے تھے ہماری فرینڈ شپ میں کبھی داڑھ یا رنجش تو دور کی بات ہلکی سی خفگی تک نہ آنے پائی تھی، سکول، کالج ٹریننگ، اکیڈمی اور یونٹ کے ساتھیوں تک سب ہماری مثالیں دیتے ہوئے ہمیں رشک سے دیکھا کرتے تھے۔ ہمیں ایک دوسرے کے بغیر کھانا پینا، سانس لینا محال لگا کرتا تھا اور آج ایک ہم سے کبھی نہ ملنے کے لئے چلا گیا، زندگی جیسے ملی ہے ایسی سوچی تو نہ تھی۔'' فیضان لب بھینچے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہا تھا شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔

''یہ دنیا ہے فیضی یہاں ہر گمشدہ، چھن جانے والی اور نہ ملنے والی چیز پر صبر کرنا پڑتا ہے غموں سے سمجھوتا کر کے ہی جینے کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے اور پھر سمجھوتے میں مان لینے کا Element نہ ہو تو زندگی دشوار ہونے لگتی ہے، آپ پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ کا دوست بہت آرام دہ جگہ پر بہت سکون میں ہے وہ خدا جو ہم پر ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے اس کے ہاں شہید کا مرتبہ کتنا زیادہ ہے ہم اور آپ شاید اس فضلیت سے اچھی طرح واقف بھی نہیں۔'' اسماء ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''میرا خیال ہے چلنا چاہیے بہت دیر ہو گئی ہے حنان امی کو تنگ کر رہا ہو گا۔'' میجر فیضان دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں پھنسائے اسے پرخیال نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''ہوں چلیں، بس یہ ایک آخری اینگل محفوظ کر لوں۔'' اسماء کھڑی ہو کر اپنا کیمرہ درست کرنے لگی۔

''ویسے ایک بات ہے مجھے فائن آرٹس میں ماسٹرز کرنا چاہیے تھا پھر ایک آرٹسٹ کی نظر سے یہ قدرتی حسن اور مناظر پینٹ کرتی تو شاہکار تخلیق ہوتے مجھے یہ جگہ بہت فیسی نیٹ کرتی ہے۔'' ایک ساتھ تین چار کلوز اپ لے کر وہ سیدھی ہو کے بولی۔

''شاہکار تو تم اب بھی تخلیق کر رہی ہو۔'' ان کا لہجہ معنی خیزی لئے ہوئے تھا، اسماء بے اختیار خفیف ہو کر ان کے سینے پر مکے مارنے لگی اور وہ ہنستے چلے گئے۔

☆☆☆

نماز سے فراغت کے بعد اس نے تسبیح اور درود شریف پڑھ کر دونوں ہاتھوں کو دعائیہ انداز میں اٹھایا تو آنسوؤں کی تیز رو پلکوں کو پھلانگتی رخساروں پہ پھسل گئی۔ کچھ عرصہ پہلے وہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتی تو اپنے سکھ، خوشی اور سکون کے ساتھ اپنے شریک سفر کی طویل عمر، صحت و تندرستی اور اپنے ساتھ لمبی رفاقتوں کی دعائیں اس کی ہتھیلیوں پہ رقص کرنے لگتی تھیں اور اب جیسے لبوں سے لفظ روٹھ گئے تھے اور ہتھیلیاں خالی پڑی گزشتہ لمحات کو رونے پر مجبور تھیں۔

اب نہ کسی کے جلد لوٹ آنے کی خواہش دعا کو طویل کرتی تھی نہ کسی کو جی بھر کے دیکھنے کے ارمان پلتے تھے۔ کیسی تبدیلی آئی تھی احساسات و جذبات میں دل سب جانتا تھا مگر مانتا نہ تھا اور مانتا تھا تو بے طرح بے اختیار ہو کر روتا تھا۔

''ثمن اٹھو، دیکھو تو کون آیا ہے۔'' فضا نے سجدے میں پڑے ہچکیاں لیتے وجود کو ہلایا۔

ڈوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ جائے نماز کا کونا موڑ کر سیدھی ہوئی تو کچھ لمحے بے یقین نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑے افراد کو دیکھتی رہی پھر تڑپ کر تائی امی کے گلے لگی۔

''بس بیٹی بس بہت رو چکیں، اس ماں کو دیکھو کتنی صابر و شاکر ہے تم بھی حوصلہ کرو خدا کی رضا پر راضی ہو اور خبردار جو اب تمہاری آنکھیں بھیگتی ہوئی دیکھیں شہید تو زندہ ہیں اور زندہ لوگوں کو بھی رویا کرتے ہیں بھلا۔'' چچی فرحت نے ڈانٹنے کے انداز میں ثمن سے کہا تو وہ واقعی چپ ہو گئی۔

''آؤ باہر لان میں بیٹھیں۔'' امبر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی تو سب چل پڑے۔ فروا، رانیہ، رمشا اور امبر سے مل کر ثمن بہت ریلیکس لگ رہی تھی اور گفتگو میں ہوں ہاں کے بجائے تفصیلی طریقے سے شامل تھی، امبر کے لطیفوں اور مزاحیہ گفتگو پہ دو ایک بار ہلکی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر چمکی تو سب نے ایک دوسرے کو اطمینان کا اشارہ دیتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا۔

''ثمن جو ہو گیا اسے مان لو اور اس بات کا یقین کر لو کہ اسی میں مصلحت خداوندی تھی جس طرح تم حارث کے لئے زندہ تھیں اسی طرح بہت سے لوگ تمہارے لئے زندہ ہیں تمہیں خوش دیکھ کر ان کے دل کو خوشی ملتی ہے۔ تمہارا ذرا سا ملول ہونا بھی انہیں دنوں تک سوگوار رکھتا ہے اور زندگی یوں اداسیوں، تنہائیوں کے حوالے ہو کر تو نہیں گزاری جا سکتی زندگی تو قدرت کی بیش بہا نعمت اور انمول عطیہ خداوندی ہے اور نعمت ہمیشہ بانٹ کر جینے سے خوشی اور تسکین ملتی ہے، خوش رہو، ہنسو یہ یقین کر کے کہ تمہاری خوشی اور مسکراہٹ حارث کو بہت عزیز تھی وہ تمہیں ہمیشہ خوشیوں کی دعا دیا کرتا تھا اس کی خوشیوں کے لئے جیو۔'' امبر نے التجائیہ انداز میں ثمن کے ہاتھ تھامتے ہوئے دیکھا اور پھر سے بولی۔

''کوئی کورس کر لو کہیں جاب وغیرہ کسی نہ کسی طریقے سے خود کو مصروف رکھو، غموں سے لڑ کے خوش رہنا سیکھو اور پہلے سے زیادہ عزم، حوصلے اور جی داری سے زندگی کی بھاگ دوڑ میں حصہ لو۔''

''امبر، حارث کے بنا کچھ بھی کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔'' وہ بلکی۔

''ثمن یہ دنیا ہے یہاں کچھ بھی مشکل نہیں، کسی کے جانے سے کبھی کچھ نہیں رکتا ہاں احساسات پر جو ضرب لگتی ہے اس سے وقتی فرق ضرور پڑتا ہے اور کچھ عرصے بعد ہمیں سب بھلا کر

پھر سے زندگی کے لئے مصروف ہونا پڑتا ہے کیونکہ قدرت نے ہر چیز میں گنجائش رکھی ہے اسی لئے کسی کی جدائی دکھ تو دیتی ہے مگر، ہمیشہ کی کمی محسوس نہیں ہوتی اور جو ہو بھی تو قدرت اس کی کوئی کہیں نہ کہیں سے پورا کر دیتی ہے اور تم وعدہ کرو کہ اس روتی دھوتی ثمن کو دفن کر کے اسی پہلے جیسی معصوم مسکان والی بھولی بھالی ثمن کو پھر سے زندہ کرو گی وہی ثمن جسے دیکھ کر ساحلوں جیسی ٹھنڈک اندر اترتی تو دل اس کی طویل خوشیوں کے لئے دعا گو ہو جاتا۔'' امبر نے اس کے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھے اسے بڑی آس سے دیکھا تو وہ بھیگی آنکھوں کو سختی سے رگڑ کے اثبات میں سر ہلا گئی۔

''God Girl۔'' امبر مسکرائی۔

''چلو تیار ہو جلدی سے گھوم پھر کر آئیں فروا رانیہ اور رمشا سب کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔'' امبر نے کہا۔ تو وہ کچھ دیر میں آسمانی رنگ کا سوٹ پہنے ہم رنگ اسکارف اور دوپٹہ اوڑھے آ گئی سب نے سکون کا سانس لیا۔

''ثمن زندگی کی طرف لوٹنے لگی تھی ان کے لئے یہ بہت بڑی خوشی تھی۔''

☆☆☆

''سبط حسن تمہارا موبائل ری چارج ہونے والا ہے اسے دیکھو۔'' عاشر نے پکارا تھا۔

''یار تم نے دیکھ لیا ہے تو کر لو کچھ، مجھے کیوں جگا رہے ہو اتنی مشکل سے چند لمحوں کی نیند میسر آئی تھی وہ بھی تم برداشت نہ کر سکے۔'' سبط حسن منہ بناتے ہوئے سستی سے بولا۔

''کوئی بات نہیں سو جاؤ تمہارا تو مجھے کوئی غم نہیں میں تو فضا بھابھی کے خیال سے کہہ رہا تھا جو تم سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔'' عاشر سرسری انداز میں بولا سبط حسن فوراً چھلانگ لگا کر اٹھا تھا۔

''تم تو سچ مچ اٹھ گئے میں تو مذاق کر رہا تھا۔'' عاشر کھل کر ہنسا تو وہ جھنجھلا کر بولا۔

''دشمن سے پہلے تم میرے ہاتھوں شہید ہو جاؤ گے باز آ جاؤ اپنی حرکتوں سے۔''

''چلو موڈ درست کرو تمہیں ایک زبردست شے دکھاتا ہوں۔'' عاشر نے اسے گھسیٹا۔

''میں نہیں دیکھتا، جاؤ تم۔'' وہ خفگی سے بولا۔

''کم آن یار، بہت انوکھی شے ہے جانوروں جیسی ہیئت شکلاً انسان سے ملتی جلتی۔'' عاشر نے اپنا سیل اس کے چہرے کے سامنے کرتے ہوئے لیس کیا تو اسکرین پر میجر سبط حسن کا چہرہ تھا کچھ سوئی جاگی کیفیت میں ادھ کھلی آنکھیں۔

''تم خبیث ہو پورے۔'' سبط حسن نے ایک بھرپور مکہ عاشر کے کندھے پر رسید کیا۔

''تمہارا ہاتھ بہت بھاری ہے یار کیا کھاتے ہو۔'' عاشر نے کندھا سہلایا۔

''اور تو کچھ پتا نہیں مگر تمہیں ضرور کھا جاؤں گا۔'' سبط حسن چڑا۔

''میں بہت سخت ہوں تمہیں ہضم نہیں ہوں گا۔'' عاشر ہنسا۔

''یہ میرا دردسر ہے۔'' سبط حسن نے گھور کر کہا۔

''اوکے موڈ درست کرو اور یہ دیکھو۔''

عاشر نے تیزی سے اپنے موبائل کیمرے کی میموری میں محفوظ کلوز اپ اوپن کر کے سبط حسن کے چہرے کو دیکھا جو تحیر اور خوشی سے یکدم روشن ہو چکا تھا۔

اماں، ابا، فضا اور دریز کے مختلف کلوز اپ ان کے چہروں کے دلچسپ اینگلز اور بے فکر

مسکراہٹیں پھر امبر، عاشر اسماء، فیضان سے ہوتے ہوئے ثمن، حارث اور اینڈ میں ان چاروں دوستوں کا یادگار لمحہ قید تھا ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے فل یونیفارم میں ملبوس میجر کے عہدوں پر تعیناتی والے دن کا عکاس لمحہ جو اپنے اندر بہت سی یادیں سموئے ہوئے تھا۔

میجر عاشر اور میجر سبط حسن بنا پلک جھپکے ساکت کھڑے تھے۔

☆☆☆

میجر جنرل فصیح بخاری کی پوسٹنگ کوہاٹ ہو چکی تھی اور اپنی فیملی سمیت یہاں شفٹ ہو چکے تھے ثمن بھائی کے گھر تھی، فضا واپس سسرال جا چکی تھی۔

ثمن اپنی فرینڈز کے اصرار پر ماسٹرز ڈگری کو کام میں لانے کا سوچتے ہوئے آرمی میڈیکل کمپلیکس راولپنڈی کے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں کلاسز اٹینڈ کرنے لگی تھی اور بہت حد تک خود کو سنبھال کر زندگی کے ہم قدم ہو رہی تھی۔ ثقلین بھائی اور بھابھی اس کا بے حد خیال رکھ رہے تھے کہ وہ انہی کے پاس آ گئی تھی۔

انسٹی ٹیوٹ میں اس کی سنجیدگی اور لیئے دیئے رہنے والے انداز کے باعث کوئی دوست نہ بن سکی مگر سب اسے عزت اور احترام کی نگاہ سے ضرور دیکھا کرتے کہ میجر حارث اور میجر جنرل فصیح بخاری کے قابل احترام عہدے و مقام اس کے لئے حفاظت کا بہت بڑا وسیلہ تھے۔

اس کا ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں پہلا سیشن مکمل ہو چکا تھا اور اس کی کارکردگی تسلی بخش تھی۔ اس وقت انسٹی ٹیوٹ کی ایمرجنسی سائیڈ پہ وہ میجر ڈاکٹر تابندہ حسن اور کچھ اور سینئرز جونیئرز کے ہمراہ ایک چھ سالہ بچے کو میڈیکل ٹریٹمنٹ دے رہی تھی جو ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں بری طرح زخمی ہو چکا تھا اور یہ حادثہ دوران شاپنگ پیش آیا تھا۔

"جانے کسی بے پرواہ مائیں ہوتی ہیں کہ بچوں کو چھوڑ کر خود آزادی سے شاپنگ کرتی پھرتی ہیں کیا بے جان چیزوں کی خریداری اپنے جنم دیئے ہوئے بچوں کی زندگی سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے۔"

ثمن سب جان کر تاسف اور غصے سے بولی تھی۔

"بس یار آج کل کی Care less ماؤں کو کون یہ بات سمجھائے۔" اس کی ساتھی تیزی سے بچے کے زخم صاف کرتے ہوئے بولی۔

"اور باہر دیکھو ذرا، باپ فکر پریشانی سے نڈھال کب سے بیٹھا دعائیں مانگ رہا ہے ماں کو خبر ہی نہیں۔" ڈاکٹر تابندہ بولیں۔ ف

"اس کی شاپنگ ابھی پوری نہیں ہوئی ہوگی۔" میجر ڈاکٹر مسعود عبداللہ بولے تھے۔

"ثمن دیکھو ذرا اگر سرجن عقیل انسٹی ٹیوٹ میں ہیں تو انہیں کہو کہ وہ فوراً ایمرجنسی روم کی آپریشنز سائیڈ پر پہنچیں بچے کی ریڈھ کی ہڈی تھوڑا ڈیمیج ہو گئی ہے وہی ٹریٹ کر سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر تابندہ تشویش سے بولیں تو ثمن "جی اچھا" کہہ کر فوراً باہر نکلی۔ کاریڈور میں سر جھکا کے بیٹھے شخص کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ بے ساختہ رکنے لگی کہ تسلی کے چند حروف بول دے پھر بچے کی نازک حالت کے پیش نظر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

گاؤں کی بہتری اور ترقی کے لئے شروع کردہ فضا کے رفاہی کام اپنے عروج پر تھے۔ کالج، سکول اور ٹیوشن اکیڈمی کے ساتھ عورتوں کے لئے سلائی کڑھائی کا ٹریننگ سینٹر بھی مکمل چکا تھا جس کی نگرانی محسن کی چچی فرحت بہت ذمہ داری سے کر رہی تھیں۔

کام کی شوقین عورتوں اور لڑکیوں کو ابتدائی ٹریننگ کے بعد پختہ مہارت کے ساتھ ماہانہ معقول معاوضہ بھی اعزازیے کے طور پر دیا جاتا تھا جو ان کے کام اور شوق میں مزید اضافے کا باعث بنا تھا اور وہ فضا کی ممنون و مشکور بھی تھیں۔

''فضا باجی کا اللہ بھلا کرے جب سے انہوں نے اپنا سلائی سکول کھولا ہے میرا نہ صرف فارغ وقت اچھے مصرف میں استعمال ہونے لگا ہے بلکہ گھریلو حالات میں بھی خاطر خواہ سبھاؤ پیدا ہوا ہے۔''

یہ الفاظ تقریباً ہر عورت کی زبان پر تھے جب کہ لڑکیاں نت نئے ڈیزائن کے سوٹ کم قیمت کم خرچ میں خود سلائی کر کے پہن لینے پر خوش بھی ہوتیں اور فضا کے لئے دعا گو بھی رہتیں جو بنا کسی غرض کے انہیں مواقع دے رہی تھی۔

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تمہارے اندر سبط حسن کی روح حلول کر گئی ہے وہ اپنے ملک وقوم اور لوگوں کی بہتری کے یہی خواب لے کر تو فوج میں گیا ہے۔'' ابا جی موڈ میں آ کر کہتے تو وہ ہنستے ہوئے بولتی۔

''ابا جی یہی تو زندگی کا اصل مقصد ہے کہ انفرادی سوچ کو چھوڑ کر اجتماعی خوشیوں کے لئے سوچنا اور اجتماعی سکھوں کے لئے راہ ہموار کرنا ہمارے اندر باہر کی ساری فرسٹریشن ختم ہو جائے گی جب ہم صرف اپنے آپ کے لئے نہیں سب کے لئے سوچیں گے اور اچھا کرتے ہوئے جئیں گے۔''

''مولا ایسی نکھری سوچ اور ستھرا ذہن سب کو دے۔'' اماں با آواز بلند دعا گو ہوتیں۔

''بہت دن ہو گئے دھیئے (بیٹی) سبط حسن کا کوئی پتر (خط) یا فون نہیں آیا میرا دل بہت ہول رہا ہے۔'' اماں اچانک کہتیں۔

''اماں ان کا کام ایسا ہے کہ ٹائم مشکل سے ملتا ہے پھر سیاچن میں تو ڈیوٹی اور بھی سخت ہو جاتی ہے، آپ پریشان نہ ہوں وہ وقت ملتے ہی سب سے پہلے گھر رابطہ کریں گے۔'' فضا اندر سے خود پریشان ہونے کے باوجود تسلی دیتی۔

''اچھا اللہ سب خیر رکھے، دریز کو دیکھو اٹھ گیا ہے شاید رونے کی آواز آ رہی ہے۔''

فضا تیزی سے کمرے میں لیٹے دریز کو اٹھانے لپکی اور اسے اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے نگاہیں مشرقی دیوار پہ سجی سبط حسن کی پوسٹر سائز تصویر پر پڑیں تو بے خودسی دیکھے گئی۔

''کتنی خوشیوں اور ان گنت بہاروں کا عنوان ہے یہ چہرہ، محبت کے کتنے اقرار اور یقین کے کتنے دعوے منسوب ہیں تم سے سبط حسن اور خدا یہ محبت، اقرار اور یقین یونہی قائم رکھے کہ اسی سے کتاب زندگی عبارت ہے۔''

دل آنگن میں اترتے ہو تم
سوچ دریچے میں ابھرتے ہو تم

ہنستے رہتے ہو آنکھوں میں
سانسوں میں ٹھہرتے ہو تم
میں جب بھی لب کھولتی ہوں
لہجے میں میرے بولتے ہو تم
خواہشوں کی تپتی زمین پر
بادل بن کر برستے ہو تم

☆☆☆

امبر آئی ایس پی آر کے شعبہ ابلاغیات سے منسلک تھی اور آتے جاتے وہ ثمن سے ملتی رہتی تھی ان دنوں آئی ایس پی آر آرمی لائف سے متعلق ایک معلوماتی، تربیتی اور دلچسپ سیریل پہ مصروف تھا جس میں نیوی اور ایئر فورس کے بھی کچھ کردار شامل تھے اور اس سیریل کی سٹوری رائیٹر امبر شوکت تھی۔ ان چاروں فرینڈز میں اسماء واحد تھی جس کی تمام تر توجہ صرف گھر اور بچوں پر تھی کہ گزرتا سال اسے ایک اور بیٹے کا تحفہ عطا کر گیا تھا جو اس کی ہاؤس جاب میں اضافے کا باعث بنا تھا۔

ثمن کو گھر جا کر بھی ایمرجنسی میں آئے چھوٹے بچے کا خیال پریشان کرتا رہا۔ وہ تو اپنے ٹائم پہ گھر آ گئی مگر اس بچے کا ابھی آپریشن ہونا باقی تھا کنڈیشن کافی سیریس تھی۔

''جانے کیا ہوا ہوگا، کیسا پیارا اور معصوم بچہ تھا خدایا اس بچے کو زندگی اور صحت عطا کرنا۔'' وہ بے ساختہ دعا گو ہوئی۔

اگلے روز آف ڈے تھا سو وہ تیسرے دن انسٹی ٹیوٹ روانہ ہوئی، روزانہ کی طرح سادگی کا عنصر آج بھی اس کی شخصیت اور لباس میں واضح تھا۔ موو کلر کا پرنٹیڈ سوٹ بلیک اسکارف اور سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ بنا کسی آرائش کے صاف شفاف چمکتا چہرہ اسے بہت مقدس تاثر عطا کر رہا تھا۔

''ڈاکٹر اس بچے کا کیا ہوا جو اس روز ایمرجنسی میں لایا گیا تھا؟'' وہ سب سے پہلے ڈاکٹرز روم میں رکی۔

''اللہ کا شکر ہے کہ بالکل ٹھیک ہے اور شاید پرسوں ڈسچارج ہو جائے۔''

''میں اسے دیکھ سکتی ہوں۔'' وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولی۔

''یقیناً وہ روم نمبر 16 میں ایڈمٹ ہے۔'' ڈاکٹر تابندہ نے بتایا۔

وہ وارڈ میں داخل ہوئی تو بچہ نیم غنودگی میں تھا ساتھ والے بینچ پر ایک شخص چہرے پر اخبار رکھے شاید سو رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے بچے کا باپ ہو۔'' ثمن قیاس کرتی ہوئی بچے کے قریب آئی اور دائیں ہاتھ سے بچے کے رخسار چھوئے تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''ہیلو بیٹا کیسے ہو؟'' وہ نرمی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''فائن۔'' بچے کے لب ذرا سا کھل کر بند ہو گئے۔

''تکلیف تو محسوس نہیں ہو رہی۔'' ثمن دھیان سے دیکھتے ہوئے پاس بیٹھی تو بچے نے انکار میں سر ہلایا۔

''Good اس کا مطلب ہے کہ آپ بہت بہادر اور حوصلے والے ہو سپر مین کی طرح ہے ناں۔'' ثمن پیار سے بولی۔

''بالکل۔'' بچہ پہلی بار کچھ دلچسپی سے بولا۔

''آپ کا نام کیا ہے بیٹا۔'' ثمن اس کے ہاتھ سہلانے لگی۔

''ارسل، آپ کو پتا ہے آنٹی میرا نام قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔'' وہ خوش ہو کر بولا، تو ثمن اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''جی مجھے معلوم ہے، آپ کا نام بہت پیارا ہے بالکل آپ کی طرح۔''

''Thanks۔'' ارسل بہت سلجھے انداز میں بولا۔

''کون ہیں آپ۔'' اپنے پیچھے یہ دبنگ لہجہ سن کر وہ اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بلیک پینٹ اور آسمانی رنگ کی شرٹ پہنے کھڑا دراز قد شخص چمکتا چہرہ اور پرکشش نقوش ثمن خود سے الجھتے ہوئے ٹھٹھکی۔

''کہاں دیکھا ہے؟''

مقابل کھڑے شخص کے انداز اور چہرے پر بھی کم و بیش یہی الجھن اور تحیر تھا۔

''یہ ڈاکٹر آنٹی ہیں پاپا مجھے دیکھنے آئی تھیں۔'' ارسل اچانک بولا تو ثمن کی رکی سانس بحال ہوئی اور وہ بولی۔

''بچے کے پاس باپ کے بجائے ماں کو ہونا چاہیے تھا کیسی بیوی ہے آپ کی جسے اپنے بچے کی تکلیف کا ذرا احساس نہیں کہ اتنے بڑے حادثے سے گزرنے کے بعد بھی اس کا دل بچے کے لئے نہیں تڑپا۔''

''محترمہ آپ کی ہمدردی کا شکریہ Butt kind you information میری وائف کی ڈیتھ ہو چکی ہے دو سال قبل۔'' وہ شخص گہری سنجیدگی سے بولا۔

''اوہ، آئم سوری۔'' ثمن کے ہونٹ تاسف سے سکڑے، پھر وہ خود کو سنبھال کر بولی۔

''لیکن میں نے تو سنا تھا کہ بچے کا ایکسیڈنٹ اپنی مدر کے ساتھ شاپنگ کے دوران ہوا ہے۔''

''یہ اپنی نانی کے ساتھ ''چلڈرن بک فیئر'' میں تھا وہیں کچھ خریدنے کی ضد پکڑ لی تو وہ اسے مارکیٹ لے جانے لگیں بس حادثہ ہو گیا۔''

وہ شخص بتا رہا تھا اور ثمن اس کو بغور دیکھ رہی تھی کہ اچانک ایک سوکھا پتا اس کی گمشدہ یادوں میں سے لہراتا ہوا گزرا تھا۔

''دنیا میں جس قدر بھی اچھی دعائیں ہیں تمہارے نام۔''

لیفٹیننٹ کمانڈر سمران رضا

ثمن کے چہرے پر شناسائی کے تاثرات بہت واضح ہو کر چمکے تھے اور اسی پل مقابل کھڑے شخص کے ذہن نے بھی ہیجان کے زینوں کو طے کرتے ہوئے اسے کچھ استعجاب آمیز خوشی میں گھر کر دیکھا تھا۔

''ایک منٹ سر، یہ لڑکی میرے کیریکٹر کو کچھ سوٹ نہیں کر رہی۔'' امبر سن گلاسز آنکھوں سے اٹھا کر سر پہ ٹکاتے ہوئے بولی۔

''امبر صاحبہ یہ لڑکی آج کے دور کی سب سے بڑی اداکارہ ہے ایک سیریل کا معاوضہ لاکھوں میں لیتی ہے۔'' ڈائریکٹر جتاتے ہوئے بولے۔

''مجھے اس کے معاوضے اور بڑائی سے غرض نہیں، میں تو یہ دیکھ رہی ہوں کہ یہ مذکورہ کردار کے ساتھ انصاف نہیں کر پا رہی، اس کردار کا سب سے بڑا وصف معصومیت اور فطری سادگی کا بے ساختہ پن ہے جو آپ کی پسندیدہ ایکٹرس میں نہیں آپ خود سوچیں ایک پینتالیس سالہ آنٹی ٹائپ اداکارہ ایک ٹین ایج لڑکے کے سامنے بیس سالہ لڑکی کا کردار کیسے کر سکتی ہے۔''

امبر بنا لگی لپٹی رکھے آرام سے بولی تو رما کے چہرے پر حد درجہ جلال کے تاثرات ابھرے اور وہ فوراً انکار کر کے دھم دھم کرتی شوٹنگ سے غائب ہو گئی۔

''آپ کو پتا نہیں میں نے کتنی مشکلوں سے انہیں اس کردار کے لئے بک کیا تھا اور آپ نے منہ پہ بات کہہ کے لمحوں میں معاملہ بگاڑ دیا آپ یہی رائے ذرا ہٹ کر بھی دے سکتی تھیں۔'' ڈائریکٹر صاحب خفا ہوئے۔

''پاشا صاحب میں ہر کام کو Realims (حقیقت) کے ساتھ کرنے کی عادی ہوں اور اس میں کسی قسم کا Compromise (سمجھوتا) نہیں کر سکتی۔''

''مس امبر درست کہتی ہیں کام کو fair ہونا چاہیے اور اس کے لئے سٹوری کے ساتھ کیریکٹرز کا درست چناؤ سونے پہ سہاگہ ہوتا ہے۔'' آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل سنجیدگی سے بولے۔

''امبر آپ اس کردار کے لئے ثمن کو سائن کیوں نہیں کرتیں جب کہ وہ اس کردار کی خصوصیات پر پورا بھی اترتی ہیں۔'' اس سیریل کی کوریوگرافر تانیہ مرزا جو ثمن سے مل چکی تھی اس نے کہا۔

''ثمن بہت شرمیلی ہے پھر یہ کام کرنا اس کے لئے ناممکن ہے نہ اجازت ملے گی نہ وہ خود کرے گی، پاشا صاحب آپ ایسا کریں اسی لڑکی کو سائن کر لیں جس سے کچھ دن قبل آپ نے آڈیشن لیا تھا۔ ایک تو فریش چہرہ ہے دوسرا بہت کم عمر اور معصوم سی ہے وہ اس کردار کو اچھے طریقے سے کور کر سکتی ہے۔'' امبر تانیہ مرزا سے بات کرتے ہوئے پاشا صاحب سے بولی اور زور و شور سے بجتی موبائل کی بپ سن کر لیس کو پش کیا۔

''کہاں غائب ہو تم کب سے Contact کر رہا ہے مگر مسلسل No Respond ہے۔'' عاشر چھوٹتے ہی خفگی سے بولا۔

''اتنا غصہ نہ سلام نہ دعا بس شروع ہو گئے۔'' امبر ہنسی۔

''سلام دعا اب تو تمہارا سر پھاڑنے کو دل کر رہا ہے۔'' وہ خاصا تپا بیٹھا تھا۔

''My God آپ تو بہت طیش میں ہیں میں اپنے سیریل کے سیٹ پر موجود تھی اس وجہ سے موبائل آف کر رکھا تھا۔'' امبر نے وضاحت دی۔

''اور بچیاں کس کے پاس ہیں۔'' عاشر اچھنبے سے بولا۔

''نگین بھابھی سنبھال لیتی ہیں کبھی آپ کی طرف چھوڑ دیتی ہوں۔''

''پلیز امبر تم بیرونی Activitys کچھ محدود رکھو اور بچیوں کو بالکل نظر انداز مت کرو۔''
''عاشر آپ مفت میں ٹینس ہو رہے ہیں بھلا میں اپنی بچیوں کو اگنور کر سکتی ہوں اور سخت ضرورت کے بغیر تو میں انہیں چھوڑ کر نکلتی ہی نہیں یہ آج بھی سریل کے میگا اسٹارز سے کچھ میل ملاقات تھی تو آ گئی ورنہ میں گھر ہوتی ہوں۔''
''اچھی بات ہے پھر بھی محتاط رہا کرو اور ثمن کیسی ہے۔''
''خدا کے فضل سے بہت اچھی ہے اور جینا سیکھ رہی ہے، انسٹی ٹیوٹ روزانہ آ رہی ہے آپ سنائیں آپ کے ہاں کیا حالات ہیں۔''
''موسم کی سختی کے ساتھ منفی عناصر کی سرکوبی زمینی وفضائی حدود کی حفاظت سب کچھ روٹین وائز ہے ہاں تم بہت یاد آتی ہو اور جب یہ یاد دل کو بے بس کرنے لگتی ہے تو سب چھوڑ چھاڑ کر بھاگ آنے کو دل کرتا ہے۔'' عاشر کے گمبھیر لہجے پر امبر کی دھڑکنوں میں بڑا خوبصورت ارتعاش پیدا ہوا۔
''تو پھر آ جائیں، روکتا کون ہے۔'' امبر دھیرے سے ہنسی۔
''بس ڈیئر وائف یہ فرض کے تقاضے ہیں ناں محبت کو زیر کر دیتے ہیں اور دل کا فلسفہ دماغ سے ہار جاتا ہے پھر فیض کا یہ مصرعہ بڑا سچا لگتا ہے کہ ''اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔''
''کبھی مجھے بھی نہ ہار جائیے گا زمانے کے دکھوں میں کھو کر۔'' امبر نے کچھ جتایا تھا۔
''تمہارے در پہ جو دل ہار چکا ہے اس کے بعد ہارنے کو کچھ بچا نہیں محبت، محبت کے سوا کیا ہارتی اور کیا چھوڑتی ہے۔''
''وہی درد جو ثمن کو ملا۔'' امبر فوراً بولی۔
''اوہ میرے خدایا تم اس ٹرائس سے باہر نکلو گی کہ نہیں۔'' عاشر [illegible] بولا۔
''Please for get it۔'' عاشر رسان سے بولا۔
''Its ok۔'' امبر نے طویل سانس خارج کی۔
''اپنا خیال رکھا کرو اور بچیوں کا بھی۔'' عاشر نے آخری تاکید کی اور رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

''ثمن، My God تم ثمن ہو مجھے بہت اچھا لگا ہے تمہیں یوں اچانک مل کر۔'' سمران رضا صاحب کا لہجہ خوشگوار تھا۔
''سر آپ ویسے بھی ڈیسنٹ اور چارمنگ ہیں جیسے چند سال پہلے تھے پھر بھی میں آپ کو پہلی نظر میں پہچان نہیں پائی۔'' ثمن کا لہجہ کچھ خجل سا تھا۔
''کوئی بات نہیں ایسا ہو جاتا ہے ویسے بھی ہماری ایک ہی ملاقات ہوئی تھی وہ بھی اتفاقیہ سو ضروری تھا کہ آپ کی یادداشت میں محفوظ ہوتی۔''
''سر کچھ چیزیں ہوتی ہیں جو دل و دماغ سے چمٹ کر رہ جاتی ہیں اور نکل نہیں پاتیں پھر آئیڈیل بھی بھلا بھولتا ہے۔''
''تم ابھی تک آئیڈیل کے چکر میں ہو یہ سب ٹین ایج کے چونچلے ہیں آئیڈیل وائیڈیل، حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے، زندگی ایسی چیز ہے جو آئیڈیاز کے تابع ہو کر نہیں گزاری جا سکتی، خواب دیکھنے چاہئیں مگر مثبت اور حقیقت سے قریب اور خوش امید ہونا چاہیے کہ خوش امیدی

ایسی ماسٹر کی ہے جس سے ہر بند دروازہ کھولا جا سکتا ہے لیکن سرابوں میں نہیں بھٹکنا چاہیے۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولے۔ ثمن کے لبوں پہ مجروح سی مسکراہٹ چھب دکھا کر غائب ہوئی۔

"خواب ہی تو دیکھے تھے جو سراب نے خوش امیدی ہی تو تھی جو ناامیدی کے کہر میں لپٹ کر رہ گئی آپ کو کیا خبر زندگی میرے ساتھ کیا کر گئی ہے؟" اس کی پلکوں پہ دھند چھانے لگی تو وہ بنا کچھ کہے جھٹکے سے مڑی اور وارڈ سے نکل گئی، سمران رضا عجب تحیر میں تھے۔ اس کی پلکوں پہ ٹکے ستارے انہیں بے چین کر گئے تھے۔

"اس قدر زندہ دل اور شوخ لڑکی جس کا چہرہ تبسم کے گلاب بکھیرتا اور خوشی کی امید دیتا تھا اور اتنی زود رنج کیسے ہو گئی؟ خوابوں، خیالوں کے چاند سجانے والی آنکھیں درد کے آنسو کیسے بہانے لگیں؟ بہاروں سا وجود رکھنے والی اس خوبصورت لڑکی کے بدن پر اداسیوں کا پیراہن کیسے آ گیا۔" وہ جتنا سوچتے جا رہے تھے اتنا ہی الجھ رہے تھے۔

"پاپا، دادو نہیں آئیں۔" ارسل کے پوچھنے پر انہوں نے چونک کر دیکھا۔

"آپ کے لئے سوپ لے کر آئیں گی۔" اب وہ مسکرا کر بولے۔

"پاپا، دریہ بھی آئے گی ناں۔" ارسل نے دوسرا سوال کیا۔

"ہاں۔" وہ اختصار کرتے ہوئے بولے۔

"پاپا مجھے آرام آ گیا ہے چھٹی کب ملے گی؟"

"ابھی کچھ ٹریٹمنٹ ہونی ہے آپ کی اتنی سیریس کنڈیشن سے باہر آئے ہیں تھوڑی میڈیکل امپرومنٹ ہو جائے پھر چھٹی ملے گی۔" وہ بیٹے کو توجہ سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"پاپا میں بور ہو رہا ہوں، کھیلنا چاہتا ہوں۔" ارسل نے منہ بسورا۔

"ضرور کھیلنا مائی سن مگر ابھی احتیاط لازم ہے آپ کا زخم کور ہو جائے پھر جی بھر کر کھیلنا بلکہ ہم خود اپنے بیٹے کے ساتھ کھیلیں گے۔" انہوں نے شفیق انداز میں ارسل کے گال کو چھوا۔

"پرامس پاپا۔" ارسل نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"Promiss my hovely son۔" سمران رضا نے بیٹے کا چھوٹا سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیا۔

"پکے والا ناں۔" ارسل نے تائید چاہی۔

"بالکل پکے والا پرامس۔" وہ بھرپور انداز میں مسکرائے۔

☆☆☆

کی بورڈ پہ انگلیاں رکھے فیضان سکرین پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ یکدم اٹھا اپنی اسٹڈی ٹیبل کے نچلے دراز سے کچھ کاغذات نکالے انہیں الٹ پلٹ کر دوبارہ سے دیکھا اور ایک بار پھر پی سی سسٹم کے سامنے بیٹھ کر کی بورڈ پر انگلیاں تیزی سے حرکت کرنے لگیں، اسماء بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بڑے تحمل سے ان کی مصروفیات دیکھ رہی تھی۔

"فیضان بس کریں ٹائم دیکھیں ذرا نصف سے زیادہ شب گزر چکی ہے اور آپ ہیں کہ سب بھلائے گم ہیں۔" تنگ آ کر اسماء نے قدرے ناگواری سے کہا۔

"تم سو کیوں نہیں ابھی تک۔" میجر فیضان نے لمحہ بھر اسے دیکھا۔

''میں کیسے سو سکتی ہوں آپ تو میری سوکن کے آگے بیٹھے ہوئے ہیں۔'' اسماء غصے سے بولی۔ کہ دل جل کر خاک ہو چکا تھا وہ کب سے ان کے انتظار میں جاگ رہی تھی اور موصوف کو خبر نہ تھی۔

''اُفوہ یہ تم عورتوں کو جیلس طبیعت، شوہر کی توجہ ذرا دیر کو بھی خود پر سے ہٹے کبھی قبول نہیں کر سکتیں خواہ وہ کتنا ضروری کام کیوں نہ کر رہا ہو۔'' وہ کچھ چڑ کر بولے۔

''یہی ضروری کام ہے آپ کے لئے، میں تو غیر ضروری ہوں، یہی بات شادی سے پہلے کہہ دیتے تو میں یوں سلگ تو نہ رہی ہوتی، اب اسی ضروری کام سے تمام ضروریات پوری کیجئے گا۔'' اسماء بری طرح سلگ کر بولی اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔

فیضان نے اک سرد سانس کھینچی وڈشٹ ڈاؤن کی اور اٹھ کر اس کی جانب بڑھا۔ یونہی کمبل کھینچا وہ غراتی ہوئی بولی۔

''اب کیا ہے؟''

''تم آرام سے نہیں بول سکتیں، رات کا وقت ہے، آواز سناٹے میں دور تک جاتی ہے۔'' میجر فیضان ناگواری سے بولے۔

''مجھے آپ سے کسی طریقے سے نہیں بولنا چاہیے اپنا کام کریں جو بہت ضروری ہے۔''

''ضروری تو تم بھی ہو۔'' معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے ہو ذرا سا جھکے۔

''جی نہیں میں تو بہت غیر ضروری اور غیر اہم شے ہوں جو غلطی سے آپ کے گھر میں آ گئی۔'' اسماء کا لہجہ بھرا گیا بولتے ہوئے۔

''یار موڈ مت دکھایا کرو، ایک بات منہ سے نکل جائے تم اسی کو لے کر بیٹھ جاتی ہو رونے کے لئے اتنی معمولی بات پہ خفگی دکھانی بھلا اچھی لگتی ہو۔'' وہ کچھ رسان سے بولے۔

''ہاں اچھی کیا خاک لگوں گی، اچھا لگنے اور دکھنے والی اور جو بہت ہیں، میری اچھائیاں اب برائیاں لگتی ہیں۔'' وہ بدکی۔

''اسماء پلیز میرے منہ سے نکلے الفاظ کو ایشو مت بنایا کرو۔ میں تمہارا شوہر ہوں تمہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تم بھی تو بعض اوقات غصے میں یا چڑ کر مجھے کچھ نہ کچھ کہہ دیتی ہوں میں کیا یوں منہ سر لپیٹ کر پڑ جاتا ہوں۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے۔

''میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آپ مجھے اچھے نہیں لگتے یا میرے لئے آپ کا وجود غیر اہم ہے۔'' اسماء نروٹھے پن سے بولی۔

''تو میں نے یہ کہا ہے۔'' وہ اسے دیکھنے لگے۔

''ہاں آپ کا یہی مطلب ہے۔'' وہ مصر ہوئی۔

''مائی گاڈ اسماء تم میرے الفاظ کو اپنے مطلب کے معانی مت پہنانے بیٹھ جایا کرو، میں حقیقتاً بہت اہم کام میں مصروف تھا۔ کمپیوٹر سے فلش ڈرائیو میں کچھ ضروری ڈیٹا منتقل کر کے محفوظ کر رہا تھا جسے پروگرام، فائلز، ویڈیو، پکچرز وغیرہ اور یہ سب میری جاب سے ریلیٹیڈ تھا اور مجھے اس سب میموری پروگرام کی تفصیل اپنے ہیڈ کوارٹر میں دینی ہے پرسوں تک اور تمہیں میری جاب اور اس کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے۔ تعاون کا رویہ اپنانا چاہیے نہ کہ مجھے مینٹلی پریشرائز کرنا چاہیے۔''

فیضان نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تو اسماء کے چہرے پر خفت آمیز سرخی کے آثار پھیل گئے۔

''آپ کو بھی تو سوچنا چاہیے کہ اس کمرے میں آپ کے نیٹ سسٹم کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جیتی جاگتی سانس لیتی وہ بھی آپ کی توجہ کی مستحق ہے اسے بھی آپ کی چاہت کی ضرورت ہے اور جب مرد شادی شدہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ گھر اور دفتر میں توازن رکھے ہر چیز ایک مناسب حد تک برداشت ہوتی ہے اور مجھے تو آپ کی لمحہ بھر کی توجہ بٹتی ہوئی اچھی نہیں لگتی کجا کہ آپ پچھلے کئی گھنٹوں سے مجھے مسلسل نظر انداز کیئے اپنے کام میں مگن ہیں۔'' اسماء ان کی شرٹ کے بٹنوں سے کھیلتے ہوئے بولی۔

''نظر انداز کب کیا تھا یار، کام کرنے کے باوجود میرا تمام تر دھیان تمہاری طرف تھا اور مجھے معلوم تھا کہ میری سویٹ وائف بار بار کروٹیں بدلتے ہوئے بے چینی سے گھڑی کی سوئیاں دیکھ رہی ہے۔'' وہ محظوظ انداز میں مسکرا کے بولے۔

''گویا سب جانتے بوجھتے مزا لے رہے تھے میری بے تابیوں کا۔'' اسماء نے ایک زوردار مکہ ان کے سینے پہ مارا اور وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر ہنستے چلے گئے۔

☆☆☆

خاموش رہ کر پکارتی ہے
وہ آنکھ کتنی شرارتی ہے
میں بادلوں میں گھرا جزیرہ
وہ مجھ میں ساون گزارتی ہے

گہری اور دبیز دھند تھی جس نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اس کا نازک بدن سردی سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ حلق میں پیاس کی شدت کے باعث کانٹے اگ رہے تھے مگر برف اور دھند آگے بڑھنے کا راستہ بند کیئے ہوئے تھی۔ دور کہیں شعلے تھے اور انہی شعلوں کے حصار میں چشمہ ابل رہا تھا۔ وہ بے پناہ حیرت کے عالم میں گھری اس طرف دیکھ رہی تھی پھر سوکھتے حلق کا خیال کر کے وہ اسی طرف بے تابی سے بڑھی مگر کسی چیز سے ٹکرا کر بری طرح گر پڑی۔

''ثمن کیا ہوا، تم رو رہی ہو، کیوں رو رہی ہو؟''

دو مضبوط ہاتھوں نے بڑے پیار سے اس کے چہرے کو چھو کر پوچھا اور گلابوں کی خوشبو اس کے اردگرد مہکنے لگی، اسے لگا کر طلب مٹ گئی ہے اس لمس مسیحا کے سحر سے۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے مجھے چھوڑ کر۔'' وہ دیوانوں کی طرح بولی۔

''کہیں نہیں گیا میں تو یہیں تھا تمہارے پاس تمہارے قریب۔''

''نہیں آپ یہاں نہیں تھے، جانے کہاں تھے میں نے بہت تلاشا، بہت پکارا، بہت روئی تڑپی مگر آپ نے جواب نہیں دیا اور آپ کے بغیر مجھ سے چلا نہیں گیا میں زندگی کے دشوار راستے پر زخم کھا کے گر پڑی، دیکھیں کتنی چھوٹ لگی ہے مجھے۔'' وہ بچوں کی طرح منہ بسور کر بولی۔

''نہیں ثمن تم اکیلی نہیں میں ہوں ناں تمہارے پاس تو چوٹ کیسے لگ سکتی ہیں، میں بھلا تمہیں زخم آنے دوں گا کبھی نہیں۔'' وہ بہت توجہ سے اس کے بکھرے بال سنوارتے ہوئے بولا۔

''مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے شکوہ آمیز لہجے میں کہا۔
''میں آ گیا ہوں ناں پھر ڈر کیسا؟'' وہ اسے بانہوں میں بھرتے ہوئے مسکرایا۔
''آپ پھر چلے جائیں گے۔'' وہ ڈرے ہوئے لہجے اور خوفزدہ انداز کے ساتھ بولی۔
''تمہاری محبت تو زندگی ہے خوبصورتی ہے۔ اس حسن و خوبصورتی کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا مجھے تو تمہارے ساتھ بہت طویل رفاقتوں کا راستہ بنا تھکے بنا رکے طے کرنا ہے، ایک ایک لمحے میں ہزاروں برس جینے کی چاہ ہے تمہارے سنگ۔''
شہد آگیں لہجہ، بھرپور استحقاق لیے غور سے دیکھتی بے خود نگاہیں ثمن کے آس پاس کا سارا ماحول دلفریب خوشبوؤں سے مہک اٹھا۔ وہ بڑے سرشاری کے عالم میں دلکشی سے مسکرائی۔
''اب روؤ گی تو نہیں ناں۔'' انگشت شہادت سے اس کی ٹھوڑی کو چھو کر وہ پوچھنے لگا۔
''نہیں۔'' ثمن نے اپنا سر اس کے چوڑے سینے سے ٹکایا۔
''اور روئی تو میں سخت خفا ہو جاؤں گا اور پھر سے کھو جاؤں گا۔'' وہ پیار بھری سختی میں لہجہ بھگو کے بولا۔
''نہیں پلیز مجھ سے خفا مت ہوئیے گا میں اب کبھی نہیں روؤں گی۔'' بولتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔
''ثمن تم بہت خوبصورت ہو، بہت معصوم اور پاکیزہ تمہارے بغیر کوئی احساس معانی رکھتا ہے نہ زندگی، زندگی ہے لیکن میری مجبوری ہے کہ کچھ عرصہ تم سے دور اور اوجھل ہو کے رہنا ہے اور تمہیں میری اس مجبوری کو سمجھتے ہوئے مجھے اس ہجر کی رخصت دینا ہو گی۔'' اس کی سنجیدہ آواز نے جیسے ثمن کا دل ہلا کر رکھ دیا وہ عجیب مجنونانہ انداز میں اپنے مقابل کھڑے وجیہہ شخص کو دیکھنے لگی۔
''ابھی تو آپ کہہ رہے تھے ہمیشہ میرے پاس رہیں گے، مجھے چھوڑیں گے نہیں، مم، میں آپ کے بغیر کیسے جیوؤں گی بکھر جاؤں گی، بہت کمزور ہوں میں، مجھے کہاں جینا آئے گا۔'' وہ بری طرح بلک پڑی۔
''جینا پڑے گا ثمن کیونکہ یہی زندگی کا دستور ہے کوئی مرتا ہے تو اس کے ساتھ مرا نہیں جاتا، تم بھی جیو ہنستے مسکراتے خوشی سے اس لئے کہ تمہاری مسکراہٹ اور خوشی مجھے بہت عزیز ہے اور تمہیں میرے سکون میری خوشی کے لئے خود کو جینے کے لئے آمادہ رکھنا ہو گا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو چنتے ہوئے وہ رسان سے بولا۔
''نہیں میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی، نہیں رہ سکتی۔''
وہ اس کے گریبان کو جھنجھوڑتے ہوئے چلا کر بولی۔ وہ گہرا اور طویل سانس لے کر چند لمحے تک اسے اپنے سینے پہ چہرہ ٹکا کے روتے دیکھتا رہا پھر ذرا سا جھک کے اس کی پیشانی پہ اپنے ہونٹ رکھ دیئے ثمن کے جلتے وجود پہ جیسے نرم برسات پھوار بن کر برسنے لگی اور جسم و جان لطیف احساسات میں گھرے محبت کی لو سے دمک اٹھے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیئے لمحوں کا حسن چننے میں گم تھی کہ یکایک وہ مہربان اور محبت و توجہ بانٹتا وجود دور ہٹ گیا۔ ثمن نے خوف کے احساس تلے دب کر پلکیں اٹھائیں تو وہاں کچھ نہ تھا گہری دبیز دھند اور برف میں دونوں بازو پھیلائے روتی ہوئی آگے بڑھی اور پوری قوت سے چلائی تھی۔

''حارث، حارث آپ کہاں چلے گئے؟''
مگر جواب نہ ملا وہ بے بسی تنہائی کی جاں لیوا اذیت سے ہول کر گرتی چلی گئی۔
آہ، درد، کے اک گہرے احساس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا تو جیسے وہ کسی اور دنیا میں پلٹ آئی تھی یہاں حقیقت کا پردہ تھا وہ کچھ دیر پہلے والے احساسات اور خواب کے زیر اثر خالی الذہنی کی کیفیت میں اپنے کمرے کی خاموش اور بے جان دیواروں کو گھورتی رہی، پھر لمحہ لمحہ بڑھتی بے بسی نے اس کی آنکھوں میں پانی بھر دیا اور وہ گھٹنوں پہ سر رکھے سسکنے لگی۔
یادوں کے کیسے سلگتے منظر اور محبت کے کتنے خوشبو آمیز لمحات تھے۔ جو بیتا زمانہ بن کر اس کے ذہن و دل کے کناروں پر لکھی جدائی کو پڑھتے ہوئے وہ کرب کے نہ مٹنے والے فاصلے طے کر رہی تھی۔

☆☆☆

شہر آزاد کو کھلتی ہوئی کھڑکی کی تھکن
میری آنکھوں کو بھگوتی ہوئی آوارہ ہوا
دوش دیوار پہ بیزار گھڑی کی ٹک ٹک
میرے انجام پہ روتا ہوا سانسوں کا ستار
ٹوٹی الماری میں بکھرے ہوئے چاہت کے نقوش
رقص کرتی ہوئی تنہائی کے پیاسے سائے
میں اکیلا ہوں مگر!
پھر بھی اکیلا تو نہیں،

فضا نے بہت احتیاط سے اماں جان کو اٹھا کے پیچھے ٹیک لگانے کے لئے تکیہ رکھا اور چکن سوپ کا پیالہ اور چمچ انہیں پکڑایا۔ جتنی دیر میں انہوں نے سوپ نوش کیا اتنی دیر میں وہ پلیٹ میں کھچڑی لے آئی ساتھ گرم دودھ کی پیالی اور ٹیبلٹس بھی تھیں۔
''بس دھیئے (بیٹی) کھچڑی کھالوں گی یہ دودھ نہیں پیوں گی۔'' اماں دودھ کی پیالی پرے کرتے ہوئے بولیں۔
''نہیں اماں جان! آپ کو دودھ بھی لینا ہوگا یہ گرم دوائیں آپ پانی کے ساتھ نہیں کھا سکتیں، پتا ہے کتنی Week ہو رہی ہیں۔'' فضا ان کے اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے بولی۔
''مجھے دودھ اچھا نہیں لگتا۔'' وہ بسوریں۔
''آپ دوا سمجھ کر پی لیں۔'' وہ آرام سے بولی۔
''ایسا کرو لسی کا گلاس دے دو۔'' اماں نے کہا تو فضا نے بے اختیار چوہدری ثناء اللہ کو دیکھا جو ہنس رہے تھے۔
''اتنے سرد موسم میں لسی پہلے آپ کو فلو ہے اور سینہ بھی جکڑن کا شکار ہے دودھ پتی تو ہو سکتی ہے مگر لسی ہرگز نہیں۔''
''رشیداں یہ دودھ لے جاؤ اور اس میں پتی ڈال کر اماں کو لا کر دو۔'' فضا اب گھریلو ملازمہ سے مخاطب ہوئی۔

''ابا جی آج تو آپ زمینوں کا چکر لگائیں گے تو کسی کام والے کو بھجوائیے گا مجھے سکول کے لئے دو دن کام کروانا ہے بہت زیادہ گند جمع ہو رہا ہے سکول کے پچھلے لان میں اور ایک کمرے کی چھت بھی بارش سے ٹپکتی ہے وہاں بھی مٹی لگوانی ہے۔'' فضا، اماں کو دوا کھلا کے سسر کے مقابل بیٹھتی ہوئی کہنے لگی۔

''یہ تو کوئی مشکل کام نہیں باجی مٹی تو میں بھی لگا دوں گی۔'' رشیداں جوش میں آئی۔

''پھر تو مسئلہ کوئی نہیں۔'' فضا خوش ہوئی۔

''تم بے فکر ہو جاؤ آج ہی یہ دونوں کام ہو جائیں گے۔'' چوہدری ثناء اللہ نے تسلی دی۔

''فضا دھیئے (بیٹی) دوپہر بارہ بجے آصف (مزارعہ) آئے گا کھانا اس کے ہاتھ بھجوا دینا زمینوں پر اور لسی بڑے برتن میں ڈال کر دینا۔'' چوہدری ثناء اللہ زمینوں پر روانہ ہوتے ہوئے تاکید کرنے لگے۔

''میں سب کچھ بروقت بھجوا دوں گی ابا جی آپ نے بیس بندوں کا کھانا کہا ہے پھر بھی میں کچھ اضافی کھانا تیار کروا دوں گی۔'' فضا نے انہیں اطمینان دلایا۔

''اچھی بات ہے میری دھی رانی بہت عقلوں والی اور سلیقہ شعار ہے خدا تجھے گھر کے بھاگ لگائے اور تتی ہوا سے بچائے۔'' چوہدری ثناء اللہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے جیپ میں بیٹھے اور ڈرائیو کو چلنے کا اشارہ کیا۔

''دھیئے تو خود اتنا ہلکان مت ہوا کرو ملازماؤں سے زیادہ کام کروایا کرو اللہ خیر رکھے'' نئے جی'' سے ہے اپنا خیال سب سے پہلے رکھ۔''

''اماں جان آپ بس دعا کیا کریں خدا مجھے ہمت اور صحت دے ورنہ کام تو چاک و چوبند رکھتے ہیں۔'' فضا ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے پاس بیٹھی۔

''میری تو ہر سانس اپنے بچوں کو خوشیوں اور زندگی کے لئے دعا گو رہتی ہے کہ تم لوگوں کے دم قدم سے تو سب کچھ ہے۔''

''یہ دریز اٹھ گیا ہے شاید رونے کی آواز رہی ہے، دیکھو تو ذرا۔'' اماں کے کہنے پر فضا تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی سمت گئی۔

☆☆☆

چیف آف آرمی سٹاف کے زیر قیادت تینوں افواج کے آفیسرز کا اہم اجلاس پنڈی کے آرمی ہیڈ کوارٹرز کے ہال میں ہو رہا تھا۔ ملک میں بڑھتی ہوئی خانہ جنگی، دہشت گردی، اندرونی و بیرونی ناپسندیدہ عناصر کی غیر قانونی آمد و رفعت اور منفی سرگرمیاں، خودکش حملوں کے باعث اہم شہروں میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتحال جیسے اہم ایشوز پہ تبادلہ خیال ہونے کے ساتھ آئندہ کے بارے میں فوجی حکمت عملی کا بھی جائزہ لیا جا رہا تھا کیونکہ گورنمنٹ نے ملکی حالات میں بہتری لانے کے لئے فوجی امداد طلب کر لی تھی۔

لیفٹیننٹ کمانڈر سمران اجلاس میں شرکت کے بعد آرمی میڈیکل کمپلیکس راولپنڈی کے کاروید ور میں جا رہے تھے جب سفید لباس میں ڈاکٹرز سٹاف کا مخصوص کوٹ پہنے ثمن تیزی سے آپریشنز سائیڈ سے نکلی تھی۔

''السلام وعلیکم!'' سمران رضا کو سامنے پا کر اس کے لبوں پر خیر مقدمی مسکراہٹ چمکی۔
''وعلیکم السلام! کیسی ہیں آپ؟'' وہ رکے۔
''کرم ہے اللہ کا، آپ سنائیں آپ کے بیٹے کا کیا حال ہے اب؟''
''خدا کے فضل سے بہت امپرو کر گیا ہے اور پہلے کی نسبت اس کی خود اعتمادی بحال ہوئی ہے۔''
''میں معذرت خواہ ہوں کہ مجھے ایک ایمرجنسی روم میں پہنچنا ہے ورنہ آپ سے مزید گفتگو ہوتی خیر پھر سہی۔'' ثمن نے جانے کے لئے قدم اٹھائے۔
''کوئی بات نہیں آپ کا فرض اور ڈیوٹی اہم ہے۔'' وہ دھیرے سے مسکرا کے بولے اور ثمن الوداعی سلام کر کے آگے بڑھ گئی لیفٹیننٹ کمانڈر سمران رضا کا بے اختیار دل چاہا تھا وہ اسے روک کر پوچھیں۔
''سنو پیاری لڑکی تم اتنی چپ اور اداس کیوں ہو؟ تمہاری خواب دیکھنے والی چمکتی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ اور بجھی بجھی کس لئے ہیں۔''
''وہ کون سا دکھ ہے جو تمہیں ہنسنے نہیں دے رہا؟ ہر بار ملنے پر بڑی سہولت سے کسی نہ کسی بہانے دامن بچا کے گزر جاتی تھی اور وہ اپنے دل میں ابھرتے سوال لئے کھڑے وہ جاتے تھے۔''
''مجھے کیا کچھ بھی ہو اک اجنبی لڑکی کے اسرار سے کیا واسطہ؟'' انہوں نے سر جھٹک کے خود کو اس احساس آشنائی سے باہر نکالنا چاہا مگر دل کے اندر کہیں کوئی انجانی سی لہر اٹھی تھی جو اس کیفیت سے نکلنے نہ دے رہی تھی۔

دل میں اب اور کیا ہے جسے ڈھونڈتی ہے
کافی ہے زندگی کو شکست انا کا دکھ
کیوں ان دنوں سوار ہے دو کشتیوں پہ دل
چاہت اک اجنبی کی، تو اک آشنا کا دکھ

☆☆☆

امبر کے لکھے ڈرامہ سیریل کی ریکارڈنگ بہت تیزی سے جاری تھی اور امبر زیادہ تر اس سیریل کے یونٹ اور اداکاروں کے ہمراہ مصروف رہتی تھی۔ کرداروں کے ملبوسات، میک اپ، پروفیشنل گیٹ اپ اور آواز و انداز سے لے کر لوکیشن کے چناؤ تک میں وہ ذاتی دلچسپی لیتی تھی اور ہر چیز سٹوری کے مطابق چاہتی تھی کچھ امبر کی جذباتی اور پروفیشنل حساسیت کا کمال تھا اور کچھ ڈائریکٹر و ایکٹرز کی محنت کہ ایک ایک سین زبردست انداز میں ریکارڈ ہو رہا تھا اور آن ائیر جانے سے پہلے میڈیا میں اس کے چرچے زبان زد عام تھے۔ امبر اپنی اس محنت و کوشش سے خاصی پر امید اور خوش تھی اور عاشر کو بھی اپنی روٹین لائف سے آگاہ کرتی رہتی تھی۔
''تم گھر کو بھی وقت دیا کرو، ہر وقت بیرونی سرگرمیوں میں مصروف عمل نہ رہا کرو۔'' عاشر نے ایک دن اس کی مصروفیات پہ ٹوکتے ہوئے کہا۔
''ظاہر ہے وہ تو دوں گی آخر گھر میری اولین ترجیح ہے آپ کا کیا خیال ہے میں چوبیس گھنٹے باہر ہی گزارتی ہوں۔'' امبر کچھ خفگی سے بولی۔

"یہ بات نہیں ہے، میں مام اور ڈیڈ کے حوالے سے کہہ رہا ہوں کہ انہیں بھی وقت دو بچیوں سے ملاتی رہا کرو اور ثوبیہ، سحر، آذر سے ملا کرو۔ وہ سب کیا سوچتے ہوں گے کہ بیٹا تو نگاہوں سے دور ہے اور بہو جانتے بوجھتے دور ہو رہی ہے، میری مجبوری تو ملازمت ہے مگر تمہیں تو ایسی کوئی مجبوری نہیں جو مسلسل میکے میں گھسی رہتی ہو۔"

"آپ سے کچھ کہا ہے کسی نے۔" امبر سنجیدہ ہوئی۔

"نہیں، مجھے خود یہ بات محسوس ہو رہی ہے کہ تم میرے بعد سسرال میں کم رہتی ہو بلکہ جب سے یہ سیریل کا چکر شروع ہوا ہے تم نے فون تک کر کے کسی کو پوچھا نہیں امبر اتنی لاپرواہی نہیں کرنی چاہیے جب کہ تم اس گھر کی پہلی اور بڑی بہو ہو اور بہت لاڈلی بھی تمہیں معلوم ہے سحر کو فوڈ پوائزن کی شکایت تھی اور وہ دو دن ہوسپٹل بھی رہی ہے آذر نے اپنے کالج میں ٹاپ کیا ہے، کتنی دیر لگتی ہے ایک فون کر کے خیریت پوچھنے یا مبارک دینے میں۔"

عاشر نے بھرپور غصے سے اس کی غلطی کو جتایا تھا امبر کچھ لمحے بول نہ سکی یہ واقعی اس کی غلطی تھی کہ وہ مصروفیات میں اتنی مگن تھی اپنے سسرال رابطہ نہ کر سکی اور عاشر کا غصہ بجا تھا۔

"I am sorry مجھے اپنی مصروفیات میں دھیان نہ رہا تھا۔" امبر نے کمزور سے لہجے میں اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"امبر تم بچی نہیں ہو کہ دھیان نہ ہونے کا کہہ کے جان چھڑا لو، آج کل زندگی اتنی ہنگامہ خیز ہے کہ خود سے ملنا بھول جاتا ہے، مگر جو لوگ ہم سے وابستہ ہوں ان کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ جیسے میں ہزاروں کوس دور بیٹھا بھی تمہارے لئے سوچتا اور فکر مند ہوتا ہوں تمہیں بھی میرے حوالے سے سہی میرے پیرنٹس اور بھائی، بہنوں کو پوچھنا، دیکھنا، ملنا چاہیے کیونکہ میری غیر موجودگی میں تم نہ پوچھو گی تو انہیں میری یاد، میری کمی اور تمہاری بے اعتنائی و بے مہری اور بھی شدت سے محسوس ہو گی۔"

"آپ کو کس نے بتایا ہے میں وہاں جاتی نہیں یا فون نہیں کرتی۔" امبر کو غصہ سا آیا عاشر کے ڈانٹنے اور ٹوکنے پہ۔

"میں خود جب بھی گھر فون کرتا ہوں تمہارے متعلق پوچھتا رہتا ہوں وہاں کوئی بھی تمہاری شکایت یا لگائی بجھائی کرنے والا نہیں اور آج مجھے غصہ اس لئے آیا کہ مام پچھلے کئی دنوں سے ٹائیفائیڈ کا شکار ہو کر گھر پہ آرام کر رہی ہیں اور تمہیں خبر تک نہیں۔"

پلیز عاشر غصہ ختم کریں سوری کر تو چکی ہوں اور میں آج ہی وہاں جا بھی رہی ہوں، امبر نے ملتجی انداز اپنایا۔

"بچیاں کیسی ہیں ذرا ان کی آواز تو سنواؤ۔" عاشر لہجہ نارمل کر کے بولا۔

"وہ تو چائلڈ نرسری میں ہیں۔" امبر تیزی سے کہہ کر لب بھینچ گئی اس کی خفگی کے احساس سے۔

"چائلڈ نرسری۔" وہ دوسری جانب چلا اٹھا۔

"وہ عاشر گھر میں ٹکتی نہیں ہیں بھابھی بھی بیمار تھیں سو میں انہیں ساتھ لے آتی تھی اور نرسری میں چھوڑ دیتی واپسی پہ لے جاتی ہوں۔ اب بھی بس ریکارڈنگ ختم ہو گئی ہے میں نکل رہی ہوں

انہیں لینے کے لئے۔" امبر اٹکتے ہوئے بولی۔

"کیسی عورت ہو تم جس سے بچے سنبھلتے ہیں نہ گھر دیکھا جاتا ہے ذہانت و تعلیم سے مالا مال مگر اس کا اجر صرف باہر کے لوگوں کی قسمت بروکن فیملیز اور سائیکی چائلڈ تنہی عورتوں کی مہربانی کا انعام ہیں جو گھر اور باہر کے کاموں میں توازن نہیں رکھ پاتیں۔" وہ بے تحاشا بھرا ہوا تھا غصے سے۔

"عاشر پلیز کول ڈاؤن میں تو۔"

مگر دوسری جانب سے موبائل آف ہو چکا تھا، اس کی بات سنے بغیر موبائل ہاتھوں میں پکڑے وہ ساکت کھڑی تھی۔

☆☆☆

میرے دل سے تیرے دل تک
وہی فاصلے ہیں اب تک
جو تھے روز اول
میری چاہتوں کا مرکز
بس ایک تیرا چہرہ
میری پیاس کا سمندر
تیری آنکھوں کا نیلگوں کنارہ
میری خواہشوں کی آرزو
بس ایک تجھ کو پانا
میرا مشغلہ ہے یہی
بس ایک تجھے چاہنا
تیرے دل تک آنا
اور سانسوں میں بس جانا
دنیا سے لڑ چکی ہوں
یہ سب بھی کر چکی ہوں
پھر بھی جانے کیوں
وہی فاصلے ہیں اب تک
جو تھے روز اول
میرے دل سے تیرے دل تک
وہی فاصلے ہیں اب تک
جو تھے روز اول

(باقی اگلے ماہ)

Aneela PakistaniPoint

دل کا درد غزل ہوا

مدیحہ نعیم

''امپاسبل، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ وہ ابھی بھی آنکھیں پھاڑ کے حق دق سی اپنی ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اس میں اتنی حیرانی والی بات تو نہیں۔'' اس کا انتہائی ردعمل انہیں بھی جز بز کر گیا۔

''آپ کے نزدیک نہیں ہوگی مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آرہا۔'' اس کا لہجہ واقعی بے یقین سا تھا۔

''اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' وہ اب جیسے اسے قائل کرنا چاہ رہی تھیں۔

''واقعی حرج والی بات نہیں، کیونکہ ''حرج'' تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔'' اس کی حیرت کچھ کم ہوئی تو شدید قسم کے غصے نے اسے آن گھیرا۔

''ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں بیٹا! والدین ہیں تمہارے اور کبھی تمہارے لئے غلط نہیں سوچ سکتے۔ بلکہ کوئی بھی ماں، باپ اپنی اولاد کا برا نہیں سوچ سکتا۔ تم جذباتی مت بنو ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔'' انہوں نے بہت رسان سے اسے سمجھایا۔

''ٹھنڈا دماغ.....'' یہ دو الفاظ تو اسے تپا ہی گئے۔ پھر بھی اپنے غصے کو کافی حد تک قابو میں رکھ کر اس نے کہا۔

''میرا دل و دماغ کبھی بھی اس بات پر متفق نہیں ہوسکتا ماما! آپ، آپ خود سوچیں میں بھلا ایسے کس طرح کر سکتی ہوں، ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ می!''

''یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ میرے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں اور میں نے کوئی دنیا سے نرالی بات نہیں کی۔ ایسی سینکڑوں مثالیں ہمارے اردگرد بکھری ہوئی ہیں۔ ہر بات کو ایک ہی زاویے سے مت سوچا کرو۔ ابھی تمہارے والدین زندہ ہیں تمہارا اچھا برا سوچنے کے لئے۔ ابھی چند دن ہیں تمہارے پاس اچھی طرح غور و

مکمل ناول

فکر کر لو۔ مجھے یا تمہارے بابا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں اور تمہیں بھی نہیں ہونا چاہیے۔" اس کے قطعی انداز پر وہ بھی قدرے سخت لہجے میں بولیں۔

مناہل ہکا بکا انہیں دیکھے گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب الفاظ وہ کہہ رہی ہیں۔ نزہت نے ایک آخری نظر اس پہ ڈالی اور باہر نکل گئیں۔ مناہل نے اپنا بھائیں بھائیں کرتا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ اسے ہرگز یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ فیصلہ اس کے بارے میں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے فیصلہ تو کیا جا چکا ہو اسے تو بس یونہی رسماً آگاہ کیا ہو۔ یہ رائے تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اگر اس سے رائے مانگی جاتی تو پھر اس کے جواب کو ہی مقدم رکھا جاتا۔

اس کا دماغ ابھی بھی سائیں سائیں کر رہا تھا اور ایک نام بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہا تھا۔

داؤد سلمان، داؤد سلمان۔

"پھر داؤد بیٹا! کیا کہتے ہو تم؟" زرتاج بیگم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں اماں جان!" وہ مبہم سے انداز میں بولا۔

"بیٹا! تمہاری مرضی و منشاء یہی تو درکار ہے۔"

"آپ نے ان لوگوں سے اس کے متعلق کوئی بات کی۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ راضی نہ ہوں۔" داؤد نے اہم نکتہ اٹھایا۔

"اس بارے میں تم فکر مت کرو۔ میں ڈھکے چھپے الفاظ میں ان سے کہہ چکی ہوں۔ صرف تمہاری اجازت درکار تھی ورنہ اسی وقت ساری بات کلیئر کر لیتی۔" وہ محبت بھرے لہجے میں اس دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"کیا کہتے ہیں وہ؟" وہ ایک دم چونکا ان کی بات پر۔

"انہوں نے کیا کہنا ہے بیٹا! انہیں تو کوئی اعتراض نہیں۔" یہ دوسرا حیرت کا جملہ ہوا تھا اس پر۔ اس کا خیال تھا وہ لوگ ایسا نہیں چاہیں گے۔

"اب رہنے دیں اماں جان! ایسے ہی گزرنے دیں۔"

"اللہ خیر کرے بیٹا! ابھی جوان جہان ہو تم۔ انتیس سال بھی کوئی عمر ہے۔ لوگ تو بتیس، تیئس کے پیٹے میں جا کر شادی کرتے ہیں۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اللہ لمبی عمر دے۔ طویل خوشیاں دے۔ بلکہ اپنی اولاد کی خوشیاں بھی دیکھو۔ تمہاری فکر مجھے ہر وقت دامن گیر رہتی ہے۔ اتنے بڑے گھر میں اکیلے رہتے ہو۔ وقت بے وقت آتے جاتے ہو۔ گھر میں کوئی ہو گا تو تمہیں بھی ذمہ داری کا احساس ہو گا۔ میں تو بے فکر ہو گئی تھی تمہاری طرف سے بس جو اللہ کو منظور۔" بات کرتے کرتے آخر میں کچھ افسردہ ہو گئیں۔ داؤد نے اضطراری انداز میں دونوں ہاتھ مسلے۔

"پھر بھی اماں جان! مناہل ابھی بہت چھوٹی ہے۔ پھر رشتے کی نوعیت بھی کچھ اور ہے۔" وہ جیسے اپنا موقف واضح نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ تو خود اپنے آپ کو بھی اس قابل نہیں محسوس کر رہا تھا۔

"رشتے کی نوعیت بدل جائے تو احساسات خود بخود بدل جاتے ہیں بیٹا! ویسے بھی مناہل اگرچہ کم عمر ہے لیکن سلجھی ہوئی طبیعت کی مالک ہے۔" زرتاج بیگم کے کہنے پر داؤد سلمان کے تصور میں مناہل کا سراپا لہرا گیا۔

سفید یونیفارم پہ پنک دوپٹہ لئے کندھوں سے کچھ نیچے تک آتے بال دائیں بائیں جھٹکتے ہوئے وہ کالج گرل کی بجائے اسکول گرل ہی لگتی تھی۔

"میری بات مان کر تو دیکھو بیٹا! اگر تم

چاہتے ہو....." وہ کہتے کہتے جھجک کر رک گئیں۔ پھر دوبارہ ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالتے ہوئے بولیں۔

"ثمین بھی اچھی بچی ہے۔ کافی چکر لگاتی رہتی ہے۔ اکثر مجھ سے ملنے آجاتی ہے۔"

"نہیں..... ثمین تو ہرگز نہیں۔" وہ قطعی لہجے میں بولا۔ ثمین کے بارے میں اس کے خیالات اتنے سال گزرنے کے بعد بھی نہیں بدلے تھے۔ وہ آج بھی اس معاملے میں اتنا ہی اٹل تھا۔

"پھر مناہل ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ نزہت نے اپنی تینوں بیٹیوں کی پرورش ایک ہی خطوط پر کی ہے۔" داؤد سلمان کے دل میں ایک مرتبہ بھی ٹیس سی اٹھی تھی۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔" بے بسی سے کہتے ہوئے اس نے اپنا سر زرتاج بیگم کی گود میں گرا دیا۔

"لیکن میری سمجھ میں سب کچھ آ رہا ہے۔" آہستگی سے اس کے گھنیرے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے وہ کچھ سوچ کر مسکرا دیں۔

"اب نہیں، ہرگز نہیں، ہر دفعہ شکست میرے حصے میں ہی کیں؟ میں اتنی بھی ارزاں نہیں داؤد سلمان!" وہ جب سے داؤد پیلس سے لوٹی تھی۔ مسلسل کمرے میں چکرا رہی تھی۔ نجانے کتنے چکر کاٹ لئے تھے اس نے یہاں سے وہاں تک۔

"یہ اس کی دوسری مرتبہ تذلیل ہوتی تھی۔ پہلی دفعہ تو وہ خود پہ جبر کر گئی تھی۔ لیکن اب کی دفعہ وہ اپنے اشتعال کو دبا نہیں پائی تھی۔ اس کی انا بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ وہ جس کی اونچی ناک کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ مغرور اور نک چڑھی کے نام سے اسے ابھی تک یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے وجود کو دو دفعہ ٹھکرایا گیا تھا۔ اسے بے مول کیا گیا تھا۔ وہ بل کھائی ہوئی ناگن کی طرح

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب 135/

خمار گندم 200/-

دنیا گول ہے 225/-

آوارہ گرد کی ڈائری 200/-

ابن بطوطہ کے تعاقب میں 200/-

چلتے ہو تو چین کو چلئے 130/-

نگری نگری پھرا مسافر ..... 17[illegible]/-

خط انشاجی کے 200/-

بستی کے اک کوچے میں 165/-

چاند نگر 165/-

دل وحشی 165/-

آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو 200/-

انتخاب کلام میر 160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر 160/-

طیف غزل 120/-

طیف اقبال 120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبر: 7310797-1690-73

ابھی تک مچل رہی تھی۔"

"اپنا آپ اتنا مت گراؤ شین! کہ مجھے تمہاری دوستی پہ ندامت ہونے لگے۔ میرا جواب آج بھی وہی ہے جو آج سے پانچ سال پہلے تھا۔" داؤد سلمان کا قطعی انداز اسے یاد آیا تو وہ نئے سرے سے بپھر گئی۔

"میں تم سے ایسا بدلہ لوں گی داؤد سلمان! تم ہمیشہ یاد رکھو گے۔ تمہیں بھی پتہ چلے گا نارسائی کیا چیز ہوتی ہے تم نے میری محبت کو ٹھکرایا ہے اب دیکھنا تمہیں محبت قدم قدم پہ ٹھکرائے گی محبت کے جواب میں ملنے والی اذیت کیسی ہوتی ہے اس کا احساس تمہیں اب ہوگا اور خوب ہوگا۔" دونوں مٹھیاں بھینچتے ہوئے وہ تصور میں اس سے مخاطب ہوئی۔

آگ کی لپٹیں تھیں جو اسے اپنے وجود سے نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"تم پچھتاؤ گے۔ بہت پچھتاؤ گے داؤد سلمان! ابھی سے خود کو تیار کر لو۔" وہ جیسے کسی نتیجے پہ پہنچ گئی تھی۔ دل میں ایک مصمم ارادہ کرتے ہوئے وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھ گئی۔

"مناہل آپی! کھانا لاؤں آپ کے لئے؟" وہ جو اپنے خیالوں میں گم تھی ایک دم چونک اٹھی۔ سر اٹھایا تو نوشابہ کو سامنے پایا۔

"میں پوچھ رہی تھی۔ کھانا کھائیں گی آپ؟" اس کی سپاٹ آنکھیں دیکھ کے نوشابہ سمجھ گئی تھی۔ وہ اس کی بات سن نہیں پائی۔ اسی لئے اپنا سوال دوبارہ دوہرایا۔

"نہیں۔" وہ سرد سپاٹ لہجے میں بولی۔

"کھالیں آپی! آپ نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔ بیمار پڑ جائیں گی ایسے۔" اس کی بکھری ہوئی حالت دیکھ کے نوشابہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" یہ جملہ کل سے وہ نجانے کتنی بار دہرا چکی تھی۔

"ایسا کر کے آپ کس کو سزا دے رہی ہیں؟ آپ تو بہت سوفٹ نیچر کی مالک ہیں۔ پھر اتنی پتھر دل کیوں ہو رہی ہیں۔" نوشابہ کا لہجہ بھرا گیا۔

"پتھر دل میں ہوں یا تم لوگ....." وہ سخت انداز میں گویا ہوئی۔

"میرے ساتھ تو ایسا مت کریں آپی! میں تو آپ کی بہن ہوں۔" نوشابہ اس کے سامنے دو زانو ہو کے بیٹھ گئی۔ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے اسے دیکھا۔ جو اس وقت ٹھس بنی بیٹھی تھی۔

"میری بہن ہو؟" مناہل نے نظریں اس پہ گاڑیں۔

"تو پھر تیار رہتا۔ میرے بعد تمہیں ہی قربانی دینی ہوگی۔" استہزائیہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ جو کسی نے نوشابہ کے کان [illegible] پلا تھا۔ وہ جہاں تھی وہی پتھرا کے رہ گئی۔

اور آج اس کی مہندی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا جہاں اب مہندی سوکھ کے جھڑنے لگی تھی۔ ابھی وہ نوشابہ سے کتنے سخت الفاظ کہہ کر آئی تھی۔ وہ بھی کہا کرتی۔ اس کا تو اپنا وجود ابھی تک بے یقینی کی حالت میں ڈول رہا تھا۔ وہ اور داؤد سلمان.....؟

اس کی رائے کو اس کے خیالات و احساسات کو کسی نے سمجھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔

"تمہارا خیال ہے تم انیس سال کی لڑکی زیادہ عقلمند اور سمجھ دار ہو اور ہم تمہارے بوڑھے والدین بے وقوف اور جاہل ہیں۔" یہ اس کے بابا جان تھے۔ جو ایک لمحے کے لئے اسے اپنی آنکھوں سے دور نہیں کر سکتے تھے لیکن اس کی ضد پہ اس کے ہاسٹل میں رہنے پہ رضامند ہو گئے تھے

اور ہر ہفتے باقاعدگی سے اسے ملنے آتے تھے۔ اس کی ہر ضرورت بنا کہے جان لیتے تھے اور آج اس کی زندگی کا انتہائی اہم معاملہ وہ سمجھ نہیں پائے تھے۔

''میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا بابا جان!'' حیرت کی شدت تھی یا بے یقینی کی انتہا، لیکن اس کے سارے جواز، سارے دلائل دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

''دیکھو اگر تم کہیں اور انوال ہو تو ہمیں بتا دو۔'' تو اس کے انکار کی وجہ وہ سب یہ سمجھ رہے تھے۔ اس کا دل تاسف سے اور آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ بمشکل کہہ پائی تھی۔

''تو پھر ہماری مان لینے میں کیا قباحت ہے۔'' پتہ نہیں ان کا لہجہ واقعی سخت تھا یا صرف اسے یہی محسوس ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتے یا اس کے ضبط کا بندھن جواب دے جاتا وہ دوٹوک انداز میں کہہ کر وہاں رکی نہیں تھی۔

''پتہ نہیں والدین اس معاملے میں اتنے حساس کیوں ہو جاتے ہیں۔'' اس نے دکھ سے سوچا۔

بس چیدہ چیدہ لوگوں کو ہی انوائیٹ کیا گیا تھا۔ وہ بھی ماما نے ہی کہا تھا۔ ورنہ بابا جان تو چاہ رہے تھے صرف سادگی سے نکاح ہو جائے۔ اس کی چند ایک کزنز ہی تھیں جنہوں نے شور ہنگامہ کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے اندر چلی آئی تھی۔

''ناجیہ آپی! کی شادی پہ انہوں نے کتنا انجوائے کیا تھا اور مہندی والے دن تو اتنی ہلچل مچی ہوئی تھی کہ اسے خود کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کیا کر لے اور کیا نہ کرے۔'' اس کے دل میں ہوک اٹھی۔

''اور کل..... وہ ناجیہ آپی.....!'' اس کی آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگیں۔ ماضی کا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔

''نہیں بہن! وہ لوگ ہمارے ہم پلہ نہیں۔ بس تم ہمارے جیسے گھرانے میں کوئی اچھا سا لڑکا ڈھونڈو۔'' فردوس خالہ کی بات سن کے نزہت نے کہا۔

''یہ تم نے خوب کہی نزہت! آج کل ایسے رشتے تو بڑے نصیب والوں کو ملتے ہیں اور تم ناشکری کر رہی ہو۔'' فردوس خالہ چمک کے بولیں۔

''اللہ نہ کرے! میں ناشکری کروں۔ میں تو اس وجہ سے کہہ رہی ہوں وہ لوگ اتنے اونچے اسٹیٹس سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں بھلا لڑکیوں کی کمی ہے وہ کیونکر ہماری بیٹی کو لیں گے۔'' نزہت نے اپنے دل کی بات کہی۔

''اے لو! مجھے تمہاری بیٹیوں اور اپنی بیٹیوں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا نزہت! میں کیسے ایسے اونچے دماغ والوں میں اپنی بیٹی دے سکتی ہوں۔ میں نے اگر تم سے کہا ہے تو خوب دیکھ بھال کے اور ٹھونک بجا کے کہا ہے۔ وہ لوگ ایسے ہرگز نہیں ہیں۔ رئیس ضرور ہیں مگر خرد ماغ نہیں۔ میری بہن ایک عرصے سے انہیں جانتی ہے۔ میں تو یونہی اتفاقاً اس کے ساتھ ان کے گھر چلی گئی۔ بلکہ یہ کہو کہ قسمت لے گئی ورنہ میں اکثر اپنی بہن سے ملنے جاتی رہتی ہوں۔ لیکن کبھی حویلی جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بس حویلی جانا ہوا تو روبینہ نے باتوں میں ہی ذکر چھیڑ دیا فردوس رشتے کروانی ہے زرتاج بیگم نے اپنے بیٹے کے لئے کہا تو میرے ذہن میں پہلا نقشہ ہی ناجیہ کا ابھرا۔ میں نے تو وہیں ناجیہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ وہ تو میرے ساتھ آنے کو تیار تھیں۔ لیکن

میں نے کہا ایک دفعہ تم سے تو رائے لے لوں۔ ایسے اچھے گھرانے تو ہر کوئی چاہتا ہے اور پھر تم کون سا کسی سے کم ہو۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہی ہے۔ کون سی ایسی نعمت ہے خدا کی جو تمہارے پاس نہیں۔"

"اور زرتاج بیگم نے تو مجھے وہیں بتا دیا تھا انہیں کسی قسم کا لالچ نہیں۔ بس لڑکی پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی ہو۔ ارے! لڑکیاں تو انہیں بہت ملتی ہیں لیکن آج کل کا دور ہی بڑا لالچی ہے۔ ہر کسی کی نظر دولت پر ہوتی ہے۔ میں نے تو صاف کہہ دیا اپنی نزہت تو اتنی غیرت مند ہے بیٹی سے بھی ایک دھیلا بھی نہ لے اور تمہیں تو پتہ ہے بات میں ہمیشہ صاف اور کھری کرتی ہوں خواہ کسی کو برا ہی لگے۔" فردوس خالہ نے تو پوری تقریر ہی کر ڈالی تھی اور آخر کار انہوں نے نزہت کو نیم رضامند کر ہی لیا تھا۔

شام کو نزہت نے ایاز سے اس بارے میں بات کی۔ شروع میں تو وہ بھی متذبذب ہوئے لیکن نزہت کے قائل کرنے پہ وہ اتنا کہہ کے اٹھ گئے۔

"میں پہلے لڑکے کے بارے میں پتہ کر والوں پھر کوئی حتمی فیصلہ کریں گے۔"

"ماما! یہیں نہیں کرنا یہ رشتہ۔" مناہل بھی اتفاقاً گھر آئی ہوئی تھی۔ بابا جان کے اٹھتے ہی وہ لپک کر نزہت کے پاس آئی تھی۔ کیونکہ وہ ساری داستان سن چکی تھی۔

"کیوں؟" نزہت نے تیکھے چتون سے دریافت کیا۔

"ماما! یہ جو وڈیرے ٹائپ لوگ ہوتے ہیں ناں یہ بالکل بھی اچھے نہیں ہوتے بڑے غصیلے، رعب چلانے والے اور عیاش طبع ہوتے ہیں۔" وہ اب آلتی پالتی مار کے صوفے پہ بیٹھ گئی اور بڑی مفید معلومات انہیں دے رہی تھی۔

"اچھا..... تمہیں کیسے پتہ....." نزہت نے اسے گھورا۔

"اور ویسے بھی وہ "وڈیرا" حویلی میں نہیں رہتا۔ اس کا اپنا گھر اسلام آباد میں ہے اور وہیں بزنس سیٹل ہے۔"

"یہ تو اور بھی غلط بات ہے یعنی کھلی چھٹی ہے۔" ان کے گھورنے کی قطعی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ اپنی بات پہ ڈٹی ہوئی تھی۔

"وہ جو میری دوست ہے ناں جبیں، اس کی آپی کی شادی ہوئی تھی اسی طرح ایک وڈیرے کے ساتھ بلکہ وڈیرا پلس بزنس مین پہلے تو جبیں لوگوں نے ان کی دولت دیکھتے ہوئے اپنی بیٹی دے دی لیکن بعد میں بڑا پچھتائے وہ بالکل بھی اچھا نہیں نکلا۔ پہلے بھی ایک بیوی کو فارغ کر چکا تھا۔ جبیں کی آپی کی تو بالکل بھی قدر نہیں کرتا تھا۔ اپنی من مانیاں کرتا تھا۔ بیوی کو تو پاؤں کی جوتی بنا کے رکھا تھا۔ مارتا پیٹتا بھی تھا۔ ابھی تک ویسا ہی ہے جبیں بیچاری بہت کڑھتی ہے لیکن وہ کیا کر سکتی ہے۔ ان سب کی فطرتیں ایک سی ہوتی ہیں ماما!" جبیں نے تو اسے اور بھی بہت سے "قصے" سنائے تھے اپنے بہنوئی کے۔ لیکن وہ سب مناہل ماں کو نہیں بتا سکتی تھی۔

"ایسے لوگ اچھے نہیں ہوتے۔ ان کی عادات بڑی عجیب ہوتی ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے رسک لینے کی اپنی ناجیہ آپی کے لئے رشتوں کی کمی نہیں۔" وہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

"تمہارے بابا کہہ تو رہے ہیں پتہ کروائیں گے پھر ہی کوئی حتمی فیصلہ ہوگا۔" انہوں نے فی الحال تو اسے ٹالنا چاہا۔

اور پتہ نہیں کیوں مناہل کو یقین تھا۔ اس کا خیال درست نکلے گا اور یہ رشتہ نہیں ہو سکتا لیکن۔ یہ اس کی خام خیالی ہی نکلی۔ کیونکہ اسے تو بابا اگلے روز کالج چھوڑ آئے تھے۔ پھر بعد میں کیا کھچڑی پکی اسے ہرگز علم نہیں تھا۔ وہ تو جب نوشابہ نے

اسے فون کر کے بتایا۔
''کہ ناجیہ آپی کی نہ صرف ہاں ہو چکی ہے بلکہ شادی کی ڈیٹ بھی فکس ہو گئی۔'' تو ہو ہکا بکا رہ گئی یعنی اس کی رائے کو بالکل بھی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔
''بابا جان نے مجھے منع کیا تھا کہ تمہیں نہ بتاؤں کیونکہ وہ آپ کو سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔ لیکن آپی! آپ کو تو پتہ ہے میرے پیٹ میں کوئی بات ٹکتی ہے بھلا۔'' وہ اس کی حالت سے قطع نظر اپنی ہی ہانک رہی تھی۔
''آپ لوگوں نے میری بات نہیں مانی ناں۔'' گھر پہنچتے ہی وہ خفگی سے منہ پھلا کے بولی۔
''ایسا کچھ نہیں ہے مناہل! خوامخواہ کے وہم مت پالو۔ داؤد بہت اچھا لڑکا ہے۔ تمہارے بابا نے ہر طرح سے تسلی کروالی ہے۔'' نزہت جانتی تھی اس کی عادت کو اسی لئے پیار سے اس کے بال بکھیرتے ہوئے بولیں۔
''پھر بھی ماما! آپ نے اس داؤد کے بچے کو مجھ پر ترجیح دی ہے ناں۔'' وہ ہنوز نروٹھے پن سے بولی۔
''ارے! میری جان! جو تم میرے لئے ہو وہ داؤد کا بچہ کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اس کے ماتھے پہ پیار کرتے ہوئے وہ اسی کے انداز میں بولیں تو وہ بے ساختہ کھلکھلا اٹھی۔
''داؤد سلمان بالکل پرفیکٹ پرسنیلٹی ہے تم دیکھو گی تو اپنی بہن کی قسمت پر رشک کرو گی۔'' نزہت اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کھڑی ہوئیں تو وہ ناجیہ آپی کے سر ہو گئی۔
''زیادہ ضرورت نہیں ہے اس ''وڈیرے'' کو سر پہ چڑھانے کی، بلکہ کھینچ کے رکھنا۔'' اس کے اتنے ''عقلمندانہ'' مشورے پہ ناجیہ بے ساختہ مسکرا دی۔
''ہنسنے کی بات نہیں ہے ناجیہ آپی! یہ وڈیرے بڑے ہتھ چھٹ ہوتے ہیں۔ اپنے آگے کم ہی کس کو گھاس ڈالتے ہیں۔ بڑا زعم ہوتا ہے انہیں خود پر اور جبھی تو بتا رہی کہ.....''
''بس کرو مناہل! تم نے ابھی سے میری جان نکال دی ہے۔ وہ تو ایسے نہیں لگتے۔'' اس کی رواں دواں زبان کو ناجیہ نے بمشکل ٹوکا تھا۔
''اور تم انہیں بار بار وڈیرا کیوں کہہ رہی ہو۔ وہ اپنے گاؤں کم کم ہی جاتے ہیں ان کا بزنس ادھر ہے اسلام آباد میں۔ تو ظاہر ہے وہ وہیں رہیں گے۔'' چہرے پہ بڑی شرمیلی مسکان سجائے کہہ رہی تھیں۔
''ایں..... وہ..... نہیں..... اوہ ہو۔'' مناہل نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔
''پوری مسخرہ لگ رہی ہو۔'' ناجیہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔
''ایک بات تو بتاؤ آپی! یہ اتنی انفارمیشن کہاں سے ملی ہے۔'' اس کے قریب کھسکتے ہوئے مناہل نے خاصے راز دارانہ لہجے میں دریافت کیا۔
''ان کی بھابھی آئیں تھیں۔ انہوں نے ہی بتایا ہے۔ پتہ ہے مناہل! ان کی بھابھی بہت اچھی ہیں ان کے شوہر جوانی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ دو بچے ہیں ان کے اب تو بڑے ہو گئے ہیں۔ دونوں جڑواں ہیں۔ فرسٹ ائیر میں پڑھتے ہیں۔''
''مناہل آپی! ماما آپ کو بلا رہی ہیں۔ پھپھو کا فون آیا ہے وہ پہنچ رہی ہیں۔'' نوشابہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔ تو ناجیہ کی بات وہیں رہ گئی۔
''اوہ! پھپھو آ رہی ہیں۔'' وہ خوشی سے قلانچیں بھرتے ہوئے باہر بھاگی۔
''یہ لڑکی کبھی نہیں سدھر سکتی۔'' دائیں بائیں سر ہلاتے ہوئے ناجیہ نے تاسف سے سوچا۔

مہندی والے دن انہوں نے خوب ہلا گلہ کیا تھا۔ لڑکے والے مہندی لے کر نہیں آ رہے تھے کیونکہ اتنی دور سے وہ مہندی لا ہی نہیں سکتے اور پھر بابا جان نے بھی منع کر دیا تھا۔ کہ انہیں یہ رسمیں ویسے بھی پسند نہیں تھیں۔ ان سب نے مل کر ناجیہ کو خوب چھیڑا تھا۔

اور پھر بارات کا دن بھی آ پہنچا۔ مناہل ڈارک اور لائیٹ پرپل کلر کے سوٹ میں بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ ناجیہ آپی میرون کلر کے لہنگے میں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔

''ارے..... یہ کون ہے؟'' وہ ریسپشن پہ باراتیوں کو ریسیو کر رہی تھی۔ جب دولہا والوں کی طرف سے کسی خاتون نے پوچھا۔

''یہ ہماری بھتیجی مناہل ہے ناجیہ سے چھوٹی۔'' پھپھو جو اس کے قریب ہی کھڑی تھیں، تعارف کروایا۔

''کمال ہے یہ ہیرا تو آپ نے چھپا کے رکھا ہوا تھا۔ ہمیں تو آج ہی دکھایا ہے۔'' وہ خاتون اب بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ مناہل ہاسٹل میں رہتی ہے شادی سے چند دن پہلے ہی بھائی جان اسے لے کر آئے ہیں سب کچھ اتنا اچانک اور جلدی ہوا تھا کہ مناہل کا بھی آنا نہیں ہوا اور کچھ اس کے ایگزامز ہو رہے تھے ہم نے بھی ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے آپ انہیں دیکھ نہیں پائیں۔'' معاملہ چونکہ بیٹی کے سسرال کا تھا اس لئے پھپھو نے کافی تسلی بخش جواب دیا تھا۔ وہ خاتون وہاں سے ہٹیں تو مناہل نے سکون کا سانس لیا۔ ان کی نظریں مناہل کو کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں۔

دودھ پلائی کا آغاز ہوا تو ہر طرف اس کے نام کی پکار پڑ گئی۔

''آ رہی ہوں۔ فارغ تھوڑی بیٹھی ہوں۔'' کندھے سے پھسلتا ہوا دوپٹہ سیٹ کرتے وہ اسٹیج کی طرف بڑھی تو ایک دم ٹھٹھک کے رک گئی۔

ماما نے صحیح کہا تھا داؤد سلمان کو دیکھ کر اسے واقعی اپنی بہن کی قسمت پر رشک آیا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک بھرپور مرد تھا۔ گولڈن شیروانی پہ آف وہائٹ کلاہ پہنے وہ کسی وڈیرے کی بجائے کوئی حسین دیوتا لگ رہا تھا۔ مناہل کے دل میں سویا ہوا شک پھر بیدار ہوا تھا۔

''اتنے حسین، ایجوکیٹڈ اور کروڑ پتی آدمی کو ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل سکتی تھی۔ پھر ناجیہ آپی ہی کیوں؟ وہ لوگ اگرچہ کم حیثیت نہیں تھے لیکن داؤد سلمان کے ہم پلہ تو ہرگز نہیں تھے۔ پھر انہوں نے ناجیہ آپی کو کیسے پسند کر لیا۔ یقیناً کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ یہ نہ ہو جبیں کی آپی کی طرح میری آپی جی..... اللہ نہ کرے ایسا ہو۔'' وہ اپنے خیال سے خود ہی گھبرا اٹھی۔

''تم کیوں یہاں اسٹیچو بن کے چپک گئی ہو۔ آگے نہیں بڑھنا کیا۔'' الوینہ کی آواز اسے خیالات سے کھینچ لائی۔

''ہوں۔'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''چل بھی پڑو۔'' الوینہ جھنجھلائی۔ تو وہ سنبھل کے آگے بڑھ گئی۔

اسٹیج پہ پہنچ کے اس نے دودھ کا گلاس دولہا کی طرف بڑھایا۔

''ٹیسٹ چیک کر لیں پلیز!'' دولہا کے چیلے اردگرد ہی موجود تھے۔

''آپ کو اپنے وقت پہ ملے گا۔'' مناہل کے ٹکے سے جواب پہ وہ خاصا بدمزہ ہوا تھا۔

''ہم نے پینا نہیں ہے صرف چیک کرنا ہے۔'' کوئی دوسرا مددگار آن ٹپکا۔

''آپ لے لیں۔'' اس سے پہلے کہ معاملہ طول پکڑتا۔ مناہل نے دودھ کا گلاس دولہا کے مزید قریب کر دیا۔ انداز البتہ کافی سنجیدہ تھا۔

داؤد سلمان نے گلاس تھام لیا۔ لڑکے بیچارے دیکھتے ہی رہ گئے۔

''ہاں بھئی جب گلاس تھمانے والے ہاتھ اس قدر خوبصورت ہوں تو کون کافر انکار کر سکتا ہے۔'' دولہا پارٹی میں سے کسی نے سرد آہ بھری تھی۔ مناہل کو اپنی پیشانی جلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''پیسے تو مانگو۔'' شہلا نے اسے پیچھے سے کہنی ماری۔

''تم کیا گونگے کا گڑ کھائے بیٹھی ہو۔'' الوینہ جو اس کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔

''آپی! پیسے تو مانگ لیں ہم نے دودھ مفت تھوڑی پلایا ہے۔'' اسے کس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر نوشابہ بھی بول اٹھی۔

''چلیں داؤد بھائی! بیس ہزار دے دیں آرام سے۔'' آخر کار نوشابہ کو ہی بولنا پڑا تھا۔

داؤد سلمان نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی پھر اپنے والٹ میں سے پانچ، پانچ ہزار کے کتنے ہی نوٹ مناہل کی طرف بڑھا دیئے تھے۔

''اتنی جلدی ہار ماننے کی کیا ضرورت تھی۔'' لڑکے دوسری مرتبہ پھر چلا اٹھے تھے۔

مناہل نے پیسے اس کے ہاتھ سے پکڑے اور ایک لمحے کی تاخیر کیئے بنا اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔

رخصتی کے وقت وہ پھوٹ پھوٹ کے روئی تھی اور تہہ دل سے دعا کی تھی۔ اس کا ہر خدشہ صرف خدشہ ہی نکلے۔ اس کی آپی کو دنیا کی ہر خوشی ملے۔

''یہ کیا بات ہوئی ہم آ رہے ہیں اور تم جا رہی ہو۔'' وہ یونیفارم پہنے کالج جانے کے لئے بالکل تیار تھی جب ناجیہ آپی آن دھمکیں۔

''آپ اتنی صبح صبح کیسے آ گئیں۔'' وہ واقعی انہیں اس وقت دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''داؤد کی میٹنگ تھی آج یہیں۔ میں نے کہا مجھے بھی لیتے چلیں۔ ویسے بھی تم سب سے ملنے کو اتنا دل چاہ رہا تھا۔'' ناجیہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

ان کی شادی کو تین ماہ ہو گئے تھے۔ اس عرصے میں ناجیہ نے بہت کم چکر گھر کے لگائے تھے۔ بقول اس کے ''داؤد گھر میں اکیلے ہوتے ہیں۔ ان کی مصروفیات بے تحاشا ہیں۔ فارغ وقت ہی کم ملتا ہے وہ تو مجھے کہتے ہیں کہ تم اپنے گھر جب دل چاہے چلی جایا کرو۔ لیکن انہیں اکیلا چھوڑ کے آنے میرا دل نہیں چاہتا۔''

''آپی! آپ خوش تو ہیں ناں۔'' مناہل یہ سوال ہر دفعہ اس سے پوچھتی تھی۔

''میں بہت خوش ہوں میری جان! تم میرے لئے فکر مند مت ہوا کرو۔'' ناجیہ محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''پتہ ہے داؤد مجھے کہہ رہے تھے تمہاری بہن مناہل بہت خوش طبع ہے۔ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے وہ مجھ سے کھنچی کھنچی سی رہتی ہے۔ میں نے کیا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ اس لئے مناہل ذرا جھجکتی ہے۔ ویسے بھی آپ کی اس سے اتنی کم تو ملاقاتیں ہوئی ہیں اور تم ولیمے کے بعد ایک مرتبہ بھی میری طرف نہیں آئی۔ حالانکہ نوشابہ کتنی مرتبہ آ چکی ہے۔'' آخر میں انہوں نے شکوہ کیا تو مناہل نے بے ساختہ تشکر بھری سانس خارج کی۔

وہ واقعی ابھی تک داؤد سلمان سے نوشابہ کی طرح فری نہیں ہو پائی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہی تھی وہ اس سے بہت کم دفعہ ملی تھی۔ کیونکہ وہ ہاسٹل میں رہتی تھی اور ایک ماہ بعد گھر آئی تھی۔

''اور ہاں تمہاری وہ اسٹوپڈ سی دوست جبیں والی بات بھی میں نے انہیں بتائی تھی اور تمہارے نادر و نایاب مشورے بھی۔ وہ ہنسے اور

بہت حیران بھی ہوئے کہنے لگے مناہل ایسی لگتی تو نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر خود بھی ہنسنے لگی تھی۔

''آپی!'' مناہل احتجاجاً چلا اٹھی۔

''یہ ہمارا سیکرٹ تھا۔'' اس کی خفگی کی پرواہ کیے بغیر ناجیہ ڈھٹائی سے ہنستی رہی۔

''سنو، داؤد سے مل آؤ۔ انہوں نے جلدی چلے جانا ہے۔'' اسے کھڑا ہوتا دیکھ کر ناجیہ آپی بولیں۔

''وہیں جا رہی ہوں۔'' کالج جانے کا ارادہ تو اس نے ملتوی کر دیا تھا۔ البتہ یونیفارم ابھی چینج نہیں کیا تھا۔ یونہی وہ ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

''آپی! آپ کو خوف نہیں آتا اتنے بڑے گھر میں اکیلے رہتے ہوئے۔'' لنچ کرنے کے بعد وہ ستانے کے ارادہ سے لیٹی تھیں۔ جب مناہل نے اس سے سوال کیا۔

''پہلے پہل آتا تھا، اب تو میں نے بھی اپنے لئے ایکٹویٹیز ڈھونڈ لی ہیں۔''

''داؤد بھائی کے ساتھ آپ بھی پارٹیز وغیرہ میں شرکت کرتی ہیں۔'' رخ اس کی جانب موڑتے ہوئے اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اگر بزنس پارٹیز ہوں پھر تو وہ مجھے نہیں لے کر جاتے البتہ ویسے پارٹیز ہوں یا کہیں فنکشن ہو تو اگر فارغ ہوں تو پھر مجھے لے جاتے ہیں۔''

''ہاں ان کے اپنے لئے تو ماحول سازگار ہی ہوتا ہے۔'' وہ صرف سوچ کے رہ گئی کہہ نہ سکی۔

''جانتی ہو مناہل! میں نے ایک دن تمہارے والے سوال ان سے کیے تھے۔ ابتدا میں مجھے بھی بہت یہ بات کھٹکتی تھی کہ داؤد اتنے خوبصورت ہیں، پڑھے لکھے ہیں، امیر ہیں، پھر انہیں میں ہی کیوں ملی؟'' ناجیہ کی بات پہ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ یہی پھانس تو ابھی تک اس کے دل میں اٹکی ہوئی تھی۔

''وہ کہنے لگے تم پاگل ہو ناجیہ! بھلا قسمت ہم سے پوچھ کے تھوڑی لکھی گئی تھی۔ بس میری قسمت تمہارے ساتھ لکھی ہوئی تھی تو مجھے تم نے ہی ملنا تھا چاہے تم کہیں بھی، کسی بھی حالت میں ہوتی۔ لوگوں کی شادیاں سات سمندر پار کیوں ہو جاتی ہیں کیونکہ قسمت انہیں وہاں کھینچ کے لے جاتی ہے۔ میری قسمت بھی فردوس خالہ کو کھینچ کر ان کی حویلی میں لے گئی تھی۔ دیکھو کتنی آسان سی بات تھی اور تم خوامخواہ پریشان ہوتی رہی۔'' ناجیہ نے مسکرا کے اسے دیکھا تو وہ قائل ہو گئی۔

''واقعی جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ وہ شاید جبیں وغیرہ کے قصے کا زیادہ ہی اثر لے رہی تھی اس لئے اس کی اپنی سوچ بھی ویسی ہو رہی تھی اور اپنی بہن کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ وہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔ اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہوئے وہ شانت ہو گئی تھی۔''

''داؤد بہت اچھے ہیں مناہل! میں دعا کرتی ہوں اللہ تمہیں بھی میرے جیسی قسمت دے۔'' دعائیہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ اللہ اسے اس جیسی نہیں بلکہ اس کی ہی قسمت دے دے گا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بابا جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے نہ اپنے کانوں پہ یقین آ رہا تھا نہ اپنی آنکھوں پہ۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''صبر کرو بیٹا! اللہ کو ہی منظور تھا۔'' بابا جان کا ہاتھ اس کے سر پہ ٹھہر گیا۔ تو جیسے اسے ہوش آیا۔

''یہ..... یہ کیسے ہو گیا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بابا..... جان!'' وہ ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو دی۔ ان کی اپنی آنکھیں برس رہی تھیں۔ لیکن انہیں تو برداشت کرنا تھا۔ اگر وہی

صبر چھوڑ دیتے تو باقی سب کو کس نے سنبھالنا تھا۔

اسے کل شام ہی بابا جان ہاسٹل سے لے کر آئے تھے کہ ناجیہ آپی کی طبیعت اچانک ہی بگڑ گئی ہے۔ وہ افراتفری میں بابا جان کے ساتھ گھر آئی۔ ماما تو پہلے ہی اسلام آباد جا چکی تھیں۔ وہ اور نوشابہ بابا جان کے ساتھ فوراً ہی اسلام آباد چلی گئی تھیں اور یہاں آ کر اسے حقیقت پتہ چلی تھی۔

ناجیہ آپی سیڑھیوں سے اترتے وقت چکر آنے کی وجہ سے سیدھی نیچے آ گری تھیں۔ اس حال میں کہ جب وہ امید سے تھیں۔ مس کیرج تو ہو ہی گیا تھا لیکن ان کی اپنی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ وہ بابا جان کے ہمراہ سیدھی ہاسپٹل ہی پہنچی تھی۔ ساری رات آنکھوں میں کاٹنے کے بعد جو خبر انہیں سننے کو ملی تھی اس نے مناہل کے ساتھ ساتھ سب کو ہی حال سے بے حال کر دیا تھا۔

باقی کس کا کیا حال ہے؟ کون اس غم کو برداشت کر گیا تھا کون غم سے نڈھال تھا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی۔ اسے تو اپنی بھی کچھ خبر نہ تھی۔ آنسوؤں کی چادر آنکھوں کے سامنے ایسی تنی کہ پھر اسے کچھ نظر ہی نہیں آیا۔

گزرتا وقت سب کے زخم ہی مندمل کر دیتا ہے ان لوگوں نے بھی آہستہ آہستہ حالات کے ساتھ سمجھوتا کر لیا تھا۔ مناہل نے دوبارہ کالج جانا شروع کر دیا تھا۔ اب تو نوشابہ بھی کالج میں آ گئی تھی۔ ایگزامز دے کر وہ گھر آ گئی تھی۔ ماما نے صاف منع کر دیا تھا۔ اگر اس نے آگے پڑھنا ہے تو پھر ہاسٹل میں نہیں رہنا۔ وہ ان دونوں کو اب آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھیں۔

زرتاج بیگم اکثر ان کے گھر کا چکر لگا لیا کرتی تھیں۔ کیونکہ واپس حویلی جانے کے بجائے وہ ابھی تک داؤد پیلس میں ہی رہ رہی ہیں۔ پھر ان کی آمد و رفت بڑھنے لگی تھی۔ ناجیہ آپی کی وفات کو پانچ ماہ ہو گئے تھے۔ زرتاج بیگم کے بار بار آنے کا عقدہ مناہل پر کافی دیر بعد کھلا تھا جب ماما نے داؤد سلمان کے متعلق اس سے بات کی۔ اس نے لاکھ انکار کرنا چاہا وہ بھلا ناجیہ کی جگہ کیونکر لے سکتی تھی۔

''آپ میری شادی جہاں مرضی کر دیں لیکن داؤد سلمان سے نہیں۔ میں اس نئے رشتے کو ہرگز نہیں قبول کر سکتی۔'' اس نے بہت لجاجت سے ماما سے کہا تھا۔

''ہماری مرضی تو داؤد سلمان میں ہی ہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے اس نے ناجیہ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ بس اللہ کی مرضی اسی میں تھی وہ اتنی ہی عمر لکھوا کے لائی تھی۔'' ناجیہ کے ذکر پر ماما کی آنکھیں نمناک ہو گئی تھیں۔ یہ سانحہ انہیں اپنی عمر سے دس سال آگے لے گیا تھا۔

''دیکھو بیٹا! یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے ہمارے پیارے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عثمانؓ کو یکے بعد دیگرے اپنی دونوں بیٹیاں دے دی تھیں۔ جب شریعت ہمیں اس چیز کی اجازت دیتی ہے تو پھر اس میں قباحت کون سی ہے؟ ایسی کئی مثالیں تو تم نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی ہوں گی۔ ہم نے کوئی دنیا سے نرالی بات تو نہیں کی اور پھر سب سے بڑی بات کہ وہ لوگ اتنی محبت اور چاہ سے تمہیں مانگ رہے ہیں۔ ہم نے کہیں نہ کہیں تو تمہاری شادی کرنی ہے پھر ہمیں داؤد سلمان سے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' ماما کسی نہ کسی طرح اسے قائل کر لینا چاہتی تھیں۔ وہ قائل ہوئی تھی یا نہیں البتہ خاموش ضرور ہو گئی تھی۔

بعد میں اس نے خوب واویلا کیا تھا۔ لیکن ماما اور بابا کا خیال تھا یہ سب وقتی باتیں ہیں۔ انہوں نے اس کے روشن مستقبل کو دیکھتے ہوئے زرتاج بیگم کو ہاں کہہ دی تھی اور وہ تو جیسے اسی انتظار میں تھیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ داؤد سلمان کے پاس نہیں رہ سکتی تھیں۔ انہیں واپس حویلی جانا

تھا۔ جہاں ان کی بیوہ بہو اپنے دو بچوں کے ساتھ رہائش پذیر تھی اور پھر سارے معاملات آناً فاناً ہی طے ہو گئے تھے۔ نتیجتاً آج اس کے ہاتھوں پہ داؤد سلمان کے نام کی مہندی لگی تھی۔

مناہل کی آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگی تھیں۔ آج کی ساری رات اسے ماضی کریدنے میں گزر گئی تھی۔ دور کہیں سے اذانوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر وضو کرنے کے لئے چل دی۔ کہ اب آخری مرتبہ رو کے اپنے اللہ کے سامنے اس نے اپنے سارے درد بہانے تھے۔

ریڈ کلر کے لہنگے میں وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ دائیں بائیں لڑکیوں کے ہمراہ اسے آتا دیکھ کر داؤد سلمان بے اختیار ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اسے ہرگز یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی مناہل ہے جو ینگ سی کالج گرل ہے۔ ابھی وہ اسے ڈھنگ سے دیکھ بھی نہ پایا تھا کہ اسے اس کے پہلو میں لا کر بٹھا دیا گیا تھا۔

''یو آر ویری لکی داؤد سلمان!'' ان دونوں کی جوڑی دیکھتے ہوئے ثمین نے کہا تھا۔

ثمین بھی ان کے ساتھ بارات میں شامل تھی۔ وہ چند دن پہلے ہی داؤد سلمان کے پاس گئی تھی اور اپنے گزشتہ رویے پہ معافی مانگی تھی۔ کیونکہ کل شام کی فلائٹ سے وہ اسٹیٹس جا رہی تھی۔ جہاں وہ گزشتہ ایک سال سے مقیم تھی۔ داؤد سلمان نے اس کے دلی ارادے سے قطعی بے خبر اسے معاف کر دیا تھا۔ اسے ہرگز علم نہیں تھا یہ معافی اسے کس قدر مہنگی پڑنے والی ہے اور پھر ثمین نے ہی جلدی جلدی کا شور مچا کے رخصتی کروا ڈالی تھی۔ سارا سفر بھی اس نے مناہل اور داؤد سلمان کے ہمراہ طے کیا تھا۔ سارا راستہ وہ خود بھی بولتی رہی تھی اور داؤد سلمان کو بھی بولنے پہ مجبور کرتی رہی تھی۔ مناہل کو بھی اس نے کئی بار مخاطب کیا تھا لیکن مناہل نے مروتاً بھی جواب دینا گوارا نہیں کیا تھا۔

''تم تھک گئی ہو گی مناہل! ایزی ہو کے بیٹھ جاؤ۔'' چند رسموں کے بعد اسے داؤد سلمان کے کمرے میں پہنچایا گیا تھا۔ داؤد کی رشتہ دار اسے کمرے تک چھوڑنے آئی تھیں۔ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ چلی گئی تھیں۔ جب کہ ثمین ابھی تک اس کے پاس تھی۔

''یہ موقع تو نہیں ہے تم سے ایسی باتیں کرنے کا۔ لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں کل کی فلائٹ سے اسٹیٹس جا رہی ہوں اور جانے سے پہلے چند ضروری باتیں تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔ کیونکہ تمہاری زندگی کا معاملہ ہے۔'' اس کی مبہم گفتگو پہ مناہل پہلی دفعہ چونکی تھی۔

''جب داؤد سلمان کی پہلی شادی ہوئی تھی اس وقت میں یہاں نہیں تھی اس لئے اس کی شادی میں شرکت نہ کر سکی۔ لیکن خیر.....'' اس نے کچھ دیر توقف کیا پھر گویا ہوئی۔

''میں نے اور داؤد سلمان نے ماسٹرز اکٹھے کیا ہے تعلیم کے دوران ہی ہماری دوستی کا آغاز ہوا اور یہ دوستی آہستہ آہستہ محبت میں تبدیل ہو گئی اور پھر یہ محبت شدت اختیار کرتی گئی۔ ایک دن داؤد سلمان نے مجھے پرپوز کر دیا۔ اس نے میری خوشی کی انتہا نہیں تھی اور ہونی بھی نہیں چاہیے تھی آخر داؤد سلمان جیسے شخص نے مجھے پرپوز کیا تھا۔ خیر ہم دونوں نے اس بات پہ اکتفا کر لیا کہ ماسٹرز کے فوراً بعد شادی کر لیں گے۔ وقت کچھ آگے سرکا تو مجھے داؤد سلمان کی حرکات کے بارے میں سن گن ملنے لگی پہلے پہل تو میں نے یقین نہیں کیا۔ لیکن پھر میں نے ان باتوں کی تصدیق کروانی چاہی تو میری حیرت کی انتہا اس وقت نہ رہی جب وہ باتیں سو فیصد درست نکلیں۔ وہ ایک برے کردار کا شخص تھا بلکہ ابھی بھی ہے ..... ڈرنک وہ ایسے کرتا ہے جیسے کوئی پانی کا

استعمال کرتا ہے۔ عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے "ممنوعہ جگہ" پہ جانا اس کی دل پسند ہابی ہے اور پھر سونے پہ سہاگہ یہ کہ وہ چوہدری ٹائپ بندہ ہے۔ ہفتے دس دن بعد ایک چکر اپنی حویلی کا بھی لگا آتا ہے۔ وہاں بھی اس کی عیاشی کا ہر سامان مہیا ہے اور پھر وہ تو اپنا گاؤں ہے اپنی زمینیں ہیں نئے سے نیا ماڈل دستیاب ہے وہاں۔ اس کی ماں اور بھابھی سے ہی شادی کرنا چاہی تھی لیکن وہ بیچاری بھولی سی عورت تھیں انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن داؤد سلمان کے عزائم سے واقف نہیں تھیں۔ بلکہ اسے اس کی ہمدردی قرار دیا۔ اب بھی وہ حویلی والوں کو اپنے پاس رکھ کر راضی نہیں، حالانکہ اس کا بھتیجا، بھتیجی اتنا اصرار کرتے ہیں کہ وہ پڑھائی کی خاطر اسلام آباد آنا چاہتے ہیں۔ لیکن داؤد نہیں مانتا۔ آخر کو پول کھلنے کا خطرہ ہے۔ ناجیہ سے میں ملی تو نہیں۔ لیکن مجھے پتہ چلا ہے وہ بھی بہت معصوم تھی۔ شوہر کی "رنگین مصروفیات" کو بزنس کی مصروفیات سمجھتی رہی۔ خیر..... جب ان باتوں کا مجھے علم ہوا تو میں نے اول تو اسے روکنے کی کوشش کی اور جب اس نے میری نہیں مانی تو میں نے دوستی کا رشتہ بھی ختم کر لیا۔ کیونکہ داؤد سلمان کی نظر میرے ڈیڈی کی دولت پر تھی۔ بعد میں اس نے مجھے کافی فورس کیا۔ دھمکیاں بھی دیں اور حیرت انگیز بات یہ کہ شادی بھی نہیں کی۔ پھر میں تو ایک سال پہلے بیاہ کے اسٹیٹس چلی گئی اور ایک ماہ بعد ہی داؤد نے بھی شادی کر لی۔ ناجیہ کی وفات کے چند دن بعد ہی میرا آنا پاکستان ہوا اور مجھے یہ دیکھ کر انتہائی افسوس ہوا کہ داؤد سلمان کی عادات ویسی کی ویسی ہیں۔ اس نے پھر مجھے پرپوز کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اپنے شوہر سے جھگڑ کر آئی ہوں۔ جو ہوا سو ہوا میں نے یہ باتیں اس لئے تمہیں بتائی ہیں کہ تم اپنے لئے کوئی بہتر راستہ تلاش کر سکو۔ ہو سکے تو داؤد سلمان کو ہی راہ راست پر لے آؤ۔ ورنہ اپنی زندگی برباد مت کرنا۔"

"بشین آپی! اور کتنا انتظار کروائیں گی چاچو کو۔" ثومی نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو بشین مناہل کا گال تھپتھپاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ چند لمحوں بعد ہی داؤد سلمان اندر داخل ہوا تھا۔

"صحیح کہا تھا اماں جان نے رشتے کی نوعیت بدل جائے تو احساسات خود بخود ہی بدل جاتے ہیں۔" مناہل کے عروسی سنگھار کو دیکھ کر جس طرح اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی اس پہ وہ خود بھی حیران ہوا تھا، حالانکہ وہ اس اسٹیج سے پہلے بھی گزر چکا تھا۔

جب کہ دوسری طرف مناہل کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ اتنی باہمت اور باحوصلہ ہرگز نہیں تھی کہ اتنے سارے انکشافات کو ایک دم ہی سہہ جاتی۔ اس کا پورا وجود ہی جھٹکوں کی زد میں تھا۔

داؤد سلمان نے کئی دفعہ اسے پکارا لیکن جواب ندارد کسی خدشہ کے پیش نظر اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سہلانا چاہا تھا جواباً وہ پوری کی پوری اس پہ آن گری تھی۔ پہلے تو وہ سٹپٹایا تھا پھر وہ گھبرا گیا۔ کیونکہ مناہل اسے اپنے ہوش و حواس میں محسوس نہیں ہوئی تھی اور اس کا خدشہ درست نکلا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اسے احتیاط سے بیڈ پہ لٹاتے ہوئے وہ باہر کی طرف لپکا۔

"بے ہوش تو تمہیں ہونا چاہیے تھا داؤد سلمان! اتنا حسن اپنی ملکیت میں دیکھ کر، الٹا تم نے اسے بے ہوش کر دیا۔" ڈاکٹر نثار کافی مزاحیہ طبیعت کے تھے۔ مناہل کو چیک کرتے ہوئے انہوں نے ماحول پہ چھائی کثافت کو کم کرنا چاہا تھا۔

اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے وہ مسکرائے تھے لیکن داؤد باوجود کوشش کے مسکرا نہ

''ڈونٹ وری بیٹا مین! تھکاوٹ، نیند کی کمی اور ٹینشن کی وجہ سے یہ نتیجہ نکلا ہے۔ میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ صبح یہ اٹھے گی تو بالکل فریش ہو گی۔'' اس کی پریشان صورت دیکھ کر ڈاکٹر نثار نے اسے تسلی دی۔

''نظر لگ گئی ہے میری بیٹی کو۔'' زرتاج اس کے سرہانے بیٹھیں قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھیں۔ البتہ کچھ فاصلے پہ کھڑی ثمین کے چہرے پہ فاتحانہ مسکراہٹ تھی جسے کوئی بھی محسوس نہ کر سکا۔

تیسرے دن وہ داؤد پیلس لوٹی تھی۔ اس کا دل تو ابھی بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن مجبوری تھی۔ آنا تو تھا ہی۔ سو چار و ناچار اسے آنا ہی پڑا۔ زرتاج بیگم تو اس کے آنے کے انتظار میں تھیں۔ جیسے ہی داؤد پیلس میں آئی۔ زرتاج بیگم گاؤں جانے کے لئے فوراً تیار ہو گئیں۔ اس نے لاکھ روکا لیکن وہ جلد آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔

''چھ مہینے سے یہاں آ کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ پیچھے کی بھی کوئی خیر خبر لوں، بس مجھے داؤد کی طرف سے پریشانی تھی۔ اس کا بھی گھر بس گیا ہے۔ اللہ تمہیں خوشیاں اور برکتیں دے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' جاتے وقت وہ اس کا ماتھا چوم کر بولی تھیں۔

اتنا بڑا محل نما گھر تھا اور مناہل کو سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ یہاں کیا کرے۔ ملازم بھی گنے چنے تھے۔ ایک چوکیدار اور اس کی بیوی جو کھانا وغیرہ بنا لیتی تھی اور باہر کے کام کاج کے لئے ایک ملازم شریف تھا۔ یہ تینوں ملازمین گاؤں سے ہی آئے تھے۔ یہ ساری معلومات اسے شریف نے دی تھی۔ وہ خاصا باتونی تھا۔

''یا اللہ! میرا تو یہاں ایک دن نہیں گزر رہا ساری عمر کیسے گزرے گی۔'' اس نے بے بسی سے سوچا۔

اور اس کی ذہنی روح بھٹک کے ایک مرتبہ پھر داؤد سلمان کی طرف چلی گئی۔ ان تین دنوں میں وہ اس شخص کو اتنا سوچ چکی تھی کہ اب اسے ایسے لگ رہا تھا۔ اس بارے میں سوچنے کو کچھ رہا ہی نہیں وہ ہر اس پہلو پر سوچ چکی تھی جو اسے داؤد سلمان سے دور رکھ سکتا تھا۔ وہ اس شخص کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کجا کہ ساری عمر اس کے ساتھ گزارنا۔

''کیسا گزرا آج کا دن؟'' داؤد سلمان عشاء سے کچھ دیر پہلے لوٹا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی بے دلی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ پروین (چوکیدار کی بیوی) بھی اس کے اکیلے ہونے کے خیال سے ابھی تک اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ مناہل نے جواب دینے کی بجائے صرف سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے۔'' اس نے ایک اور سوال داغا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس دفعہ اس نے دو الفاظ ادا کر ہی دیئے تھے۔

''میں نے کوشش تو کی تھی جلد آنے کی لیکن ایک ضروری کام میں پھنس گیا اسی وجہ سے لیٹ ہو گیا۔'' اس کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔

''خوب علم ہے مجھے تمہارے ضروری کاموں کا۔'' مناہل نے کلس کے سوچا۔

''تمہارے اکیلے ہونے کی بھی مجھے فکر ہو رہی تھی۔ یہاں پر ملازموں کی بھی کوئی فوج نہیں۔ دراصل مجھے زیادہ بھیڑ بھاڑ پسند نہیں ہے۔'' وہ خود بھی کم گو تھا۔ لیکن اس کی جھجک دور کرنے کے لئے وہ خود ہی بول رہا تھا۔ لیکن مناہل بولنے کی بجائے صرف اسے سننے پہ ہی اکتفا کر رہی تھی۔

زنک کلر کے پرنٹڈ سوٹ میں وہ کہیں سے بھی نئی نویلی دلہن نہیں لگ رہی تھی۔ بالکل سادہ سا حلیہ، شادی سے پہلے وہ چند ایک بار اس سے

ملا تھا۔ اس وقت بھی وہ سادہ سے حلیے میں ہی ہوتی تھی البتہ ایک شوخ سا تاثر اس کے چہرے موجود رہتا تھا جو اس وقت ندارد تھا۔ اس کی خاموشی کو داؤد نے اس کی طبیعت کی خرابی پر محمول کیا تھا۔

''کھانا لگ گیا ہے صاحب جی!'' پروین نے اندر آ کر اطلاع دی تو وہ اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''آؤ مناہل! پہلے کھانا کھا لیں۔'' وہ اس سے مخاطب ہوا تو بھوک نہ ہونے کے باوجود وہ اٹھ کے ڈائننگ ٹیبل تک آ گئی۔

ڈنر کے دوران بھی داؤد نے اس سے ادھر ادھر کی باتیں کی تھیں۔ جس کا جواب اس نے صرف ہوں ہاں میں دیا تھا۔ اس کی خاموشی کو داؤد سلمان نے بہت محسوس کیا تھا۔

داؤد سلمان نے احتیاطاً اپنا بیڈ روم چینج کر لیا تھا۔ اگرچہ مناہل یہاں ایک دو دفعہ ہی آئی تھی۔ پھر بھی داؤد سلمان نے ممکنہ کوشش کی تھی ماضی کی کوئی بات اسے ناجیہ کے حوالے سے دکھ نہ پہنچائے داؤد سلمان کے بیڈ روم کے ساتھ ہی ایک اور بیڈ روم بھی تھا۔ زرتاج بیگم جب داؤد پیلس آتی تھیں تو یہیں اس کمرے میں ہی قیام کرتی تھیں۔ مناہل نے بھی اس روم کو اپنے لئے منتخب کیا تھا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' کھانے کے دو، چار لقمے ہی اس نے زہر مار کئے تھے اور نیند کا بہانہ کر کے کھڑی ہو گئی۔ اپنے لئے منتخب کردہ کمرے میں پہنچ کے اس نے بستر سیٹ کیا۔ لائٹ آف کی اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔ داؤد سلمان اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرتا ہے اسے قطعاً کوئی پرواہ نہیں تھی۔

''مناہل! اگر تمہیں کوئی پرابلم ہے تو تم بلا جھجک مجھ سے شیئر کر سکتی ہو، میں ممکن حد تک اسے سولو کرنے کی کوشش کروں گا۔'' تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا تھا مناہل کو داؤد پیلس آئے ہوئے۔ لیکن اس کا خاموش انداز ہنوز برقرار تھا۔ وہ صرف اشد ضرورت کے وقت داؤد سلمان کو مخاطب کرتی تھی حالانکہ وہ اس کی پکار کا منتظر رہتا تھا لاشعوری طور پر۔

یہ ٹھیک تھا کہ اس نے ابتداء میں زرتاج بیگم کے کہنے پر بلکہ ان کے اصرار پر اس شادی کے لئے حامی بھری تھی لیکن نجانے وہ کون سی قسم کے جذبات محسوس کرتا تھا۔ جو اس کو مناہل کے بہت قریب کر دیا تھا۔ مناہل کے لئے اس کا دل کچھ اس قسم کے جذبات محسوس کرتا تھا۔ جو اس نے کبھی ناجیہ کی رفاقت میں بھی محسوس نہیں کئے تھے۔ حالانکہ اسے ناجیہ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پتہ نہیں کیوں جو شدت اسے مناہل کے لئے محسوس ہو رہی تھی وہ کبھی کسی اور کے لئے نہیں ہوئی تھی۔ باوجود اس کے مناہل اس سے اکھڑی اکھڑی رہتی تھی۔

''تم ایک چھ فٹ کی چلتی پھرتی پرابلم ہو۔ داؤد سلمان!'' مناہل صرف سوچ کے رہ گئی۔

''کیا مجھ سے کوئی شکایت ہے؟'' وہ اب اس کے مقابل آن کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا تم اس شادی سے ناخوش ہو۔'' حتمی نتیجہ اس نے ہی نکالا تھا۔

''اب اس بحث سے کیا فائدہ۔'' وہ تلخی سے گویا ہوئی۔ اک سایہ سا داؤد سلمان کے چہرے پہ آ کر گزر گیا۔

''اس کا مطلب ہے میرا اندازہ درست ہے۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں مناہل! آخر تم ایک جیتی جاگتی لڑکی ہو۔ تمہارے بھی کچھ خواب ہوں گے۔ مگر یقین جانو، اللہ نے خود ہی میرے دل کو

تمہاری طرف ایسا پھیر دیا ہے کہ اب اس دل میں ہر طرف تمہاری محبت ہی نظر آتی ہے اپنا آپ بھی پس منظر میں محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ یقیناً قسمتوں کے کھیل ہیں۔ اس میں کوئی اختیاری عمل دخل نہیں۔'' وہ بڑے جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔

''لیکن اپنے دل میں آپ کے لئے کوئی ایسا جذبہ محسوس نہیں کرتی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''محبت اپنا آپ خود ہی منوا لیتی ہے۔'' اس نے اپنی نرم نگاہیں اس کے چہرے پہ ٹکا دیں۔

''میں مرد ذات پہ بھروسہ نہیں کرتی۔''

''مجھ پہ کر کے دیکھ کبھی پچھتانے کا موقع نہیں دوں گا۔''

''اور تھوڑی ہیں آپ پر اعتماد بھروسہ کرنے والے۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

''ان میں تم تو یقین ہو۔'' داؤد سلمان نے سہولت سے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبایا۔ مناہل نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا۔ لیکن مقابل کی گرفت مضبوط تھی وہ کسمسا کر رہ گئی۔

اس کا خفا خفا سا انداز بالکل بچوں جیسا تھا۔ جیسے کسی بچے کا من پسند کھلونا اس سے چھین لیا گیا وہ۔ داؤد سلمان کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

''میں کوشش کروں گا تمہاری مس انڈر اسٹینڈنگ جلد ختم ہو جائے۔'' اس کی اتنی قربت پہ ہی وہ بوکھلا کے رہ گئی تھی۔

''خدا حافظ کہنے گیٹ تک نہیں آؤ گی۔'' اس کا گھبرایا گھبرایا انداز داؤد سلمان کو مزہ دے گیا تھا۔

''مجھ سے یہ چونچلے نہیں ہوتے۔'' وہ چڑ کے بولی۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی وہ ہاتھ چھڑا کے فوراً پیچھے ہٹی تھی۔ وہ اس وقت آفس جانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔

''شوہر ہونے کے ناطے اتنی رعایت تو ملنی چاہیے مناہل داؤد!'' اس نے جان بوجھ کر اس کے نام کے ساتھ اپنا نام لگایا تھا۔

''آگے آپ کے ساتھ ''رعایت'' کرنے والی کیا کم ہیں۔''

''یقین جانو تمہاری جیسی کوئی بھی نہیں۔'' وہ اسے دیکھ کر شرارت سے بولا تھا تو وہ تپ گئی۔

''مجھ جیسی آپ کو ملے گی بھی نہیں۔''

''مجھے تم جیسی چاہیے بھی نہیں مجھے تم ہی چاہیے اور دیکھ لینا ایک نہ ایک دن میں تمہارے دل میں سب سے بلند مقام پالوں گا۔'' باوثوق لہجے میں کہتے اس نے بریف کیس اٹھایا اور اسے ''خدا حافظ'' کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''ہوں، غلط فہمی، میں ناجیہ نہیں مناہل ہوں۔'' وہ اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے بڑبڑائی۔

آج وہ آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا۔ اس کی اور مناہل کی آج دعوت تھی۔ مناہل کی بیزاریت محسوس کرتے ہوئے داؤد سلمان نے خود دعوتوں وغیرہ کا سلسلہ نہیں چھیڑا تھا اور خود اس کی مصروفیت بھی اسے اجازت نہیں دیتی تھی۔ لہٰذا وہ ان چکروں میں پڑا ہی نہیں تھا۔ لیکن اس کے دوست فیاض نے اصرار ہی اتنا کیا تھا کہ اسے ہاں کرتے ہی بنی۔

مناہل کو وہ صبح ہی تیار ہونے کی تاکید کر کے گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اس کے ارادوں سے بے خبر تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلنے پہ تیار ہوتی ہے بھی یا نہیں۔ پھر بھی اسے امید تھی کہ وہ اس کی بات مان لے گی۔ گاڑی پورچ میں کھڑے کر کے وہ سیدھا اندر کی طرف بڑھا تھا۔

''پروین! آج تم جلدی چلی جانا ہم ڈنر پر جا رہے ہیں۔'' وہ سامنے ہی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے دکھائی تھی پروین کو ہدایت کرتے

ہوئے۔ باریک فان کلر کا سوٹ جس پہ میرون اسٹائلش سا کام بڑی نفاست سے کیا گیا تھا۔ زیب تن کیے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ہم رنگ میک اپ اور جیولری نے اس کے حسن کو مزید دو آتشہ کر دیا تھا۔ داؤد سلمان کو دیکھ کر وہ بھی ٹھٹھک کر سیڑھیوں پہ ہی رک گئی۔

''اچھا ہوا تم تیار ہو گئی۔ بس دس منٹ انتظار کرو۔ میں فریش ہو کے ابھی آیا۔'' اس کا دل تو چاہ رہا تھا کوئی شوخ جملہ اس پہ اچھال دے۔ لیکن اس کے موڈ کے بگڑنے کے خیال سے وہ اپنی خواہش کو دبا گیا اور اسی طرح اسے سارا رستہ خود پہ صبر و ضبط کرنا پڑا تھا۔ اتنا تحمل بھی اسے محبت نے سکھایا تھا۔

''بھابھی! آپ ہی اسے لگام ڈالیں۔ ہر وقت دماغ کھپانا اس نے اپنی ہابی بنا رکھا ہے۔ میری مانیں تو اسے گھر داری سکھائیں۔'' فیاض اور اس کی بیوی دونوں ہی ہنس مکھ طبیعت کے تھے ان کی باتوں نے مناہل کو بھی مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

''لگتا ہے ثناء بھابھی نے آپ کو خوب گھر داری سکھائی ہے۔'' وہ اتنے خلوص سے اس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے ازارہ مروت اسے بھی گفتگو میں حصہ لینا پڑا۔

''بالکل آج کے ڈنر کی سب ڈشز میں نے ہی بنائی ہیں۔'' وہ شرمندہ ہوئے بغیر ڈھٹائی سے بولا۔

''ان کی باتوں پہ مت جانا مناہل! یہ شیخ چلی کی نسلی سے ہیں۔ شیخیاں بگھارنے میں لاثانی!'' ثناء کی بات پہ فیاض نے مصنوعی حیرت سے دیکھا۔

''تم میری نسل کو کیسے جانتی ہو۔''

''آپ کو جان لینا ہی بڑی بات ہے۔'' ثناء مسکراتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل پہ برتن سیٹ کرنے لگی وہ سب بھی ڈائننگ روم میں پہنچ چکے تھے۔

''اب ہمیں تو علم نہیں تھا کہ آپ کو کون سی ڈشز پسند ہیں لہٰذا ہم نے اپنی ہی من پسند ڈشز بنا لی ہیں۔ امید ہے آپ کو پسند آئیں گی۔ آپ کو نہ بھی آئیں تو کوئی بات نہیں کیونکہ ہمیں تو وہ بہت پسند ہیں۔'' فیاض کی زبان خاموش رہ جائے یہ کہاں لکھا تھا۔

''پھر تو تم نے اپنی دعوت کی ہماری تو نہ کی۔'' داؤد سلمان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''سمجھ دار تو تم شروع سے ہو بس ایک معاملے میں مات کھا گئے ہو۔'' فیاض نے خاصے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

''وہ کون سا معاملہ ہے؟'' ثناء بھی فیاض کے برابر والی کرسی پہ بیٹھ چکی تھی۔ اس لئے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

''تھی ایک حسینہ، مہ جبینہ، ثمین پر برا ہوا بیچاری کے ساتھ۔'' فیاض نے آنکھوں میں شرارت بھر کے داؤد سلمان کی جانب دیکھا۔ ثمین کے نام پہ مناہل کے کان فوراً کھڑے ہوئے تھے۔

''اس کا یہاں کیا ذکر۔'' داؤد سلمان کے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔

''ہاں لڑکیوں کی حیثیت تو تمہارے نزدیک ٹشو پیپر کی سی ہے۔ جب تک زیر استعمال ہے اہمیت کے قابل ہے۔ ضرورت ختم تو اہمیت ختم، بات ہی ختم۔'' داؤد سلمان کے لہجے میں بیزاریت محسوس کر کے مناہل نے تاسف سے سوچا۔

''ایکسکیوز می! یہاں مبہم باتیں نہیں ہوں گی جب کہ یہاں دو عدد لیڈیز موجود ہیں۔'' ثناء نے چمچ بجاتے ہوئے انہیں تنبیہ کی تھی۔

''یار! یہ بیویوں میں جیلس ہونے والی عادت بہت بری ہے۔'' فیاض کا انداز سراسر

چڑانے والا تھا۔
''بیویوں.....'' ثناء نے آنکھیں نکالیں تو فیاض ہنسنے لگا۔
پورے ڈنر میں دونوں میاں بیوی یونہی ایک دوسرے پہ فقرے اچھال کے ماحول کو خوشگوار بناتے رہے تھے۔ شکر تھا کہ وہ دونوں خود ہی بہت باتونی تھے اس لئے ان دونوں کی خاموشی انہیں زیادہ محسوس نہیں ہوئی۔
''آپ ضرور آیئے گا ہماری طرف اور آج کے ڈنر کے لئے بھی بہت بہت تھینکس بہت انجوائے کیا میں نے۔'' واپسی پہ الوداعی کلمات کہتے ہوئے مناہل پورے خلوص سے بولی۔
وہ واقعی ایک ہی طرح کے دن گزارتے ہوئے جمود کا شکار ہو گئی تھی۔ آج باہر نکلی تھی تو طبیعت بھی قدرے خوشگوار ہو گئی تھی۔ پھر فیاض اور ثناء کی ہنس مکھ اور بذلہ سنج عادت نے اس کی بیزاریت کو بھی خاصا کم کر دیا تھا۔
''لگتا ہے مکھن آج کل سستا ہو گیا ہے۔'' فیاض نے سر کھجاتے ہوئے مناہل کو دیکھا۔
''اوں..... ہوں..... میں مکھن اور خلوص میں سو فیصد امتیاز کر سکتی ہوں۔'' مناہل کو گلے لگاتے ہوئے ثناء محبت سے بولی۔
''ہم ضرور آئیں گے۔ انشاء اللہ!'' جب تک وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ نہ گئے۔ فیاض اور ثناء وہیں کھڑے رہے۔
''لگتا نہیں ہے کہ آپ کے دوست ایسے بھی ہوں گے۔'' وہائٹ مرسڈیز تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ مناہل کی بات پہ داؤد سلمان نے خوشگوار حیرت آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔
شاہد پہ پہلی مرتبہ اس نے داؤد سلمان کو خود سے مخاطب کیا تھا۔
''دوستوں کو چھوڑو، اگر تمہیں میری گزشتہ عادات کے متعلق پتہ چلے تو شاید تم یقین ہی نہ کرو۔'' وہ بڑے خوشگوار لہجے میں بولا۔
''اب تو ایسا نہیں لگتا۔'' کندھے اچکاتے ہوئے اس نے رائے ظاہر کی اور یہ بات واقعی صحیح تھی۔ اس نے جب سے اسے دیکھا تھا یونہی سنجیدہ اور بارعب سا دیکھا تھا۔ صرف ضرورت کے تحت مسکرائے ہوئے۔
''بات تو صرف محسوس کرنے کی ہے مناہل! تم ایک دفعہ اس احساس کو چھو کر تو دیکھو، محبت و عزت کا ہر رنگ تمہیں یہاں ملے گا۔ داؤد سلمان تمہیں کبھی بھی مایوس نہیں ہونے دے گا۔'' اسے نگاہوں میں سموتے ہوئے وہ بڑے جذب سے کہہ رہا تھا۔
اس کی گہری نظروں اور گہرے لہجے پہ مناہل بری طرح سٹپٹائی تھی۔ کوئی بھی جواب دینے کی بجائے وہ خود کو لاتعلق ظاہر کرتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔
''کب تک نگاہ چراؤں گی مناہل داؤد! ایک نہ ایک تمہیں میری محبت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑیں گے اور مجھے اس دن کا پوری شدت سے انتظار ہے۔'' اسٹیرنگ پہ اپنے ہاتھوں کی گرفت کو مزید مضبوط کرتے ہوئے داؤد سلمان نے خود سے کہا تھا۔

نوشابہ کا فون آیا تھا۔ ماما کی طبیعت کافی خراب تھی۔ وہ اپنا سارا غصہ بھول بھال کر ان سے ملنے کے لئے بے چین ہو گئی۔ انہوں نے اگرچہ مناہل سے بات کر کے اسے کافی تسلی دی تھی کہ وہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ مان کے نہیں دی۔ اب اس کا دل چاہ رہا تھا۔ اڑ کر گھر پہنچ جائے وہ خود ہی اتنا اداس ہو گئی تھی۔
داؤد سلمان جیسا بھی شخص تھا کم از کم اس

کے گھر والے اسے اچھا ہی سمجھتے تھے اس کی برائی کا پہلو ان کے سامنے نہیں آیا تھا۔ خود مناہل کے سامنے بھی نہیں آیا تھا اگر تمین اسے آگاہ نہ کرتی تو اس سارے قصے میں اس کے ماما اور بابا جان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اگر انہیں داؤد سلمان کے کردار کے متعلق کوئی بات پتہ چل گئی تو اس کی حیثیت داؤد پیلس میں قطعاً وہ نہ ہوتی جو اس وقت ہے۔ یہی وہ حکمت عملی تھی جس پر مناہل نے خود کو سمجھا لیا تھا۔

وہ داؤد کے آنے کی منتظر تھی تا کہ اس سے اجازت لے کر گھر جا سکے جب کہ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ آج وہ معمول سے کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گیا تھا۔ مناہل نے پروین کو تو کوارٹر میں بھیج دیا تھا۔ البتہ شریف بیچارہ کارپٹ پہ بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

اللہ اللہ کر کے اس کی آمد ہوئی تھی۔ شریف بھی اٹھ چکا تھا اور اب ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا لگا رہا تھا۔ ڈنر اور ناشتہ وہ ہمیشہ گھر پہ مناہل کے ساتھ ہی کرتا تھا۔

''آج میں کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گیا۔'' ڈائننگ ٹیبل کی چیئر گھسیٹتے ہوئے وہ بولا۔ دیر ہو جانے کی وجہ سے اس نے کپڑے پہ تبدیل نہیں کیئے تھے اور یونہی کھانے کی میز تک آ گیا تھا۔

''آپ اکثر و بیشتر اسی ٹائم پہ آتے ہیں۔'' وہ بھی اس کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

''تم اگر میرے بغیر اداس ہو جاتی ہو تو میں جلد آ جایا کروں گا۔ بلکہ تم کہو تو میں سرے سے آفس ہی نہیں جاتا۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''شریف! تم چلے جاؤ۔ میں خود ہی برتن اٹھا لوں گی۔'' اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے وہ خوامخواہ ہی شریف سے مخاطب ہوئی۔

داؤد سلمان اس کے انداز پہ مسکراتے ہوئے پلیٹ پہ جھک گیا۔ وہ اگر مذاق میں بھی کوئی ذو معنی بات کہہ دیتا تھا تو اس کا ردعمل ایسا ہی ہوتا تھا۔

''کچھ کہنا ہے؟'' وہ کافی دیر سے نوٹ کر رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہے۔ پر سوچ نگاہیں اس پہ جماتے ہوئے وہ کچھ کہنے لگتی تھی۔

''جی۔'' وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

''ایسا کرو پہلے اسٹرانگ سی چائے پلواؤ لاؤنج میں لے آنا میں وہیں بیٹھا ہوں۔'' وہ اٹھ کر نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے ہدایت دے کر لاؤنج میں چلا گیا۔

''اف..... ایک تو پرسنالٹی ایسی ہے بندہ خوامخواہ رعب میں آ جاتا ہے۔'' اس کے جاتے ہی مناہل نے کلس کر سوچا۔

چائے لے کر جب وہ لاؤنج میں آئی تو وہ ٹی وی پہ کوئی جیوگرافک پروگرام دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے ٹی وی کا والیوم خاصا کم کر دیا تھا۔ مناہل نے چائے کا کپ اسے پکڑانے کی بجائے سامنے ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔

''تم چائے نہیں پیو گی۔'' ایک ہی کپ دیکھ کر داؤد سلمان نے استفسار کیا۔

''نہیں، میں رات کو چائے نہیں پیتی۔'' جواب دینے کے ساتھ ہی اس نے وجہ بھی بتا دی تھی مبادا وہ ''کیوں'' کا سوال نہ کر دے۔

''وہ میں دراصل.....''

''بیٹھ جاؤ، بیٹھ کر بات کر لو۔'' وہ اسے ٹوک کر بولا۔ تو مناہل اس سے کوئی فاصلے پہ رکھے ہوئے صوفے پہ ٹک گئی۔ ایک تو اتنی رات اوپر سے تنہائی، مناہل اچھا خاصا گھبرا گئی تھی۔ جو چند ایک ملازم تھے۔ وہ بھی اپنے اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے۔ داؤد سلمان نے اس کی حرکت بطور خاص نوٹ کی تھی۔

''وہ..... آج نوشابہ کا فون آیا تھا ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو مجھے گھر جانا ہے صبح۔''

انگلیاں مروڑتے ہوئے اس نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

میری آج دوپہر میں ہی ان سے بات ہوئی ہے۔ بلکہ اکثر و بیشتر میری ان سے بات ہوتی رہتی ہے۔'' وہ اس کی بے یقین آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

''لیکن مجھے جانا ہے۔ میں ان کے بغیر اداس ہوگئی ہوں۔''

''اور تمہارے بغیر داؤد سلمان اداس ہو جائے گا۔'' وہ بھی اسے تنگ کرنے کے موڈ میں آ گیا۔

''پہلے بھی تو میرے بغیر ہی رہتے تھے۔'' حسب توقع وہ چڑ گئی تھی۔

''پہلے کی بات بھی اور تھی۔''

''تو اب کون سا میں آپ کے ساتھ ساتھ رہتی ہوں۔'' جھنجھلاہٹ میں اس کے منہ سے پھسل گیا۔

''ساتھ ساتھ نہیں رہتی تو کیا ہوا آس پاس تو رہتی ہو ناں۔'' وہ بھی اپنے موقف پہ ڈٹا ہوا تھا۔

''تو آپ مجھے نہیں جانے دیں گے۔'' اس کی جھنجھلاہٹ اب غصے میں بدلنے لگی تھی۔

''میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔'' مزے سے چائے کے سپ لیتے ہوئے وہ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''پھر میں چلی جاؤں صبح۔''

''چلی جانا، لیکن پہلے مجھے ایک بات کا جواب تو دو۔'' وہ جو اس کا پہلا جملہ سن کے اٹھنے لگی تھی۔ اگلا جملہ سن کے دوبارہ وہیں بیٹھ گئی۔

''تم مجھ سے اتنا بھاگتی کیوں ہو۔'' اپنی گہری نگاہیں اس پہ جما کے داؤد سلمان نے استفسار کیا تھا۔ مناہل اس غیر متوقع سوال پہ بری طرح گڑبڑائی تھی۔

''تمہیں اگر مجھ میں کوئی خامی یا کوئی ناگوار بات محسوس ہوتی ہے تو تم مجھے کہہ سکتی ہو میں مائنڈ نہیں کروں گا بلکہ اس کی اصلاح کی کوشش کروں گا۔'' اسے یاد تھا تو ایک دفعہ ناجیہ نے اس سے ذکر کیا تھا کہ مناہل کو زمیندار اور وڈیرے ٹائپ لوگوں سے خاص چڑ ہے۔ اس لئے وہ اس سے بھی کھنچی کھنچی سی رہتی تھی۔ اس وقت تو اس نے خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ کیونکہ اس مختصر سی مدت میں اس کی ملاقات مناہل سے بہت ہی کم ہوئی تھی۔ شاید اسی وجہ سے اسے نئے رشتے کو قبولنے میں زیادہ دقت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ جتنا اس کی طرف مائل تھا۔ مناہل اتنی ہی لاتعلق نظر آتی تھی۔

''اپنی خامیوں سے سب سے زیادہ آگاہ انسان خود ہی ہوتا ہے۔'' وہ اس کی دیدہ دلیری پہ عش عش کر اٹھی۔ ہر برا کام کرنے کے باوجود وہ کیسا معصوم بن کے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن بعض اوقات انسان کو اپنی خامیاں بھی خوبیاں ہی محسوس ہوتی ہیں جب کہ دوسرے شخص کے نزدیک وہ خامیاں ہی ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے ایسا ہی معاملہ میرے ساتھ بھی ہو۔''

''میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو ابھی تک اس رشتے کے لئے تیار نہیں کر سکی۔ میں نے ماما، بابا کو ایسا کرنے سے روکا بھی تھا۔ لیکن انہوں نے میری ایک نہیں سنی اور اب نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔'' وہ اس کے کرتوتوں سے تو اسے آگاہ نہ کر سکی تھی۔ بلکہ بظاہر انجان بن کے وہ کسی موقع کی تلاش میں تھی۔ جو داؤد سلمان کے کردار کو خود ہی واضح کر دے۔

داؤد سلمان کے چہرے پہ اک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ اسے اگرچہ اس بات کا اندازہ تھا۔ اس کے باوجود اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے

ہتھیار ڈالتے ہوئے بولیں۔

مناہل خاصے غصے سے باہر نکلی تھی۔ ماما اگر یہاں موجود نہ ہوتیں تو وہ کسی قیمت پر جانے کے لئے راضی نہ ہوتی۔ وہ ماما کی طرف سے بھی شاکی ہو رہی تھی جنہوں نے داؤد سلمان کے ساتھ ہی اس کی بات کی فوراً تردید کر دی تھی۔

وہ تیار ہو کر آئی بھی تو خفا خفا سی تھی۔ تیار ہونے میں اس نے جان بوجھ کر دیر لگائی تھی۔

''اوکے آنٹی! اب اجازت دیں۔'' جیسے ہی مناہل اندر داخل ہوئی، داؤد سلمان فوراً کھڑا ہو گیا۔

''میں نے آپ کو کہا بھی تھا کہ میں نے دو ہفتے ماما کی طرف رہنا ہے اس کے باوجود آپ مجھے لینے آ گئے۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ شروع ہو گئی۔

''میں اداس ہو گیا تھا تمہارے بغیر، یقین جانو یہ دو دن ہی بڑی مشکل سے گزارے ہیں۔ ابھی بھی ایک ضروری میٹنگ چھوڑ کے آ رہا ہوں۔'' وہ اس سے اسی قسم کے رویے کی توقع کر رہا تھا۔ بلکہ اس نے تو خود کو ذہنی طور پر تیار بھی کر لیا تھا۔

''خوامخواہ چھوڑی آپ نے اتنی ضروری میٹنگ۔'' وہ جل بھن ہی تو گئی۔

''اس لئے کہ وہ ضروری میٹنگ تم سے زیادہ اہم نہیں ہے۔'' وہ اسے متبسم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''دن میں ڈائیلاگ کتنی مرتبہ بولتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں چھپے طنز کو وہ محسوس نہیں کر سکا تھا اسی لئے اپنی ہی ترنگ میں گویا ہوا۔

''آج تو صرف تم سے ہی بولا ہے۔'' اس کی شرارت سے کہے گئے فقرے کو مناہل نے اپنے ہی معنی پہنا لئے تھے۔

(میری غیر موجودگی کا بھی تم نے خوب فائدہ اٹھایا ہو گا داؤد سلمان!) اس نے دل میں سوچا۔

''تم ناراض مت ہو۔ ایسا کرنا اگلی دفعہ تم پورا ہفتہ رہ لینا۔'' داؤد سلمان تو اسی پہ بہت خوش تھا کہ اس نے اس سے کوئی رشتہ تو قائم کیا۔ خواہ وہ ناراضگی کا ہی ہو۔

''شکریہ! مجھے نہیں جانا کہیں بھی۔'' تند لہجے میں کہتے ہوئے وہ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

''یعنی میرے پاس ہی رہنا ہے۔ اس سے اچھی بات تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔'' اس کا بے ساختہ قہقہہ گاڑی میں گونجا۔

''بہت ڈھیٹ ہے یہ شخص اور چالاک بھی۔ ہر بات کو گھما پھرا کے اپنے مطلب پہ لے ہی آتا ہے۔''

مزید کوئی بھی بات کہے بغیر وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کے آنکھیں موند گئی۔ داؤد سلمان نے اسے دیکھتے ہوئے [illegible] کی اسپیڈ مزید بڑھا دی۔

''کیا بناؤں آپ کے لئے اماں جان!''

زرتاج بیگم آج ہی حویلی سے اسلام آباد آئی تھیں۔ ایک تو ویسے ہی ان کی شخصیت ایسی رعب داب والی تھی کہ مناہل ان کے ساتھ بد اخلاقی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور دوئم یہ کہ اسے چڑ صرف داؤد سلمان سے تھی اس کے گھر والوں سے نہیں۔

''کچھ بھی بنا لو بیٹا! میں تو ہر چیز ہی کھا لیتی ہوں۔ ہر چیز ہی اللہ کی بنائی ہوئی ہو۔ ایسے ہی کسی چیز میں نقص نکالنا کوئی اچھی بات تھوڑی ہے اور مجھے تو سبزی اور دال بھی گوشت کی طرح مرغوب ہیں جو میری بیٹی اپنے ہاتھوں سے پکا کر کھلا دے گی ہم تو وہ کھائیں گے۔'' ان کے انداز

میں شفقت اور حلاوت پنہاں تھی۔

''آپ کی بات تو ٹھیک ہے اماں جان! لیکن ایک چیز پسند ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ باقی چیزیں ناپسند ہے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ڈش ہمیں دوسری ڈشز کی نسبت زیادہ پسند ہے۔ یعنی باقی سب پسند ہیں اور یہ پسندیدہ ہے۔'' اس کی مفصل وضاحت پہ زرتاج بیگم نے نہال ہوتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ماشا اللہ! قائل کرنے کا انداز تمہارا بھی بالکل داؤد کی طرح ہے۔ وہ بھی ایسے ہی کرتا ہے اللہ تم دونوں کو برکتیں دیں۔ نیک اور صالح اولاد دیں۔'' ان کی دعاؤں پہ مناہل بری طرح جز بز ہوئی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید دعاؤں میں اضافہ کرتیں۔ مناہل کھڑی ہوگئی۔

پروین اور شریف کی مدد سے اس نے ڈنر پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ داؤد سلمان کو بھی زرتاج بیگم کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ اسی لئے وہ آفس سے جلد اٹھ آیا تھا۔ وہ دونوں سٹنگ روم میں تھے۔ جب کہ اس نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگوا دیا۔

''واہ! یہاں تو ایسے لگ رہا ہے جیسے کسی کی دعوت کا اہتمام ہے۔'' چیئر گھسیٹ کر اس پر بیٹھتے ہوئے داؤد سلمان نے پورے ٹیبل پہ نظریں دوڑا کر کہا۔

''لیکن یہ دعوت آپ کی ہرگز نہیں ہے۔'' مناہل نے فوراً اسے پیشتر وضاحت کی۔ اگرچہ اس کی پیار بھری تنبیہ مصنوعی تھی۔ اماں جان کی موجودگی کی وجہ سے تھی اس کے باوجود داؤد سلمان کو اچھی لگی تھی۔

''میری اور اماں جان کی دعوت الگ الگ تھوڑی ہے۔ ہے ناں اماں جان!'' اس نے تائید طلب نظروں سے زرتاج بیگم کو دیکھا۔

''اوں..... ہوں۔ میری اور میری بیٹی کی دعوت میں کوئی فرق نہیں۔'' مناہل کو محبت سے دیکھتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔

''یہ تو فاؤل ہے۔'' وہ احتجاجاً چلا اٹھا۔

''آج کل کے دور میں فاؤل ہی چلتا ہے۔'' مناہل نے اسے چڑایا۔

''ٹھیک ہے فاؤل ہی چلے گا۔ یہاں تو خواتین کی اجارہ داری ہے ویسے بھی میچورٹی از اتھارٹی۔'' وہ مسکنیت سے گویا ہوا۔ تو وہ دونوں بے ساختہ مسکرا دیں۔

کھانے کے بعد وہ لاؤنج میں بیٹھے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

''آپ کس کمرے میں سوئیں گی اماں جان! مجھے بتا دیں تاکہ میں بستر وغیرہ سیٹ کر دوں۔'' مناہل نے ان کی آنکھوں میں نیند کے اثرات دیکھ کر استفسار کیا۔

''میرا کمرہ تو مخصوص ہے بیٹا! میں جب بھی آتی ہوں اسی کمرے میں قیام کرتی ہوں۔ وہ جو تم لوگوں کے کمرے کے ساتھ والا کمرہ ہے۔'' پہلے تو وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ یہ ''تم لوگوں کے کمرے'' سے کون سا کمرہ مراد ہے اور جب سمجھ آئی تو اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا۔

اس سے مراد وہ والا روم تھا جہاں وہ شادی کے بعد سے مقیم تھی۔ اگر اماں جان وہاں آرام کرتیں تو لامحالہ آج کی رات اسے ''تم لوگوں کے کمرے'' میں ہی گزارنی پڑتی۔

داؤد سلمان کو اس کے چہرے کی اڑی اڑی رنگت مزہ دے گئی تھی۔ وہ کس وجہ سے پریشان ہو رہی تھی وہ اس کے اپنے علاوہ داؤد سلمان ہی جانتا تھا۔

''او کے اماں جان! شب بخیر مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ تم اماں جان کا بستر وغیرہ درست کر

کے آجانا مناہل!'' وہ جان بوجھ کر جاتے ہوئے اسے مخاطب کر کے گیا۔ مناہل بری طرح سلگ کے رہ گئی۔

زرتاج بیگم کو ان کے کمرے میں چھوڑ کے آنے کے بعد وہ کتنی دیر تک داؤد سلمان کے روم کے باہر کھڑی رہی۔

''کیا کر لیں گے کھا تو نہیں جائیں گے ناں مجھے۔'' وہ خود کو حوصلہ دیتے ہوئے دروازے کا ہینڈل گھما کر اندر داخل ہو گئی۔

داؤد سلمان بیڈ پر نیم دراز غالباً کوئی مووی دیکھ رہا تھا۔ مناہل کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے بطور خاص نوٹس لیا تھا۔ تاہم بولا کچھ نہیں۔ اس کے باوجود مناہل کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اسے وہیں کھڑا دیکھ کر اس نے کہا۔ اس کی گھبرائی ہوئی حالت داؤد سلمان کو مزہ دے گئی۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی صوفے پہ بیٹھ گئی۔ انگلیاں مروڑتے ہوئے وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ سوئے کس جگہ؟

''تمہیں جو بات پریشان کر رہی ہے میں اسے سمجھ سکتا ہوں لیکن تم فکر مت کرو۔ مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو میں محبت میں زبردستی کا قائل نہیں۔ لیکن اس دن کا منتظر ضرور ہوں جب تمہارے دل پہ جمی گرد صاف ہو جائے گی۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر وہ بہت آہستگی سے کہہ رہا ہے۔ مناہل بدستور اسی حالت میں بیٹھی تھی۔

''سو جاؤ اب رات بہت بیت چکی ہے۔'' وہ کہتا ہوا خود بھی لائٹ آف کر کے لیٹ گیا۔ مناہل نے الماری سے کمبل نکالا اور صوفے پہ لیٹ کر اچھی طرح خود پہ کمبل تان لیا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو کوئی اس کا کندھا ہلا رہا تھا۔ چہرے سے کمبل ہٹ کر اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

''سات بج چکے ہیں مناہل! اٹھنا نہیں ہے کیا؟ اگر زیادہ نیند آ رہی ہے تو بیڈ پہ چلی جاؤ یہ نہ ہو تمہیں دیکھنے کے لئے اماں جان خود ہی اندر آ جائیں۔'' داؤد اس پہ جھکا کہہ رہا تھا۔

مناہل کی نیند فوراً اڑنچھو ہوئی تھی۔ اسے یاد آ گیا تھا وہ رات کو کہاں سوئی تھی۔

''میں آ رہی ہوں۔'' اس نے تھوڑا سا کمبل مزید کھسکا دیا۔ داؤد سلمان ایک نظر اس پہ ڈال کر باہر نکل گیا۔

''اوہ..... شٹ! میں اتنی دیر تک سوتی رہی اوپر سے نماز بھی قضاء ہو گئی۔'' اس نے کمبل اتار کے ایک سائیڈ پہ پھینکا اور گھڑی دیکھتے ہوئے خود پہ افسوس کیا۔

''یہ یقیناً اس کمرے کی نحوست ہے ورنہ میری صبح کی نماز تو کبھی قضاء نہیں ہوئی چاہے جتنی بھی دیر سے سوؤں۔'' یہ بات کہتے ہوئے وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھی کہ اس کمرے کا مالک تو وقت پہ ہی فجر کی نماز پڑھ آیا تھا۔ البتہ وہ پیر سے پاؤں سے ایسے کمبل لپیٹ کے سوئی ہوئی تھی کہ باوجود چاہنے کے وہ اسے اٹھا نہ سکا۔

منہ پہ پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں اسے اماں جان کے سامنے ''ہم بہت خوش ہیں'' کا عملی نمونہ پیش کرنا تھا۔

ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
اس جھیل کنارے پل دو پل
اک خواب کا نیلا پھول کھلے
وہ پھول بہار بن لہروں میں
اک روز ہم بھی شام ڈھلے
اس پھول کے بہتے رنگوں میں

جس وقت اترتا چاند چلے
اس وقت کہیں ان آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
پھر چاہے عمر سمندر کی
ہر موج پریشاں ہو جائے
پھر چاہے آنکھ دریچے سے
ہر خواب گریزاں ہو جائے
پھر چاہے پھول سے چہرے کا
ہر درد نمایاں ہو جائے
وہ روپ نگر ایجاد تو ہو
وہ عکس کبھی آزاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو

اس کے دلکش چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے داؤد سلمان کو بہت پہلے کی پڑھی ہوئی یہ نظم یاد آنے لگی تھی۔ بے ساختہ اس کا جی چاہا تھا کہ کچھ لمحے اسے سامنے بٹھا کر دیکھتا رہے لیکن یہ اختیار مناہل نے اسے دیا ہی کب تھا۔ مگر کبھی کبھی اس کا دل بھی بے اختیار ہو جاتا تھا۔ ایسے میں خود کو سمجھانا، سنبھالنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی وہ ایسا کرتا تھا۔ آخر کو مناہل داؤد کا اعتماد بھی تو برقرار رکھنا تھا۔ چاہے اس کا اپنا دل ہی خون ہو جاتا۔

انک بلیو اور آف وہائٹ کلر کے اسٹائلش سے سوٹ میں بہت لائٹ میک اپ کے باوجود نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔

آج فاروق یوسفی کے گھر گیٹ ٹو گیدر تھی۔ وہ خود بھی اس قسم کے فنکشن میں کم ہی شرکت کرتا تھا۔ لیکن یہ پارٹیز بھی بزنس کا ایک حصہ تھیں۔ سو اکثر و بیشتر نہ چاہتے ہوئے اسے شریک ہونا ہی پڑتا تھا۔ کیونکہ ایسا "ماحول" اسے بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا تھا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی اتنے سالوں میں بھی وہ اس ماحول کا عادی نہیں بن سکا تھا۔ شاید وہ بننا ہی نہیں چاہتا تھا۔

جب وہ خود ایسے ماحول کو پسند نہیں کرتا تھا تو پھر دوسروں کے لئے کیسے پسند کر سکتا تھا اجیہ کو بھی کبھی وہ ایسی پارٹیز میں نہیں لے کر گیا تھا۔ لیکن مناہل نے خود آج جانے کی فرمائش کی تھی۔ وہ اسے ٹوکتے ٹوکتے رک گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے اجازت دے دی تھی۔

ناجیہ آپی نے ایک دفعہ اسے بتایا تھا کہ داؤد سلمان اسے بزنس پارٹیز وغیرہ میں نہیں لے کر جاتے۔ اس وقت تو وہ داؤد سلمان کو حق بجانب ہی سمجھی تھی بزنس پارٹیز میں بھلا ہاؤس وائف کا کیا کام؟ لیکن اب اسے سمجھ آئی تھی کہ داؤد سلمان اپنا پول کھل جانے کے ڈر سے پہلے ناجیہ آپی کو اور اب اسے ایسی کسی بھی پارٹی میں نہیں لے کر جاتا تھا۔

داؤد سلمان نے یونہی سرسری سا تذکرہ کیا تھا کہ کرنل فاروق یوسفی کے گھر پارٹی ہے جس میں شہر کے مشہور معروف بزنس مین ود فیملی انوائیٹڈ ہیں۔ اچانک کسی خیال کے تحت مناہل نے اپنے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ جس پہ پہلے تو وہ ٹھٹکا تھا۔ پھر مان ہی گیا۔

وہ جو یہاں آنے تک خود کو خاصا مطمئن خیال کر رہی تھی۔ اب اندر داخل ہوتے ہی بری طرح گھبرائی تھی۔ پورے لان کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا اور رنگ و بو کا ایک سیلاب تھا جو امڈا پڑ رہا تھا۔ بے تحاشا ماڈرن لڑکے، لڑکیاں، مرد، عورتیں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ مرد و زن کا امتیاز کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وقفے وقفے سے ابھرتے نسوانی قہقہے ماحول کو مزید رنگین بنا رہے تھے۔

یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی دبو قسم کی لڑکی تھی یا اس

نے کبھی مخلوط پارٹی یا فنکشن اٹینڈ نہیں کیا تھا۔ نہ ہی وہ اعتماد سے عاری لڑکی تھی۔ لیکن ایسا ''لائیو پروگرام'' اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اب وہ اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے اس فنکشن میں شرکت کرنے کا سوچا تھا۔

''یہ میری مسز ہیں مناہل داؤد۔'' وہ سامنے سے آتے کسی کپل سے اس کا تعارف کروا رہا تھا۔

''ارے..... واہ! آج تو کرشمہ ہی ہو گیا۔ مسز داؤد سلمان نے ہمارے گھر کو ہماری پارٹی کو رونق بخشی، ویری نائس ٹو میٹ یو۔'' وہ تکلفاً اسے خود سے لگاتے ہوئے نہایت خوشگوار لہجے میں بولیں۔

''می ٹو۔'' اب آ گئی تھی تو اخلاق بھی نبھانا تھا۔ یہ شاید کرنل فاروق یوسفی اور ان کی مسز تھیں۔

''ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا مسز! ہماری پارٹی سب سے ڈفرنٹ اور یونیک ہو گی۔'' کرنل قہقہہ لگا کے بولے۔

''مان گئے آپ کو کرنل صاحب!'' وہ بھی ان کے قہقہے میں شریک ہوئیں۔

اور پھر جس کسی نے بھی اسے دیکھا تھا۔ تعجب آمیز خوشی کا اظہار کیا تھا۔

''بیوٹی فل..... بھئی یہ گوہر کیوں چھپا کے رکھا ہوا تھا داؤد سلمان!'' نائٹ جینز یہ شارٹ سلیولیس شرٹ پہنے وہ جو کوئی بھی تھی۔ بڑے بے تکلف انداز میں داؤد سلمان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے مخاطب ہوئی تھی۔

''ایسی چیزوں کو چھپا کے ہی رکھنا چاہیے تاکہ نظر نہ لگ جائے۔'' اس لڑکی کے عقب سے ہی کوئی مرد نکل کے آیا تھا اور اپنی پرشوق نگاہیں اس پہ جماتے ہوئے کہا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے میں خود ہی ذرا شور ہنگامے سے گھبراتی ہوں۔'' ناگواری کی ایک شدید لہر نے اس کے وجود کا احاطہ کیا تھا۔ جسے بڑی مشکل سے دباتے ہوئے وہ نارمل لہجے میں بولی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا داؤد سلمان اسے لے کر آگے ایک ٹیبل کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جہاں فیاض اور ثناء براجمان تھے۔

''شکر ہے کوئی تو اپنا نظر آیا۔'' مناہل نے بے ساختہ تشکر بھری سانس خارج کی وہ دونوں بھی نہایت گرمجوشی سے ان سے ملے تھے۔ بعد میں فیاض اور داؤد سلمان تو اٹھ کر چلے گئے جب کہ وہ دونوں وہاں بیٹھی رہیں۔ ثناء نے ہی باقیوں سے اسے کا تعارف کروایا تھا۔

''داؤد سلمان واقعی لکی آدمی ہے ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی اس کی قسمت میں آئی ہے۔ پہلے ناجیہ اور اب مناہل، اس پہ تو لگتا ہے خوبصورتی ختم ہے۔'' اس کی بیک سائیڈ والی ٹیبل سے یہ آواز ابھری تھی۔ ثناء نے تو شاید نہیں سنا تھا کیونکہ وہ اپنے ساتھ بیٹھی خاتون سے کوئی بحث کر رہی تھی۔ جب کہ اس نے کانوں تک یہ آواز بخوبی پہنچ گئی تھی۔

''یہ کوئی اتنے تعجب والی بات نہیں۔ داؤد سلمان تو مناہل سے بھی خوبصورت لڑکی ڈیزرو کرتا ہے خوش قسمت داؤد سلمان نہیں کہ اسے مناہل ملی ہے بلکہ خوش قسمت مناہل ہے کہ اسے داؤد سلمان جیسا شاندار شخص ملا۔'' اب کی دفعہ کسی دوسری نے اظہار خیال تھا۔

''یہ اندازہ لگانا تو واقعی مشکل ہے کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ خوش قسمت ہے۔'' پہلے والی پھر بولی۔

''تمہارا کیا خیال ہے مناہل؟'' ثناء نے اسے اچانک مخاطب کیا تو اس کا دھیان پیچھے سے ہٹ گیا۔

''کس بارے میں؟'' اس کا دھیان اس

طرف ہوتا تو وہ ان کی بحث سن پاتی۔
''یہی کہ آرٹیفشل جیولری زیادہ سوٹ ایبل لگتی ہے یا گولڈ کی جیولری۔'' ثناء کے برابر بیٹھی نفیسہ سے کہا۔
''یہ تو اپنے اپنے ذوق پہ ڈیپنڈ کرتا ہے۔'' وہ چونکہ دونوں کے دلائل سن نہیں پائی تھی۔ اس لئے گول مول سا جواب دیا۔
''یہ ہوئی نا بات۔ تم نے تو جھگڑا ہی ختم کر دیا۔'' ثناء نے مسکرا کر کہا۔ تو نفیسہ بھی مسکرا دیں۔ نفیسہ بھی کسی ضروری کام سے اٹھ کے چلی گئی۔
مناہل نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تھا لیکن داؤد سلمان اسے کہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔

سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کی سیاہ چشمگی قیامت ہے
سو سرمہ فروش اس کو آہ بھر کے دیکھتے ہیں

اس نے ایک دم ٹھٹھک کے سامنے دیکھا۔ بلیک ٹو پیس میں ملبوس وہ شخص عین اس کے سامنے والی چیئر پہ بیٹھ چکا تھا۔ آنکھوں میں حرص و ہوس کا جہان آباد کیئے وہ خبیث اسے ہی گھور رہا تھا۔ اس کی حرکت پہ مناہل نے سخت نظروں سے ابرو اچکا کر اسے دیکھا تھا۔

یوں نہ مجھ کو نگاہوں کے ترازو میں تو لو
ہے شوق تو بے ساختہ آنکھوں میں سمو لو
اب کے دل کو بھی لایا ہوں ہتھیلی پہ سجا کے
اس حسن کے بازار میں کیا دام ہیں بولو

''آپ کی تعریف.....'' اس کے دوبارہ شعر پڑھنے پہ مناہل نے تیکھے چتون سے اسے گھورا۔ اس نے مروتاً بھی اخلاق دکھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔
''تعریف تو اس خدا کی ہے جس نے ایسا زبردست شاہکار تخلیق کیا۔ مجھ ناچیز کی یہاں کیا تعریف۔'' ہاتھ میں پکڑا سیاہ مشروب کا گلاس اس نے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔ مناہل نے کچھ کہنے کی بجائے ناگواری سے منہ موڑ لیا۔
''حسن کی یہ ادا بھی بہت بھائی ہے مس!'' وہ قہقہہ لگا کے بولا۔
''میں مس نہیں مسز داؤد سلمان ہوں۔'' اس نے ایک ایک لفظ کو چبا کے کہا۔
''اوہ.....تو یہ حسن کی دیوی مسٹر داؤد سلمان لے اڑا خیر کوئی بات نہیں سب چلتا ہے۔'' اس کی مبہم بات کی مناہل کو قطعاً سمجھ نہیں آئی تھی۔
''اینی وے میں خلدون یوسفی ہوں، ایک کامیاب ترین بزنس مین اور کرنل فاروق یوسفی کا بیٹا! میری ماما ویمن ایسوسی ایشن کی سربراہ ہیں تم نے نام بھی سنا ہوگا مسز نوشین یوسفی۔'' اس کے اتنے لمبے چوڑے تعارف کا مطلب وہ اخذ نہیں کر سکی تھی اور نہ ہی وہ ایسا کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس نے ایک مرتبہ پھر داؤد سلمان کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تھی اور اتنے زیادہ لوگوں کی بھیڑ میں وہ اسے ڈھونڈنے میں پھر ناکام رہی تھی۔
''داؤد سلمان کو اس وقت ڈھونڈنا بے کار ہی ہے کیونکہ وہ خود اس وقت ''بزی'' ہوگا۔'' اس کی خباثت زدہ ہنسی پہ وہ کھول کے رہ گئی۔
''جب داؤد سلمان تمہارا حق بے دریغ دوسروں پہ لٹا سکتا ہے تو تم ایسا کیوں نہیں کر سکتی ویسے بھی آج کل معاشرے میں یہ کوئی معیوب بات نہیں اور تم تو ویسے بھی داؤد سلمان کے لئے چلتا پھرتا چیک ہو جسے وہ جب چاہے کیش کروا سکتا ہے۔'' خلدون یوسفی نے نہایت آرام سے ٹیبل پہ دھرا اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں قید کیا اور چہرے کے قریب کرتے ہوئے مدہوش لہجے میں گویا ہوا۔
''چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' غم و غصے سے اس کی آواز کانپ گئی۔

''شکر کرو ابھی صرف ہاتھ پہ اکتفا کیا ہے ورنہ دل تو اتنا باغی ہو رہا ہے کہ.....'' وہ پتہ نہیں مزید کیا کہنے جا رہا تھا مناہل اپنی پوری قوت صرف کر کے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور بھاگنے کے سے انداز وہاں سے نکلی تھی۔

داؤد سلمان بالآخر اسے نظر آ گیا تھا۔ فیاض اور دوسرے چند دوستوں کے ہمراہ کھڑے ہوئے مناہل لپک کے اس کے پاس گئی تھی۔ اس کے بالکل قریب کھڑے ہوتے ہوئے اس نے اس کا دایاں ہاتھ تھام لیا تھا۔ داؤد سلمان نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس کا ہاتھ اتنا ٹھنڈا ہو رہا تھا کہ داؤد سلمان کو فوراً ہی تشویش نے آن گھیرا تھا۔ ویسے بھی ہوش و حواس میں تو وہ اس کے سائے کے قریب بھی نہیں پھٹکتی تھی کجا کہ اس کے اتنے قریب کھڑے ہونا۔

''گھر چلیں۔'' وہ اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ حد نہیں۔ یہاں کا تو ماحول ہی ایسا تھا کہ مرد و زن کی تمیز کرنا مشکل ہو رہی تھی۔ لیکن ایسا ایڈوانس ماحول اس کی پسند ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

''دس منٹ ٹھہر جاؤ مجھے ابھی ایک ضروری.....''

''نہیں، میرا دل گھبرا رہا ہے ابھی چلیں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کے ضدی لہجے میں بولی۔

''کیسے مزاج ہیں مسٹر داؤد سلمان!'' خلدون یوسفی اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہیں آ گیا تھا۔ وہ مخاطب تو داؤد سلمان سے ہوا تھا مگر نگاہیں مناہل پہ گھڑی ہوئی تھیں۔

''فائن۔'' داؤد سلمان نے اس سے مصافحہ کیا۔

''اوکے مجھے ذرا جلدی ہے۔'' مناہل کی ضد کے پیش نظر وہ سب سے معذرت کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

''یو آر مائی ڈریم پریٹی! اور اس خواب کو میں بہت جلد پورا کرنے والا ہوں۔'' ان دونوں کو جاتا دیکھ کر خلدون یوسفی نے اپنی پرسوچ نگاہیں ان پہ جماتے ہوئے دل میں پختہ ارادہ کیا۔

موسم تبدیل ہو رہا تھا اور موسم کی مناسبت سے اس نے کچھ شاپنگ بھی کرنی تھی۔ داؤد سلمان اسے کافی مرتبہ کہہ چکا تھا کہ شاپنگ وغیرہ کر لے۔ لیکن وہ خود ہی سست سی ہو رہی تھی۔ آج خود ہی داؤد سلمان نے ڈرائیور کو گاڑی دے کر بھیج دیا تھا اور فون کر کے اسے تاکید بھی کی تھی۔ وہ اس کی لاپرواہ طبیعت کو جانتا تھا۔ اسی لئے خصوصی ہدایت کی تھی۔

ونڈو شاپنگ کا ارادہ ترک کر کے وہ بالآخر ایک بوتیک میں داخل ہو ہی گئی تھی۔ کچھ خریدنے کا اس کا کوئی ایسا خاص ارادہ تو نہیں تھا۔ لیکن کیمل کلر سوٹ جس پہ بلیک ایمبرڈری کے ساتھ یونیک سا ڈیزائن بنایا گیا تھا اتنا پسند آیا کہ بے ساختہ ہی اس نے وہ سوٹ خرید لیا۔ اسی شاپ سے اس نے اپنے لئے کارڈیگن اور شال خریدی تھی۔

''ہیلو سویٹی!'' وہ کاؤنٹر پہ پے منٹ کر رہی تھی۔ جب اس کے برابر کھڑے شخص نے بے تکلفی سے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ اس نے فوراً گردن گھمائی اور خلدون یوسفی کو دیکھ کر غصے کی ایک شدید لہر نے اس کے وجود کا احاطہ کیا تھا۔

''سوری۔'' وہ یہاں کھڑی ہو کے کوئی تماشہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔ اس لئے اپنے غصے کو بمشکل ضبط کرتے ہوئے ناگواری سے کہہ کر ہینڈ بیگ اور شاپنگ بیگ اٹھا کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

''ارے اس نازک وجود پہ اتنا بوجھ کیوں

یہ دیوانہ کس لئے ہے۔'' وہ بھی فوراً اس کے پیچھے ہی لپکا تھا۔ مناہل اس کی بات پہ کان دھرے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھتی گئی۔

''اتنا غصہ کیوں دکھا رہی ہو سویٹی! ناچیز سے کیا خطا سرزد ہوگئی۔'' وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔ اتنی جلدی سے پیچھا کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

''دیکھیں میں اس قسم کی اوچھی حرکتوں کو پسند نہیں کرتی۔'' وہ ایک دم رکی اور رخ موڑ کر سخت لہجے میں بولی۔

''اور اس دل کا کیا کروں جو تمہیں پسند کر بیٹھا ہے۔'' اس کے سخت لہجے کی پرواہ کیئے بغیر وہ والہانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ میں ''شادی شدہ'' ہوں۔'' وہ اپنے لفظوں پہ زور دے کر گویا ہوئی۔

''میں نے سمجھایا تھا دل کو لیکن وہ نہیں سمجھتا۔ اس کی بس ایک ہی رٹ ہے تم، تم اور صرف تم۔'' اس کی عجیب جنونی سے لہجے پہ مناہل اندر ہی اندر خوفزدہ ہوگئی۔

ان سے چند قدم کے فاصلے پر ہی اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈرائیور اسے دیکھتے ہی گاڑی سے باہر نکل آیا تھا اور اب مودب انداز میں بیک ڈور کھولے اس کا منتظر تھا۔

وہ برق رفتاری سے چلتی ہوئی گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گئی تھی۔

''جلدی چلو ڈرائیور۔'' اندر بیٹھتے ہی اس نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

''کب تک بھاگو گی سویٹی! تم جتنا مجھ سے کتراتی ہو آتش شوق اتنا ہی بڑھتا ہے۔ اب تو تمہیں جلد حاصل کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔'' اسے دوسری مرتبہ فرار ہوتے دیکھ کر خلدون یوسفی کے ہاتھ ملتے ہوئے سوچا۔

''سر! کوئی خلدون یوسفی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' داؤد سلمان کی سیکرٹری نے اسے انٹرکام پہ اطلاع دی تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''اوہ..... کرنل فاروق یوسفی کا بیٹا!'' ایک دم اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''ٹھیک ہے بھیج دو۔'' اس نے کہا اور ریسیور واپس رکھ دیا۔

''اسے بھلا مجھ سے کیا کام ہوسکتا ہے۔'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔ خلدون یوسفی سے اس کی دو تین بار صرف سرسری سی ملاقات ہوئی تھی کوئی باقاعدہ قسم کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

''کیسے ہیں مسٹر داؤد سلمان!'' خلدون یوسفی نے نہایت گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے تم سناؤ۔'' اسے بیٹھنے کی آفر کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''فائن۔''

''آج ادھر کا راستہ کیسے بھول پڑے۔'' انٹرکام پہ چائے کا آرڈر دیتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوا۔

''بس ایسے ہیں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''میں نے سنا ہے کہ ہمدانی کمپنی میں تمہارے لئے جو ساٹھ پرسنٹ شیئرز تھے۔ ہمدانی اسے غبن کرنے کے چکروں میں ہے۔'' پیون چائے رکھ کے چلا گیا تھا۔ خلدون یوسفی نے کپ اٹھایا اور اپنے مطلب کی طرف آنے لگا۔

''اس کا ارادہ تو ایسا ہی ظاہر ہو رہا ہے لیکن میں اسے اتنی آسانی سے یہ سب نہیں کرنے دوں گا۔'' اسی بات تو پچھلے کئی دنوں سے اسے ٹینشن میں مبتلا رکھا تھا۔

''اگر تم چاہو تو میں اس ہمدانی کو تمہارے تلوے چاٹنے پہ مجبور کر سکتا ہوں۔ وہ نہ صرف تمہارے ففٹی پرسنٹ شیئرز دے گا بلکہ اپنے بھی فورٹی پرسنٹ دے دے گا۔''

''میں جانتا تو ہوں تم اپنا حق عدالت کے ذریعے بھی وصول کر سکتے ہو۔ لیکن اتنا علم تمہیں بھی ہے ایسے کیسز سالوں تک لٹک جاتے ہیں اور مخالف پارٹی اپنا حصہ تب تک بڑے آرام سے نکال لیتی ہے۔'' داؤد سلمان جانتا تھا وہ غلط نہیں کہہ رہا۔ اسی وجہ سے تو وہ خود چاہ رہا تھا یہ معاملہ سیدھے طریقے سے نمٹ جائے اور اسے کوٹ، کچہری میں خوار نہ ہی ہونا پڑے۔ انہی چکروں میں وہ گاؤں بھی نہیں جا سکا تھا۔ جب کہ اماں جاں کا فون کئی مرتبہ آ چکا تھا۔

''میرے ساتھ بھی ایک مرتبہ اس ہمدانی کے بچے نے چالاکی کھیلنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے ایسا سبق سکھایا کہ ابھی تک یاد کرتا ہے اسی لئے کہہ رہا ہوں تمہارا معاملہ بھی بائیں ہاتھ سے نمٹا سکتا ہوں اگر تم کہو تو.....'' خلدون یوسفی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''اس عنایت کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' وہ بھی ایک بزنس مین تھا۔ جانتا تھا ایک کاروباری ذہنیت رکھنے والا آدمی اگر دوسرے سے مصافحہ بھی کرتا ہے تو صرف اپنی غرض، اپنے مطلب کے لئے اور خلدون یوسفی جیسے گھاگ مردوں کی فطرت وہ بخوبی جان سکتا ہے آخر کو وہ کرنل فاروق یوسفی کا بیٹا تھا۔

''اس ''وجہ'' کا مدار ہی تو تم پر ہے داؤد سلمان! تم ایک میرا کام کر دو۔ میں تمہارا کام کروں گا۔ تم بھی خوش ہم بھی خوش۔'' وہ چیئر پیچھے دھکیل کر کھڑا ہوا اور داؤد سلمان کے بالکل قریب آ کے کھڑا ہو گیا۔

اپنے ماں، باپ کے عہدے کا جتنا فائدہ خلدون یوسفی نے اٹھایا تھا شاید ہی کسی نے اٹھایا ہو۔ جو آفر وہ داؤد سلمان کو کرنے جا رہا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ایسی ہی آفر وہ متعدد بار بہت سے لوگوں سے کر چکا تھا اور تب سے ہی اس نے جان لیا تھا۔ پیسہ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہ انسان کی ہر خواہش پوری کر سکتا ہے۔ اس کی خواہش اور طلب بھی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اسے اس کے علاوہ کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا تھا۔

''تم کم پر قناعت کرنے والے تو ہرگز نہیں ہو خلدون یوسفی! بہر حال کہو۔ اگر مجھے مناسب لگا تو ہرگز اعتراض نہیں کروں گا۔'' داؤد سلمان نے بھی ریوالونگ چیئر پیچھے دھکیلی اور اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

''خوب سمجھے ہو مجھے۔'' اس کے حلق سے بے ساختہ قہقہہ برآمد ہوا۔

''خلدون یوسفی کو تمہاری میز پسند آ گئی ہے داؤد سلمان! اور یہ تمہاری خوش قسمتی ہے ورنہ دنیا کا کنجی سے کنجی شخص بھی اس کی ایک رات کی قیمت کروڑوں روپے نہ لگائے تم تو.....'' اس کی باقی بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ داؤد سلمان کا ہاتھ پوری طاقت سے اس کے گال پر پڑا تھا۔

''اگر مزید ایک لفظ بھی تمہاری غلیظ زبان سے نکلا تو ساری عمر بولنے کو ترسو گے خلدون یوسفی!'' مارے طیش کے داؤد سلمان کا حال برا ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کھڑے کھڑے ہی خلدون یوسفی کو شوٹ کر ڈالے ایسا گھٹیا شخص جو اس کی عزت کی قیمت لگانا چاہ رہا تھا۔

ہوں گے کچھ ایسے بھی پیچ صفت شخص جو بیویوں کو سیڑھی بنا کر ترقی کی منازل طے کر رہے تھے مگر داؤد سلمان بے غیرت نہیں تھا۔ جو اسے سمجھ کر یہاں آیا تھا۔

''یہ تھپڑ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا داؤد سلمان! پچھتاؤ گے تم اس وقت کو۔'' وہ بھی غصے سے تن فن کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

وہ گرنے کے سے انداز میں ریوالونگ چیئر پہ بیٹھا تھا۔ اس کا پورا وجود ابھی تک شعلوں کی زد میں تھا۔ اس گھٹیا انسان نے یہ بات سوچی بھی تو

کیسے؟ اس کی اتنی ہمت ہوئی کیسے؟ خود کو نارمل کرنے میں اسے کافی وقت لگا تھا۔

اداس موسم کے رتجگوں میں
ہر ایک لمحہ بکھر گیا ہے
ہر ایک رستہ بدل گیا ہے
پھر ایسے موسم میں کون آئے
کوئی تو جائے تیرے نگر کی
مسافتوں کو سمیٹ لائے
تیری گلی میں ہماری سوچیں
بکھیر آئے
تجھے بتائے کہ کون کیسے
اچھالتا ہے وفا کے موتی
تمہاری جانب کوئی تو جائے
میری زباں میں تجھے بلائے
تجھے منائے
ہماری حالت تجھے بتائے
تجھے رلائے
تو اپنے دل کو بھی
چین آئے

وہ لوگ آج صبح ہی گاؤں پہنچے تھے۔ رات کو ہی بھابھی کا فون آیا تھا کہ اماں جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ ان دونوں کو یاد کر رہی ہیں اور یہ پہلا موقع تھا جب مناہل، داؤد سلمان کے ساتھ اس کے گاؤں آئی تھی۔ ورنہ اس کا جب بھی ارادہ بنتا تھا گاؤں جانے کا۔ وہ مناہل کو اس کے گھر چھوڑ آیا کرتا تھا۔

اور ایسا مناہل نے خود ہی کہا تھا۔ اسے جب داؤد سلمان سے لگاؤ نہیں تھے تو اس سے وابستہ لوگوں سے خوامخواہ محبت شو کرنی ارو بلاوجہ ہی محبت اور لگاوٹ کا اظہار کرنا کتنا مشکل تھا۔ یہ وہ اس وقت بخوبی جان گئی تھی جب زرتاج بیگم ان کے گھر رہنے آئی تھیں۔ شروع شروع میں تو وہ ان کی آمد سے بہت خوش ہوئی تھی۔ لیکن جب ہر وقت اسے ''ہم بہت خوش ہیں'' کا عملی نمونہ کرنا پڑتا تھا تو وہ اچھی خاصی بیزار ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ گاؤں آنے سے کترائی تھی۔ لیکن اس دفعہ بھابھی نے فون کر کے بتایا تھا کہ اماں جان کی طبیعت خراب ہے تو لازمی بات ہے اسے آنا پڑا۔

''ارے میں بالکل بھلی چنگی ہوں بس یونہی بی پی ذرا سا شوٹ کر گیا تھا تو بچے پریشان ہو گئے۔ میں نے کہا بھی تھا داؤد کو مت پریشان کرو وہ خود ہی ایک دو دنوں تک آنے والا ہو گا۔'' زرتاج بیگم انہیں مطمئن کرنے کے لیے ہشاش بشاش انداز میں بولنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''میں پچھلے کئی دنوں سے سوچ رہا تھا آنے کا مگر اس دفعہ کاروباری مصروفیت اتنی زیادہ تھی کہ ٹائم نکل ہی نہیں پا رہا تھا۔ ایک پارٹی بہت تنگ کر رہی تھی۔ بس اسی ادھیڑ بن میں اتنے دن لگ گئے۔ میں نے پہلی فرصت میں یہیں آنے کا پروگرام بنایا تھا اور آپ کے بارے میں بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں اپنی صحت کا آپ بالکل خیال نہیں کرتیں۔'' اپنے نہ آنے کی وجہ بتانے کے ساتھ ہی وہ خفگی بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''تین تین نگران ہیں میری صحت کے، بھلا ایسے میں میری صحت کو کیا ہو سکتا ہے۔'' ان کے اشارے کا مفہوم سمجھ کے وہ مسکرا دیا۔

''مناہل چچی بہت خاموش ہیں، چاچو! کیا واقعی یہ اتنی ہی خاموش طبع ہیں یا صرف ایسا محسوس ہو رہا ہے۔'' روحیل نے سنجیدہ بیٹھی مناہل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''گھبراؤ مت بیٹے! ابھی یہ اتنا بولیں گی کہ تم سے سننا دشوار ہو جائے گا۔'' داؤد سلمان مسکراتے ہوئے بولا۔ مناہل سمجھ نہیں سکی کہ اس نے طنز کیا ہے یا یونہی بات کی ہے۔

''خبردار! جو کسی نے میری بیٹی کو کچھ کہا تو۔ میں تو اسی بات پہ بہت خوش ہوں کہ میری بیٹی اس گھر میں تو آئی۔'' زرتاج بیگم نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ تو طمانیت اور محبت کا ایک احساس مناہل کو اپنے اندر اترتا محسوس ہوا۔

''صحیح کہا اماں جان نے، مناہل کے آنے کی خوشی میں ثومی اور روحیل دونوں نے کالج سے چھٹی کر لی۔'' بھابھی نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا تو مناہل مسکرا دی۔

خلاف توقع وہ یہاں آ کے بہل گئی تھی۔ ہر کوئی اس پہ واری صدقے جاتا تھا۔ زرتاج بیگم تو اسے دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی تھیں۔ بھابھی اس کے اتنے نخرے اٹھاتی تھیں۔ روحیل اور ثومی ہر وقت اسے دلچسپ باتیں سنا کر ہنسانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے اور تو اور یہاں کے نوکر چاکر بھی اس کی بے تحاشا عزت کرنے کے ساتھ ساتھ بہت محبت بھی کرتے تھے۔ شریف تو ان کے ساتھ ہی یہاں آ گیا تھا۔

''قسم سے مناہل چچی! کالج یہاں سے اتنی دور ہے کہ ساری انرجی تو آنے جانے میں ضائع ہو جاتی ہے پڑھنا کیا خاک ہوتا ہے۔'' ثومی ابھی ابھی کالج سے لوٹی تھی۔ بیگ صوفے پہ اچھال کے وہ دھپ سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''روحیل نہیں آیا؟'' عموماً وہ دونوں ایک ساتھ آتے تھے اس لئے اسے اکیلا دیکھ کر استفسار کرنے لگی۔

''آیا ہے اس کا کوئی دوست ہے اس لئے وہ سیدھا مردان خانے میں چلا گیا ہے رقیہ! پانی پلا دو۔'' اسے جواب دینے کے ساتھ ہی وہ بلند آواز سے بولی۔

''تم یہاں سے شہر جانے کے لئے جو اتنی مشقت اٹھاتی ہو تو وہیں اپنے چاچو کے پاس رہ لیا کرو۔ وہیں کسی کالج میں مائیگریشن کروا لو۔ بلکہ تمہیں چاہیے تھا فرسٹ ائیر میں وہیں ایڈمیشن لیتی۔'' اسے اچانک ہی ثمین کی بات یاد آئی تھی۔

''وہ حویلی والوں کو اپنے پاس رکھ کر راضی نہیں حالانکہ اس کا بھتیجا، بھتیجی اتنا اصرار کرتے ہیں کہ وہ پڑھائی کی خاطر اسلام آباد آنا چاہتے ہیں لیکن داؤد نہیں مانتا۔ آخر کو پول کھلنے کا خطرہ ہے۔''

''آپ کی بات اس لحاظ سے تو ٹھیک ہے کہ سفر کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ مجھے چاچو نے بھی بہت اصرار کیا تھا کہ میں اور روحیل وہیں ایڈمیشن لیں۔ وہاں معیار تعلیم بہتر ہے، بلکہ وہ تو وقتاً فوقتاً سب کو ہی کہتے رہتے ہیں کہ اسلام آباد ہی آ جاؤ، لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم یہ گھر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کو اس زمین سے بہت پیار ہے۔ ہم چاہیں بھی تو اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ ویسے بھی امی یہاں ہوتی ہیں اور اماں بیگم بھی بیمار رہتی ہیں۔ تو مجھے گھر داری میں امی کا ساتھ بھی نبھانا ہوتا ہے میں چاہتی تو اسی کالج کے ہاسٹل میں بھی رہ لیتی لیکن میں امی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ ایک بیٹی اپنی ماں کا بہت بڑا سہارا ہوتی ہے اس لئے چاچو کی ناراضگی کے باوجود ہم نے یہیں ایڈمیشن لے لیا۔'' وہ بڑی سادگی سے کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں کہیں بھی تکلف، ہچکچاہٹ اور جھوٹ کا شائبہ نہیں تھا۔

دوسری طرف مناہل کے ذہن میں زبردست دھماکہ ہوا تھا۔ اگر وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی بلکہ یقیناً نہیں بول رہی تھی کیونکہ اگر اسلام آباد میں رہ کر پڑھنے کا اسے اتنا شوق ہوتا تو پھر اس کی آفر پہ خوش ضرور ہوتی۔ لیکن اس نے تو نہایت آسانی سے اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا تھا۔ تو پھر اس کا مطلب تھا کہ ثمین نے اس سے جھوٹ بولا تھا؟ لیکن ثمین نے جھوٹ کیوں بولا تھا؟ کیا

صرف یہی جھوٹ اس نے بولا تھا یا باقی بھی جھوٹ تھے؟ اس جھوٹ کی وجہ کیا تھی؟ کتنے ہی سوالیہ نشان تھے جو مناہل کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہے تھے۔ لیکن اس کے پاس ان کا جواب نہیں تھا۔

داؤد سلمان تو اگلے دن ہی اسلام آباد چلا گیا تھا جب کہ ان سب نے اصرار کر کے مناہل کو یہیں رکھ لیا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود بھی یہاں اچھا محسوس کر رہی تھی۔ گو کہ داؤد سلمان نے جاتے وقت خاصا احتجاج کیا تھا لیکن ان سب نے اس کی ایک نہ سنی۔

''دیکھ لینا۔ تم سب کا بدلہ میں اسی سے لوں گا۔'' اس نے جاتے جاتے دھمکی دی تھی۔

''جی نہیں۔ آپ ہماری چچی کا ہاتھ تو لگا کر دیکھیں۔'' ثومی فوراً اس کی حمایت میں بولی۔

''یہ ہاتھ لگانے دے تو کچھ دیکھوں۔'' اس کی بظاہر مذاق میں کی گئی بات جو مفہوم پنہاں تھا۔ وہ مناہل بخوبی سمجھ گئی تھی۔

''بس بس اب یہ چند دنوں کے لئے ہماری ہیں۔'' ثومی اس کی بات کا نوٹس لئے بغیر بولی۔ ان سب نے بالآخر اسے اکیلے بھیج کر ہی دم لیا تھا۔

''میری مانیں تو رقیہ کی شادی تک رک جائیں چچی جان! سچ میں بہت مزہ آئے گا۔ ہو سکتا ہے اس کی شادی حویلی میں ہی ہو۔'' ثومی کی بات پر وہ حیران ہو کر رقیہ کو دیکھنے لگی جو وہیں بیٹھی تھی۔

''تمہاری شادی ہے اور تم نے تذکرہ بھی نہیں کیا؟'' رقیہ جھینپ گئی۔

''میں کیا تذکرہ کرتی جی! ہم تو اس حویلی کے نوکر ہیں یہ تو آپ سب لوگوں کی محبت ہے جو ہمارا اتنا خیال رکھتے ہیں۔'' رقیہ کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات تھے۔

''تم کیوں ہونے لگی نوکر۔ ہر کوئی اپنا کماتا ہے اور کھاتا ہے۔ بس انسان اور مسلمان ہونے کے ناطے ہم کو ایک دوسرے سے صلہ رحمی تو کرنی چاہیے پتہ ہے چچی! چاچو نے تو اس سے کہا تھا شہر سے جو کچھ اپنی پسند کا منگوانا ہے بتا دو وہ لے آئیں گے یا پھر کسی کے ہاتھ بھیج دیں گے۔ یہ تو اتنی ڈفر ہے کہ کچھ بھی نہیں بولی وہ تو شکر ہے میں نے ہی دو چار چیزوں کے نام لے دیئے۔'' ثومی نے جیسے اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا تھا۔

''بڑے لوگ اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کے لئے ان مظلوم لڑکیوں کو ان کا کچھ نہ کچھ عوض دے ہی دیا کرتے ہیں۔ داؤد سلمان نے تو بہت چھوٹی سی آفر کی۔ کسی کا جتنا حق لیا ہو کم از کم اس کا خراج تو دینا چاہیے۔'' اک تلخ سوچ نے اس کا احاطہ کیا۔

''ثومی بیٹا! روحیل کو چائے تو دے آؤ۔ وہ انتظار کر رہا ہوگا۔'' بھابھی نے کچن سے ہی ثومی کو آواز دی۔ تو وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔ جب کہ مناہل کے ذہن میں ثمین کے الفاظ گردش کرنے لگے۔

''وہ چوہدری ٹائپ بندہ ہے ہفتے دس دن بعد ایک چکر اپنی حویلی کا بھی لگا آتا ہے۔ وہاں بھی اس کی عیاشی کا ہر سامان مہیا ہے اور پھر وہ تو اپنا گاؤں ہے اپنی زمینیں ہیں۔ نئے سے نیا ماڈل دستیاب ہے وہاں۔''

''میں نہیں جانتی کس وجہ سے تم نے داؤد کی پیشکش ٹھکرا دی۔ لیکن میں تمہیں پورے خلوص سے کہہ رہی ہوں۔ میرے ساتھ شہر چلنا میں تمہیں تمہاری شادی کے لئے ہر چیز دلواؤں گی۔''

''آج تمہاری اصلیت سے بھی پردہ اٹھ ہی جائے داؤد سلمان! تو بہتر ہے کوئی تو ثبوت ہو میرے پاس۔'' اس نے جان بوجھ کر رقیہ سے ایسی بات کی تھی۔

اس کی کمزوری تھی تو پھر وہ ان آٹھ مہینوں میں اس سے کیسے محفوظ رہ گئی؟ حالانکہ وہ تو اس پر شرعی و قانونی حق رکھتا تھا اگر وہ اپنی بیوی کا اتنا خیال رکھتا تھا تو؟ اگر ان سب کا جواب نہیں میں تھا تو پھر وہ اپنی محدود عقل پہ، سوچ پہ جتنا ماتم کرتی اتنا ہی کم تھا۔ وہ ایک تصور کے پیچھے بھاگتی رہی اور حقیقت کو جھٹلاتی رہی۔

آج اس نے خود ہی اپنے آپ کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا تھا اور ہر جرم وہ اس کے بارے میں سوچتی ہے تو کیا پھر بھی اس کا رویہ مناہل کے ساتھ ویسا ہی ہوتا جیسا کہ اب ہے یقیناً نہیں۔

اسے سوچ کر ہی جھرجھری آنے لگی۔ ہر طرف اپنا ہی قصور نظر آ رہا تھا۔ داؤد سلمان نے لاکھ اس سے کہا تھا۔ کہ اس کے ساتھ جو بھی مسئلہ ہے وہ بلا جھجک کہہ سکتی ہے۔ کاش کہ وہ اس وقت یہی سب کچھ کہہ دیتی۔ لیکن دل میں یوں بغض نہ رکھتی۔ تو شاید وہ صورتحال کو اس سے پہلے جان لیتی اور آج حالات ایسے نہ ہوتے۔

زرتاج بیگم تو نجانے کب کی اٹھ کر جا چکی تھیں۔ جب کہ وہ ابھی تک وہیں بیٹھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ آگے کیا کرے؟ داؤد سلمان کو کس طرح بتائے کہ وہ اس سے شرمندہ ہے اور کیا پتہ وہ طیش میں ہی آ جائے اس نے ابھی تک صرف اس کا نرم رویہ دیکھا تھا۔ شفیق، مہربان وہ اس کے سخت اور تند خو لہجے میں متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اسے ابھی خود کو سمجھانا تھا اور آنے والے حالات کے لئے خود کو تیار کرنا تھا اور اپنے لئے آئندہ کا لائحہ عمل بھی سوچنا تھا اور ان آٹھ ماہ میں پہلی مرتبہ اتفاق ہوا تھا کہ وہ داؤد سلمان سے ملنے کے لئے بے چین ہوئی تھی۔

ناشتے کی ٹیبل پہ بیٹھتے ہوئے اس نے شریف سے کہا تھا کہ مناہل کو بلا لائے۔ مناہل کو کل رات ہی وہ گاؤں سے لے کر آیا تھا۔ پردین اور چوکیدار گاؤں گئے تھے اور چھٹی پر تھے۔ اس لئے ناشتہ ان کے لئے شریف نے تیار کیا تھا۔

''بی بی جان! صاحب جی ناشتے کے لئے بلا رہے ہیں۔'' صبح صبح اتنی ٹھنڈ میں وہ بالکونی میں کھڑی نجانے کیا سوچ رہی تھی۔ جب شریف نے آ کر اسے اطلاع دی۔

آنے کو تو وہ رات سے آ گئی تھی اور خود کو بڑا تیار کر کے لائی تھی۔ لیکن داؤد سلمان کو دیکھتے ہی اس کے ارادے کمزور پڑنے لگتے۔ اتنا عرصہ ان کے درمیان ایک خلیج سی حائل رہی تھی اور اب اسے ختم کرنے کا حوصلہ مناہل خود میں نہیں پا رہی تھی۔ رات بھی نجانے سوچتے سوچتے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح بھی خلاف توقع وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ پہلی مرتبہ تیار ہوئی تھی صرف داؤد سلمان کے لئے۔ وارڈ روب سے چند دن پہلے کا خریدا گیا کیمل کلر کا ڈریس لٹک رہا تھا۔ اس نے وہی زیب تن کر لیا۔ کڑھائی سے میچ کر کے اس نے بلیک کلر کی لائیٹ سی جیولری پہنی اور ہلکا پھلکا سا میک اپ بھی کر لیا۔ آئینے نے اس کے بہت خوبصورت لگنے کی گواہی دی تھی۔ لیکن داؤد سلمان کا سامنا کرنے کی ہمت وہ ابھی بھی خود میں نہیں پا رہی تھی۔ شریف کی اطلاع پر وہ دھڑکنیں ترتیب دیتی ڈائننگ روم میں آ گئی۔

داؤد سلمان نے بے ساختہ بہت حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ نک سک سے تیار ہوئی وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ بے ساختہ اس کا بھی جی چاہا آج آفس سے چھٹی کر لے اور سارا دن اسے سامنے بیٹھا کر دیکھتا رہے لیکن ایسا اختیار اسے دیا ہی کب گیا تھا۔

''ناشتہ تو ڈھنگ سے کرو۔'' اسے خالی چائے کے سپ لیتے دیکھ کر داؤد سلمان نے ٹوکا۔ تو خلاف توقع وہ توس پر جیم لگا کے کھانے لگی۔

''شریف! میرا بریف کیس لے آؤ۔ بلکہ رہنے دو مجھے بیڈ روم سے ایک دو فائلز بھی لینی ہیں میں خود ہی لے آتا ہوں۔'' ناشتہ کرنے کے بعد وہ شریف کو ہدایت دیتا رک گیا اور پھر خود ہی اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ مناہل نے اپنی ساری ہمت مجتمع کی اور اس کے پیچھے چلی گئی۔

''وہ..... آپ آج..... کب آئیں..... گے؟'' وہ بیڈ کے دراز میں سے فائلز نکال رہا تھا جب وہ اس کے قریب کھڑی ہوتے ہوئے اٹک اٹک کر بولی۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ مناہل اور اس کے کمرے میں؟

''تمہیں کوئی کام ہے؟'' اپنی حیرت چھپاتے ہوئے داؤد سلمان نے پوچھا۔

''ہوں..... میں نے سوچا تھا..... کہ آج..... ہم لانگ ڈرائیو پہ چلیں گے۔'' اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ کس طرح اسے بتائے کہ وہ بھی اسے پسند کرنے لگی ہے۔ اپنے دل سے اس کے خلاف ساری کدورت دھو آئی ہے اب یہاں صرف محبت ہے۔ انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ بمشکل بولی۔

''کیا؟'' داؤد سلمان کو ایسے لگا تھا جیسے اس کی سماعت نے دھوکا کھایا ہو۔

''تم..... تمہارا مطلب ہے کہ تم میرے ساتھ لانگ ڈرائیو پہ جاؤ گی؟'' اس نے اپنی خوش قسمتی کو کنفرم کروانا چاہا۔

''کیوں..... آپ نہیں لے کر جائیں گے۔'' پلکیں اٹھا کر معصومیت سے دریافت کیا گیا تھا۔

''کیوں نہیں، مائی لائف! تم کہو تو ابھی چلیں۔'' داؤد سلمان نے ہاتھ پکڑ کر اسے مزید قریب کیا اور خوشی سے سرشار لہجے میں بولا۔

''نن..... نہیں..... ابھی آپ آفس جائیں۔'' اس کی قربت سے وہ بری طرح بوکھلائی تھی۔

''اوں..... ہوں، آفس تو اب ہم بالکل نہیں جا رہے۔'' اس کا یہ روپ تو وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم نے مجھے معاف کر دیا ہے مناہل؟''

''یہ باتیں بعد میں ہوں گی مگر پہلے آفس جائیں، آپ رات کو حویلی اس لئے نہیں رکے تھے کہ آفس میں ضروری میٹنگ ہے اس لئے اسے مس نہ کریں اور آفس جائیں۔ باقی حساب کتاب واپسی پر بھی ہو سکتے ہیں۔'' وہ خالصتاً بیویوں کے سے انداز میں گویا ہوئی تو وہ قربان ہو ہو گیا۔

''اس طرح کہو گی تو کون کافر جائے گا۔'' وہ شرارت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

''آپ کا ٹائم ویسٹ ہو رہا ہے۔'' اس نے وال کلاک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی توجہ وقت پہ مبذول کروانی چاہی۔

''ٹائم تو تم ویسٹ کر رہی ہو۔'' اس کا معنی خیز لہجہ اسے بلش کر گیا۔

''میں نہیں بول رہی آپ سے۔'' اس سے پیچھے ہٹتے ہوئے وہ ناراض انداز میں گویا ہوئی۔

''او..... کے..... او..... کے تم ناراض مت ہو میں آفس جا رہا ہوں۔'' اس نے جلد ہی مصالحت اختیار کر لی تھی اور اپنی فائلز اور بریف کیس اٹھانے لگا۔

مناہل اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی تھی۔ ان میں سے گزرتے ہوئے اس نے سرخ گلاب کی کلی توڑ کر داؤد سلمان کی طرف بڑھا دی۔ اس نے کلی ہاتھ سمیت پکڑ لی تھی۔

''میں کہیں یہ خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ ایسا نہ

ہو آنکھ کھلے اور سب کچھ ختم ہو جائے اور میں ہاتھ ملتا ہی رہ جاؤں۔" داؤد سلمان ابھی بھی بے یقین تھا کہ مناہل کا رویہ اس سے تبدیل ہو چکا ہے مناہل جواب میں کہنا تو بہت کچھ چاہ رہی تھی۔ لیکن ابھی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی وہ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ اس لئے تو وہ چاہ رہی تھی کہ تھوڑا سا وقت مزید مل جائے جو وہ اس لمبے چوڑے شخص سے باضابطہ معافی مانگ سکے۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کر سکے۔ ابھی تو وہ اس کی قربت پہ اتنا بوکھلا جاتی تھی کہ اگلا جملہ ہی ذہن سے محو ہو جاتا تھا۔

"سنو میں آفس جا رہا ہوں لیکن صرف میٹنگ میں شرکت کے لئے اور ٹھیک گیارہ بجے میں واپس ادھر موجود ہوں گا تمہارے پاس۔" اس کے چہرے پہ آئی لٹ کو اس کے کان کے پیچھے اڑستے ہوئے وہ دھونس بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"لنچ کے بعد دوبارہ آفس جائیں گے۔" لبوں کے گوشوں سے پھوٹتی مسکراہٹ کو بمشکل دباتے ہوئے وہ صاف چڑانے والی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"وہ آفس ہے میری بیوی نہیں جو بھاگ بھاگ کے ادھر جاؤں۔" وہ بھنا کے بولا تو مناہل اس کے انداز پر زور سے ہنس دی۔

"ٹھیک ہے جائیں اب، میں پورے گیارہ بجے آپ کا انتظار کروں گی۔"

"انتظار تو مجھے کرنا پڑے گا وقت کے گزرنے کا۔"

"اللہ حافظ۔" اسے پھر پٹڑی سے اترتا دیکھ کر مناہل نے فوراً کہا۔

"گن گن کے بدلے لوں گا تم سے یاد کرو گی۔" وہ اسے سخت دھمکاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ تو مناہل اسے ہاتھ ہلا کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"شریف! تم ناشتہ کر لو میں برتن دھو لیتی ہوں۔" وہ کچن میں آئی تو شریف کو برتن دھوتے دیکھ کر کہا۔ اس نے لاکھ انکار کیا لیکن مناہل نے اسے بٹا کر ہی دم لیا۔ برتن دھو کر سیٹ کرنے کے بعد اس نے فریج کا جائزہ لیا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی۔ آج پہلی مرتبہ گھر کے کسی کام میں حصہ لیا تھا۔

"آج دوپہر کے لئے کیا پکایا جائے شریف!" فریج کا ڈور بند کرتے ہوئے اس نے شریف سے رائے لینا چاہی۔

"جو آپ کا دل چاہے جی! جو شوق سے آپ کھاتی ہوں وہ بنا لیں۔" شریف نے بڑا سیدھا سا جواب دیا تھا۔

وہ چاہ رہی تھی کہ داؤد سلمان کے آنے سے پہلے پہلے لنچ تیار کر لے اور زبردست قسم کی ڈشز بنائے۔ لیکن [illegible] غائب تھا کچن میں سے، پتہ نہیں واقعہ [illegible] یا تھا یا پروین جاتے وقت اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ مناہل نے اکثر اوقات سے کچن میں سے کھانے پینے کی اشیاء لے جاتے دیکھا تھا۔ لیکن اس نے کبھی نوٹس نہیں لیا تھا۔ جو جیسا تھا وہ اسے ویسا ہی رہنے دیتی تھی۔

"شریف! مارکیٹ یہاں سے کتنی دور ہے؟ کچن کا آدھے سے زیادہ سامان ختم ہوا ہے اور پھر لنچ بھی بنانا ہے تو میرا خیال ہے پہلے مارکیٹ سے ضروری سودا سلف خرید لاتے ہیں۔"

"پروین لے گئی ہو گی جی! ایسی لالچی طبیعت اس کی ہے۔ ویسے مارکیٹ یہاں سے زیادہ دور نہیں پیدل جایا جا سکتا ہے۔" وہ جو پروین کے ذکر پہ شریف کو ٹوکنے جا رہی تھی۔ فون کی گھنٹی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جو مسلسل بج رہی تھی۔ اس نے لاؤنج میں آ کر فون ریسیو کیا دوسری طرف داؤد تھا۔

''آئی مس یو۔'' وہ چھوٹتے ہی بولا تھا
مناہل مسکرادی
''پاگل ہو گئے ہیں۔'' وہ جیسے اس کی کیفیت سے حظ اٹھا رہی تھی۔
''ہوں۔'' اس نے بلا جھجک اعتراف کیا۔
''آپ کا ڈیلی کیشن نہیں آیا ابھی تک جو فارغ بیٹھے ہوئے ہیں۔''
''بس آنے ہی والا ہے۔''
''میں شریف کے ساتھ ذرا قریبی مارکیٹ تک جا رہی ہوں۔'' اس نے یاد آنے پر بتایا۔
''پیدل جاؤ گی۔ کتنی دفعہ کہا تھا تم سے ڈرائیونگ سیکھ لو۔ میں ڈرائیور کو بھیج دیتا ہوں بلکہ میں خود بھی بہت اچھا ڈرائیور ہوں۔'' آخر میں وہ شوخ ہوا۔
''ڈرائیور کی ضرورت نہیں، میں نے یہیں جانا ہے اور کچھ زیادہ شاپنگ نہیں کرنی بس کچن کا ضروری سودا سلف ختم ہوا ہے وہی لینا ہے۔'' وہ اس کا مطلب سمجھ کر مسکرادی۔
''تو پھر شریف کو یہ بھیج دو۔''
''میں آج پہلی مرتبہ کوکنگ کرنے لگی ہوں اتنے عرصے بعد لسٹ بناؤں گی تو آدھی چیزیں پھر رہ جائیں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں ہم تھوڑی دیر تک واپس آجائیں گے اور اب فون بند کریں مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔'' اسے خدا حافظ کہنے کے بعد وہ کمرے میں آئی اور ہینڈ بیگ چیک کرتے ہوئے واپس کچن میں آئی جہاں شریف کھڑا تھا۔
''آجاؤ شریف!'' اسے ہدایت دیتی وہ باہر نکلی تو شریف بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔
''شریف! تم نے شادی کیوں نہیں کی ابھی تک۔'' مچھلی مصالحہ ٹوکری میں رکھتے ہوئے اس نے یونہی شریف سے پوچھ لیا۔
''ابھی میری عمر ہی کیا ہے جی!'' شریف شادی کے تذکرے سے بری طرح شرما گیا۔
''ماشاءاللہ! دودھ کے دانت ٹوٹ گئے تمہارے یا نہیں؟'' اس کے جواب کا لطف اٹھائے ہوئے اس نے مسکرا کر دریافت کیا۔
''اب میں اتنا بھی ''کاکا'' نہیں ہوں جی!'' وہ سینہ پھلا کر قدرے فخر سے بولا۔
''تم واقعی ''کاکا'' نہیں ''پٹاخہ'' ہو۔'' کاؤنٹر پہ پہنچ کے اس نے پے منٹ کی۔
وہ اسٹور سے باہر نکل رہی تھی جب اس کا اپنا ہی پاؤں کسی چیز سے اٹک کر زور سے مڑا۔ شاپنگ بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور وہ سی کرتے ہوئے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ عین اسی وقت اسے فائر کی آواز سنائی دی اور گولی زن سے اس کے سر کے اوپر سے گزرتی چلی گئی۔ شریف نے زور سے چیخ ماری اور اس کا بازو پکڑ کر زور سے دائیں طرف گھسیٹا تھا۔ اسی وقت دوسرا فائر ہوا تھا اور وہ بال بال بچی تھی۔ لیکن اس کے حواس بری طرح معطل ہوئے تھے۔ شریف کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ فائرنگ کی آواز سن کے اردگرد کافی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان کے گرد جمگھٹا بن گیا تھا۔ شاپنگ بیگ ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔
''میڈم پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔''
''ان کی کسی سے دشمنی ہے؟''
''کہیں کسی لڑکے وڑکے کا تو چکر نہیں؟''
مختلف قسم کی آوازیں ابھری تھیں۔ مناہل کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ آخری بات جو اس کے کانوں میں پڑی کوئی پولیس کو بلانے کا کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔

''سر! آپ کے کسی ملازم شریف کا فون ہے کسی ایمرجنسی کا ذکر کر رہا ہے۔'' انٹرکام کے دوسری طرف اس کی سیکرٹری کی آواز تھی۔ داؤد سلمان کی چھٹی حس نے خطرے کا اعلان کیا تھا۔

''کرواؤ بات۔'' اس نے دھڑکتے دل سے کہا۔

''ہیلو صاحب جی! میں شریف ہوں بیگم صاحبہ یہاں ہاسپٹل میں ہیں آپ فوراً آجائیں۔'' شریف کی گھبرائی ہوئی آواز پہ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

''کس ہاسپٹل میں؟'' چیئر دھکیل کر وہ مضطرب انداز میں کھڑا ہو گیا۔ شریف سے ہاسپٹل کا نام پوچھ کر اس نے ریسیور نیچے پھینکا، کی رنگ اٹھائی اور سب سے معذرت کرتا ہوا برق رفتاری سے باہر نکل گیا۔

''میں انہیں دیکھا نہیں وہ کون لوگ تھے۔ انہوں نے بیگم صاحبہ پر دو مرتبہ گولی چلائی لیکن اللہ نے دونوں مرتبہ ہی بچالیا۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ بے ہوش ہو گئیں۔ کافی لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ میں انہیں ہاسپٹل لانے کے بعد فوراً آپ کو فون کر دیا۔'' شریف اسے تفصیل بتا رہا تھا۔ جب کہ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

مناہل پہ قاتلانہ حملہ.....؟

وہ کون وہ سکتا ہے.....؟

اسی وقت اسے ڈاکٹر عبدالقیوم روم سے نکلتے نظر آئے تو وہ لپک کے ان کی طرف بڑھا۔

''ڈاکٹر صاحب! میری مسز.....'' اس نے بے چین لہجے میں دریافت کیا۔

''ڈونٹ وری ینگ مین! انتہائی خوف اور دہشت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہیں میں نے میڈیسن لکھ دی ہیں پریشانی والی بات نہیں وہ جلد ہی ہوش میں آجائیں گی انشا اللہ۔'' وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر آگے بڑھ گئے تو وہ بے قراری سے روم کی طرف بڑھ گیا۔

نرس اس کے بازو میں انجکشن لگا رہی تھی۔ مناہل کے ماتھے اور بازو اور دونوں پاؤں پر چوٹوں کے نشان تھے۔ دوائیوں کے زیر اثر وہ سو رہی تھی۔ داؤد سلمان نے نرمی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

''ابھی تو میں نے مناہل کی آنکھوں میں اپنے لئے محبت دیکھی تھی۔ ابھی تو اس کی زبان نے محبت کے الفاظ بولنا سیکھے تھے۔ ابھی تو اس نے مجھ سے شرمانا سیکھا تھا۔ ابھی تو اس نے مجھے اپنا تسلیم کیا تھا۔'' وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کہا بھی تھا مت جانے دو مجھے آفس۔ تم نے زبردستی بھیجا تھا مجھے مناہل! اب کیوں خود کو مجھ سے دور کر رہی ہو۔ اس لئے بھیجا تھا مجھے۔ میں تمہاری ایک لمحے کی جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتا جانتی ہو ناں۔'' ضبط کے باوجود اس کے چند آنسو پھسل ہی گئے تھے۔

''آپ ان کے ہزبینڈ ہیں؟'' روم میں موجود نرس نے اس کی بے تحاشا محبت محسوس کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی..... میں ان کا ہزبینڈ ہوں۔'' اسے اپنا لہجہ بھی نم ہی لگا تھا۔

''زیادہ پریشانی والی بات نہیں ہے مسٹر!'' نرس نے اسے تسلی دی تھی۔ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''ہیلو داؤد بیٹا!'' کوریڈور میں کرنل فاروق یوسفی اور ان کی مسز کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔

''ہیلو۔'' اس نے مصافحہ کیا۔

''مناہل کی طبیعت کیسی ہے؟'' ان کے سوال پہ داؤد نے بے حد چونک کر انہیں دیکھا۔

''آپ کو کس نے بتایا؟''

''ادھر آؤ، ادھر بیٹھو۔'' نوشین یوسفی نے بینچ کی طرف اشارہ کیا تو وہ تینوں اس بینچ پر بیٹھ گئے۔

''دیکھو بیٹا! بعض اوقات انسان جذبات میں آکر بہت کچھ کر جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نادم

ہو تو ایسا شخص قابل معافی ہو سکتا ہے۔'' کرنل یوسفی کی مبہم بات پر اس نے الجھ کر انہیں دیکھا تھا۔

''میں سمجھا نہیں آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''دیکھو بیٹا! تحمل سے میری بات سنو تمہارے اور خلدون کے درمیان ایک مرتبہ تلخ کلامی ہوئی تھی کچھ عرصہ پہلے۔ لیکن خلدون نے مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مگر میں نہیں جانتا تھا اس کا ردعمل اتنا شدید ہوگا کہ وہ انتہائی قدم اٹھا لے گا۔ ابھی بھی اس کے دوست نے مجھے فون کر کے مناہل کے بارے میں اطلاع دی ہے۔ ہم نے سن کے فوراً یہاں بھاگے آئے۔ خلدون کی طرف سے ہم تم سے معذرت کرتے ہیں۔''

کرنل یوسفی نے اپنے لہجے کو حتیٰ الامکان نرم اور میٹھا رکھنے کی کوشش کی تھی۔ داؤد سلمان کی کیا حیثیت ہے اور اس کے کتنے سورسز ہیں وہ بخوبی جانتے تھے اسی لئے معاملے کو سیدھے طریقے سے نمٹانا چاہتے تھے۔

''کیا؟ یہ حرکت خلدون کی ہے۔'' داؤد سلمان کا تو میٹر ہی گھوم گیا۔ وہ جتنے اشتعال سے چلایا تھا نوشین یوسفی کا تو دل دہل گیا۔

''بیٹا! ہم اس کو سخت سزا دیں گے اور ہم اس کی طرف سے معذرت کر رہے ہیں۔'' نوشین یوسفی نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''اگر مناہل کو کچھ ہو جاتا یا اب اگر اسے کچھ ہو گیا تو میری بات یاد رکھیں مسٹر اینڈ مسز یوسفی میں خلدون کو پاتال سے بھی کھینچ کر اس سے انتقام لے لوں گا۔'' غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے وہ طیش سے بولا۔

''اسے کچھ نہیں ہوگا انشا اللہ! تم تسلی رکھو۔'' کرنل یوسفی نے بمشکل اس کے اشتعال کو کم کیا تھا۔

جب تک مناہل کو ہوش نہیں آ گیا تھا وہ دونوں بھی اپنی مصروفیات ترک کر کے داؤد سلمان کے ہمراہ ہی رہے تھے۔

مناہل کو ہوش تو آ گیا تھا۔ لیکن اس کے سر میں شدید درد ہو رہی تھی اور اسی درد کی وجہ سے اسے ٹمپریچر ہو گیا تھا۔ شام تک مناہل کے گھر والے پہنچ گئے تھے۔ گاؤں بھی فون کر دیا تھا وہ لوگ کافی دیر سے پہنچے تھے۔

مناہل گھر شفٹ ہو چکی تھی۔ وہ سب ہتھیلی کے چھالے کی طرح اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اتنی محبتیں پا کر مناہل کا دل بار بار بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر بجا رہا تھا۔

کرنل فاروق یوسفی اپنی مسز اور بیٹے کے ہمراہ مناہل کی عیادت کے لئے آئے تھے۔ داؤد سلمان تو اسے معاف کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا لیکن سب کے سمجھانے بجھانے اور خلدون کے معافی مانگنے پر وہ بمشکل آمادہ ہو گیا تھا۔

''داؤد بھائی! کل یکم جنوری ہے ناں۔'' مناہل کو دوا کھلانے کے بعد وہ سٹنگ روم میں آیا تو نوشابہ نے پوچھا۔

''ہاں کل یکم جنوری ہے سال کا پہلا دن۔''

''کل مناہل آپی کی برتھ ڈے ہے۔'' نوشابہ نے بتایا تو وہ اچھل پڑا۔

''رئیلی۔''

''آپ کو نہیں پتہ۔'' اب حیران ہونے کی باری اس کی تھی۔

''شاید ذہن سے نکل گیا۔'' اس نے فوراً بات بنائی۔

''کیا ہمیں کل کے دن کو سلیبریٹ نہیں کرنا چاہیے۔ سب جمع بھی ہیں۔ ایک چھوٹا سا فنکشن بھی ہو جائے گا۔ وہ کیا کہتے ہیں موقع بھی ہے دستور بھی ہے۔'' نوشابہ نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو وہ بھی ایکسائٹڈ ہو گیا۔

''آئیڈیا تو اچھا ہے کیا مناہل کو بھی اس کے متعلق آگاہ کرنا ہے۔'' اس نے تائیداً سر ہلاتے ہوئے کہا تو نوشابہ نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''داؤد بھائی! آپ بالکل ڈفر ہیں۔ صحیح کہتی تھیں مناہل آپی ان وڈیروں میں عقل واقعی نہیں ہوتی۔'' نوشابہ نے افسوس بھرے انداز میں کہا تو وہ احتجاجاً چلا اٹھا۔

''اچھا..... اچھا..... زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے مناہل آپی کو سرپرائز دینا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ فوراً بولا۔

آج اس کی طبیعت کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔ سب نے اس کا خیال بھی بہت رکھا تھا۔ نوشابہ نے زبردستی اسے تیار کیا تھا۔ پنک کلر کی گھٹنوں سے اونچی شرٹ اور آف وہائٹ چوڑی دار پاجامہ، آف وہائٹ اور پنک ٹائی اینڈ ڈائی کا بڑا سا دوپٹہ کندھوں پہ پھیلائے وہ بالکل بچی ہی لگ رہی تھی۔

نوشابہ نے اسے میک اپ کرنے کے ساتھ ہم رنگ جیولری بھی پہنا دی تھی۔

''نوشابہ نے خوامخواہ مجھے اتنا تیار کر دیا گھر میں سب موجود ہیں اور میں یوں بنی سنوری اچھی لگتی ہوں۔'' آئینے میں تنقیدی نظر سے اپنا جائزہ لیتے ہوئے اس نے کہا۔

''نہ صرف اچھی لگتی ہیں بلکہ بہت اچھی لگتی ہیں۔'' نوشابہ نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''چلیں آئیں، نیچے چلیں، آپ کی ساس محترمہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھی اسی وقت داؤد سلمان اندر داخل ہوا تھا۔

''نوشابہ یہ خوبصورت سی لڑکی تمہارے ساتھ کون ہے۔'' اس نے شرارت سے نوشابہ سے دریافت کیا۔

''کیا..... اتنی جلدی بیوی کی شناخت بھول گئی۔'' مناہل نے آنکھیں نکالیں۔ تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

''میرا خیال ہے اب یہاں میرا کام نہیں۔ آپ کے شوہر نامدار ہی کافی ہیں۔''

''سمجھدار ہو۔'' داؤد سلمان مسکرایا تو وہ ہنستی ہوئی باہر چلی گئی۔

''آہم.....'' وہ قریب آ کے کھنکھارا۔

''اچھی لگ رہی ہو بلکہ بہت اچھی۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا ناں مناہل! تو ساری عمر میں خود کو معاف نہیں کر سکتا۔'' اس کا انداز و لہجہ ہمیشہ کی طرح نرم اور مہربان تھا۔ مناہل کو پتہ نہیں کیا ہوا تھا۔ ایک دم اس کے سینے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

''ارے..... کیا ہوا.....'' وہ بوکھلا گیا۔

''میں بہت بری ہوں ناں میں نے آپ کو بہت تنگ کیا ہے۔ ثمین کی باتوں میں آ کر خوامخواہ آپ پر شک رہی۔ میں بہت بری ہوں، مجھے معاف کر دیں۔'' وہ روتے ہوئے مسلسل کہہ رہی تھی۔

''پتہ نہیں یہ معافیاں مانگنے کا سیزن ہے۔ پہلے خلدون کو معاف کیا پھر ثمین کو اور اب تمہیں بھی۔'' وہ بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔

''کیا؟'' مناہل ایک جھٹکے سے اس سے علیحدہ ہوئی۔

''ثمین آپ سے ملی تھی؟''

''ملی تو نہیں خیر۔ اس کا فون آیا تھا۔ البتہ چند دنوں تک وہ پاکستان آ رہی ہے۔'' اس کی بات نے مناہل کو خاصا حیران کیا تھا۔

''اس نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''ہاں، لیکن اب مجھے ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ میری مناہل مجھے مل گئی ہے۔'' اس نے اسے قریب کیا تو وہ ہمیشہ کی طرح نروس ہوگی۔

''نیچے چلیں، اماں جان بلا رہی ہیں۔'' اس نے کہا تو داؤد سلمان اسے گھورنے لگا۔

''بہت ظالم ہو تم۔'' وہ ہنسنے لگی۔

داؤد سلمان اس کا ہاتھ تھام کے نیچے لایا۔ تو نوشابہ، ثومی اور روحیل نے ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی تھیں۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' پورا لاؤنج ان کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔ خوشی کی شدت اتنی تھی کہ اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ سب نے باری باری اسے گلے لگایا تھا۔

''چلو، اب کیک کاٹو۔'' بھابھی نے نائف اس کے ہاتھ تھمایا۔ تالیوں کے شور میں اس نے کیک کاٹا۔ کیک کا پیس ہاتھ میں پکڑ کر اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ سب نے منہ کھولے تھے کہ یہ پیس ان کے منہ میں جائے۔ مناہل نے ایک نظر ہاتھ میں پکڑے پیس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے ہی منہ میں ڈال لیا۔

''یہ فاؤل ہے۔'' وہ سب چلا اٹھے۔ مناہل ہنستی چلی گئی۔

''ہم نے اب گفٹ بھی نہیں دینے۔'' ثومی نے انگوٹھا دکھایا۔

''ارے ناراض مت ہو، میں سب کو کھلاتی ہوں۔''

''گفٹ جو لینے ہیں۔'' روحیل کے ترت جواب پہ محفل زعفران بن گئی۔

پھر اس نے کیک کاٹ کے سب کو اپنے ہاتھوں سے کھلایا تھا۔

''اللہ تمہیں سدا آباد رکھے۔'' اماں جان نے اس کا ماتھا چوم کے دعا دی۔

''اماں جان وہ والی دعا نہیں دیتی۔'' راحیل نے کہا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کون سی؟'' زرتاج بیگم نے تعجب سے دریافت کیا۔

''پوتوں والی۔'' وہ سر کھجاتے ہوئے بولا تو بے ساختہ ان سب کے قہقہے آزاد ہو گئے۔ مناہل بری طرح جھینپی تھی۔

''اللہ جلدی جلدی مجھے یہ دن دکھائیں۔'' وہ نہال لہجے میں بولیں۔

''آمین۔'' وہ سب کورس میں بولے۔ سب سے بلند آواز داؤد سلمان کی ہی تھی۔ وہ فقط انہیں گھور کے رہ گئی۔

''اب جلدی سے میرے گفٹ نکالیں۔'' مناہل موضوع بدلنے کی خاطر بولی۔

''میرا گفٹ پرسنل ہے اندر اپنے روم میں جا کر دوں گا۔'' اس کے پہلو میں کھڑے داؤد سلمان نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ سرخ پڑ گئی۔

''یہ کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں۔'' نوشابہ نے مشکوک نظروں سے انہیں دیکھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ صاف مکر گیا۔

ان سب کے گفٹس کھولتے ہوئے اس کے چہرے پہ الوہی چمک تھی۔ اس نے محبت کو پا لیا تھا۔ یہ سالگرہ اسی کی زندگی کی یادترین سالگرہ بن گئی تھی۔ روحیل اپنی بھونڈی آواز میں گا کم اور چلا زیادہ رہا تھا۔

جنگل میں منگل تیرے ہی دم سے
سب نے یہ شور مچایا ہے
سالگرہ کا دن آیا ہے، سالگرہ کا دن آیا ہے

اپنے شریک سفر کے کندھے پہ سر ٹکاتے ہوئے وہ طمانیت سے مسکرا دی۔

☆☆☆

تجھے دھڑکنوں میں بسا لوں

متعامل تنازش

وہ روٹ بس سے اتر کر لمبی سڑک عبور کر کے دائیں طرف تنگ سی گلی میں داخل ہوئی تو گلی کی نکڑ پر کھڑے مدثر پر نظر پڑتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اسے یکدم شدید گرمی کا احساس ہوا حالانکہ ابھی وسط اپریل کے دن تھے۔ اس کا موڈ پہلے ہی آف تھا اب مزید بگڑ گیا تھا۔ وہ یونیورسٹی سے بس میں کھڑی ہو کر آئی تھی۔

آج بس میں بہت زیادہ رش تھا۔ وہ بس میں کھڑی کھڑی تھک چکی تھی اور اب یہ تھکن مزید گہری ہو کر اسے اپنی روح میں اترتی محسوس ہوئی۔ اس کے شفاف ماتھے پر کئی بل پڑ گئے تھے جو کہ مدثر اس کے دور ہونے کے باوجود با آسانی گن سکتا تھا مگر ڈھیٹ بنا کھڑا رہا تھا وہ اس کے قریب سے گزری تو مدثر سر جھکائے اس کے پیچھے ہو لیا۔ تمام گلی سنسان تھی وہ اپنے پیچھے آئے مدثر کے قدموں کی آواز با آسانی سن سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ مدثر اپنی روٹین کبھی نہ بدلے گا۔ دنیا چاہے ادھر کی ادھر ہو جائے مگر مدثر اپنی عادت سے باز نہ آئے گا مگر پھر بھی ہمیشہ کی طرح روزانہ اس پر نظر پڑتے ہی چڑ جاتی تھی اس کا خون کھول اٹھتا تھا اور اس پر بے تحاشا غصہ آنے لگتا تھا وہ اس پر غصہ بھی کرتی تھی مگر وہ اس کے غصے کی پرواہ نہ کرتا اور اسے مقررہ وقت پر روزانہ یہیں ملتا اسے گھر چھوڑ کر دوبارہ دکان پر چلا جاتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا تھا، وہ اندر داخل ہوئی تو وہ واپس وہ لیا تھا۔

سباع نے اپنے کمرے میں آ کر اپنا سارا غصہ بے جان اشیاء پر نکالنا شروع کر دیا سب سے پہلے اپنا شولڈر بیگ اور فائل زور سے بیڈ پر پٹختی اور غصے سے اپنے جوتے اتار کر اک کونے میں پھینک دیئے۔ اپنی وارڈ روب سے کپڑے

نکالتے ہوئے اس نے زور سے وارڈ روب کا دروازہ بند کیا مگر اس کا غصہ تھا کہ کم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا وہ جس پر غصہ تھا اس پر تو کئی بار اپنا غصہ نکال کر دیکھ چکی تھی اس پر کچھ اثر نہ ہوا تھا اور اب بے جان اشیاء کی شامت آئی ہوئی تھی وہ کپڑے چینج کر کے کھانا کھانے کے لئے ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھی۔ بڑی اماں نے اس کے لال بھبھوکا چہرہ کو قدرے تشویش سے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے سباع؟" انہوں نے پریشانی سے اس سے پوچھا انہیں تو ویسے بھی ہمہ وقت زمانے کے تیزی سے بدلتے رنگ سے شکوہ رہتا تھا اور وہ اپنے زمانے کو یاد کرتی رہتی تھیں اب بھی انہیں ایسا ہی کوئی خیال آیا تھا جس سے ان کو پریشانی ہوئی تھی، جب کہ ان کا پوچھنا قیامت ہو گیا۔ وہ جو پہلے ہی مدثر کے خلاف بھری بیٹھی تھی یکدم پھٹ پڑی۔

"بڑی اماں آپ اپنے اس لاڈلے کو سمجھا لیں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" وہ غصے سے چیخی بڑی اماں کے لبوں پر پرسکون مسکراہٹ پھیل گئی۔ جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"بڑی اماں!" سباع احتجاجاً چیخی۔

"ارے بچی تمہیں تو وہ گھر تک چھوڑ کر جاتا ہے اس میں آخر حرج کیا ہے آج کل ویسے بھی زمانہ....." ان کی تان ہمیشہ کی طرح زمانہ پہ آ کر ٹوٹی تو سباع کا ضبط جواب دے گیا۔

"بس آپ اسے سمجھا لیں۔" وہ غصے سے دھیمی آواز میں بولی کہ کہیں فاطمہ نہ سن لیں۔ جو نماز ظہر ادا کر رہی تھیں۔ وہ تو ویسے ہی مدثر اور عبداللہ بلکہ اس گھر کے کسی فرد کا بھی نام سننے کی روادار نہ تھیں اور بڑی اماں کو اپنے دونوں بیٹوں کی اولادیں یکساں عزیز تھیں، سباع نے بڑی اماں کے احساسات سمجھتے ہوئے اپنی آواز دانستہ دھیمی کر لی تھی کہ فاطمہ تو سارا قصہ سن کر ابھی اک ہنگامہ کھڑا کر دیتیں۔ سباع نے ان سے ابھی تک یہ ذکر نہ کیا تھا۔

"ارے میری لعل! وہ بچہ تمہیں آخر کہتا کیا ہے۔" بڑی اماں نے لاڈ سے اس کا غصہ کم کرنا چاہا۔

"بچہ؟" سباع کو پانی پیتے پیتے اچھو لگ گیا اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں اس کی نگاہوں کے سامنے "بچہ" کا مکمل نقشہ گھوم گیا۔ چھ فٹ قد، گوری رنگت، بادامی آنکھیں، چوڑے کندھے اور قدرے بھاری جسامت۔

"بلکہ میں مدثر سے کہوں گی کہ وہ تمہیں روزانہ گھر چھوڑ جایا کرے تمہارا بس سٹاپ گھر سے دور بھی تو ہے۔" اماں اس کی حیرت کا برا مان کر غصے سے بولیں تو وہ بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی اماں جس بات کا فیصلہ کر لیتی تھیں اسے ہر حال میں پورا کرتی تھیں۔

"کہاں تھے تم؟" عبداللہ نے فارغ ہوتے ہی اس کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ وہ جب واپس آیا تھا تو دکان پر کافی رش تھا اس نے آتے ہی باپ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا اور گاہک نبٹاتے نبٹاتے تقریباً بیس منٹ لگ گئے۔ عبداللہ نے رش ختم ہوتے ہی مدثر سے پوچھا۔ جو پیسے گن رہا تھا۔ وہ باپ کے سوال پر پیسوں کی گنتی بھول گیا۔ اب اسے اپنے باپ کی ڈانٹ سننا پڑے گی۔ اس نے سوچا اور کرسی پر بیٹھے باپ کے پاس نیچے فرش پر آن بیٹھا۔

"بابا! وہ..... وہ۔" نظریں جھکا کر کوئی بہانہ سوچنے لگا تھا وہ۔

شاید زندگی میں پہلی بار اپنے بابا سے جھوٹ بولنے لگا تھا اسے زندگی میں کبھی ان سے جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی وہ اس کے دوست بھی تھے اور اس کی پسند و ناپسند سے بخوبی واقف تھے اب جھوٹ بولنے کی ضرورت پڑی تو

اس کو ہمت نہ ہو رہی تھی۔

''تم سباع کے گھر گئے تھے۔'' انہوں نے بیٹے کا جھکا سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا جہاں سباع کی محبت کے گہرے رنگ تھے وہ تو اپنے بیٹے کی ہر عادت و پسند سے واقف تھے پھر بھلا اس کی زندگی کی سب سے بڑی سچائی کو کیسے نہ پہنچانتے۔ وہ خفیف سا ہنس دیا۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''مگر یار تمہارے پیچھے کام کا بڑا حرج ہوتا ہے میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں یہ سب اکیلے نہیں سنبھال سکتا۔'' انہوں نے اسے سمجھایا۔ انہوں نے آج سے بیس سال قبل گھر کے قریب ایک چھوٹا سا جنرل سٹور کھولا تھا، اللہ نے انہیں خوب برکت دی اور انہوں نے مزید دو جنرل سٹور کھول لئے جہاں تمام اشیائے خورد و نوش کے ساتھ ساتھ کاسمیٹکس کا سامان بھی دستیاب تھا۔ مدثر کو اپنی ذمہ داری سے کوتاہی پر شرمندگی تھی۔

''بیٹا آج شام کو گھر جاتے ہوئے تم بڑی اماں کو ابراہیم بھائی کے ہاں سے لیتے آنا کل عائزہ اور شائزہ رہنے کے لئے آ رہی ہیں۔'' عبداللہ بیٹے کو شرمندہ ہوتے نہ دیکھ سکے تو بات بدل گئے۔

''اچھا۔'' وہ انہوں کے آنے کا سن کر بہت خوش ہوا تھا۔ عائزہ اور شائزہ ایک ہی گھر میں بیاہی ہوئی تھیں اور اکٹھے میکے رہنے کے لئے آئی تھیں۔ اب بھی ان دونوں کا اکٹھے آنے کا پروگرام تھا وہ ہمیشہ آنے سے پہلے فون کر دیتیں تاکہ بابا گھر میں بڑی اماں کو لے آئیں جو کہ تایا ابراہیم کے گھر رہتی تھیں اور ذکیہ کی وفات کے بعد انہی کے پاس آ گئی تھیں وہ سارا دن عبداللہ اور مدثر کے پیچھے گھر میں تنہائی محسوس کرتی تھیں اسی لئے وہ دن میں ابراہیم کے ہاں اور رات کو عبداللہ کے پاس آ جاتیں۔ چونکہ گھر جنرل سٹورز سے

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب 135/-

خمار گندم 00/-

دنیا گول ہے 25/-

آوارہ گرد کی ڈائری 00/-

ابن بطوطہ کے تعاقب میں 0/-

چلتے ہو تو چین کو چلئے 0/-

نگری نگری پھرا مسافر 5/-

خط انشاجی کے ..... /-

بستی کے اک کوچے میں ..... -

چاند نگر .....

دل وحشی .....

آپ سے کیا پردہ .....

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو .....

انتخاب کلام میر .....

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر .....

طیف غزل .....

طیف اقبال .....

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازا

فون نمبرز: 690-7310797

بہت قریب تھا۔ اسی لئے عبداللہ دن میں گھر کے کئی چکر لگا لیتے تھے۔ پھر سارا دن دکان پر مصروف رہنے کے بعد عبداللہ شام کو گھر جاتے ہوئے اماں کو اپنے ہمراہ گھر لیتے گئے۔

تیرے آنے سے پہلے، تیرے جانے کے بعد
آئی ہے، آئی ہے، تیری ہی یاد
تیری ہے یاد ستائے رے
سینے سے دل چلا جائے رے
دیکھوں تجھے تو چین آئے رے
سینے سے دل چلا جائے رے

''السلام وعلیکم!'' وہ کھلا گیٹ عبور کر کے اندر داخل ہوئی تو بڑا سا صاف ستھرا صحن اور برآمدہ سنسان پڑا تھا اس نے مکینوں کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے ممانی پر نظر پڑتے ہی سلام کیا تو اندر کمرے میں ڈیک پر اونچی آواز میں گانا سننے میں زمعہ اور عباد چونکے اور ڈیک آف کر کے تیزی سے باہر آئے جہاں سباع صادقہ سے گلے مل رہی تھیں۔

''آ گئی ہماری یاد۔'' وہ ممانی سے ملنے کے بعد زمعہ کی طرف بڑھی تو اس نے جوش و محبت سے اس کے گلے لگتے ہوئے شکوہ کیا تھا وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ اس کے ہونٹوں کے گوشوں پر پھیلتی مسکراہٹ عباد کو چاندنی کی مانند روشن لگی تھی وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا وہ اس سے دو ہفتوں کے بعد مل رہا تھا۔ زمعہ اسے لئے اپنے کمرے میں آ گئی جہاں کشن اور مونگ پھلی کے چھلکے جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔

''تم دونوں کیا لڑ رہے تھے۔'' سباع نے عباد کو دیکھتے ہوئے زمعہ سے پوچھا تھا۔

''جی نہیں۔''

''یہ سب بکھیڑا آپ کے صاحب بہادر کا ہے۔ سباع میں تو بھیا سے اکثر کہتی ہوں بھائی آپ اب سدھر جائیں سباع بہت نفیس طبیعت کی مالک ہے۔'' سباع جتنی صفائی پسند اور نفیس طبیعت کی مالک تھی جب کہ عباد اتنا ہی لاپرواہ تھا۔ اب سباع کے دلکش چہرے پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی تھی اس نے عباد کو دیکھا جو آنکھوں میں محبتوں کا جہاں بسائے اسے محویت سے دیکھے جا رہا تھا۔

''عباد کیا تم آج آفس نہیں گئے ہو؟'' سباع میں عباد کی نگاہیں سہنے کی تاب نہ تھی اسی لئے موضوع بدل دیا تھا۔

''عباد کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی رات سے امی نے اسی لئے اسے چھٹی کروالی ہے۔'' جواب اب بھی زمعہ کی طرف سے آیا تھا۔ عباد تو خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زمعہ، صادقہ نے اسے پکارا تو وہ باہر چلی گئی۔

''کیسی ہو تم؟'' اس نے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے اپنا دائیاں کاندھا دیوار سے ٹکاتے ہوئے سباع سے پوچھا تو وہ جو پہلے ہی اس کی نگاہوں کے ارتکاز سے خائف اپنے دل کی منتشر دھڑکنیں سنبھالنے میں لگی ہوئی تھی۔ قدرے گڑبڑا کر رہ گئی۔

''ٹھیک ہوں تمہاری طبیعت اب کیسی ہے۔'' اس نے اسے اپنی خیریت بتانے کے ساتھ اس کے متعلق پوچھ لیا۔

''اب تمہارے آنے سے ٹھیک ہو گی ہے۔''

ان دونوں کی باقاعدہ منگنی نہ ہوئی تھی صرف زبانی بات طے تھی فاطمہ تو اپنے بھتیجے پر دل و جان سے قربان تھیں یہ ابراہیم تھے جو یہاں رشتہ کرنے میں قدرے متامل تھے اور فاطمہ کو یقین تھا کہ وہ وقت آنے پر شوہر کو راضی کر لیں گے اور پھر سباع بھی تو عباد کو پسند کرتی تھی، اسے بھی یقین تھا کہ بابا وقت آنے پر مان جائیں گے وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے کہ زمعہ اسی اثناء میں چائے کے

ساتھ نمکو اور بسکٹ لئے آ گئی پھر تینوں باتوں میں مصروف ہو گئے، سباع اس وقت چونکی جب برآمدے میں لگے گھڑیال نے چار بجے کا الارم بجایا۔

''اوہ میں تو یونیورسٹی سے سیدھا آئی ہوں امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' وہ چونک کر اپنا بیگ لے کر کھڑی ہو گئی اسے مدثر کا بھی خیال آیا تھا جو یقیناً اس کے انتظار میں سوکھ گیا ہو گا وہ اسی کی کیفیت کا تصور کر کے ہنس دی تھی اور دل میں خاصا محظوظ ہو رہی تھی۔ وہ ممانی سے مل کر آ گئی عباد اور زمعہ اسے گیٹ تک چھوڑنے آئے تھے۔

''بھابھی کیسی ہیں آپ؟''

اس روز ابراہیم گھر آتے ہوئے عبداللہ کو ساتھ لے کر آئے تھے وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے آئے ہوئے تھے اور فاطمہ نے ان سے ملنا یا سامنا کرنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں اسی وقت سے مقید تھیں اب وہ فاطمہ کسی کام سے اپنے کمرے سے نکلیں تو عبداللہ نے سلام کرنے کے ساتھ ان کی خیریت پوچھ لی۔ فاطمہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور وہ غصے و حقارت سے منہ پھیر کر کوئی جواب دیئے بغیر واپس اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

عبداللہ کے پاس بیٹھے ابراہیم اور بڑی اماں اپنی اپنی جگہ چور بن گئے جب کہ وہ خفیف ہو کر رہ گئے۔

''اتنے برس گزر گئے مگر بھابھی کے دل سے میرے لئے ابھی تک کدورت نہیں دھلی۔'' انہوں نے فاطمہ کے جانے کے بعد دکھ سے سوچا تھا۔ ماحول پر گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔

''عبداللہ پتر! تم اپنے مدثر کی شادی کر دو تاکہ گھر میں کوئی گھر کی دیکھ بھال کرنے والا ہو۔ تم نے اتنا اچھا گھر بنوایا ہے اب بہو بھی لے آؤ میں اب دونوں بیٹوں کے گھروں میں گھن چکر نہیں بن سکتی ہوں بہو ہو گی تو مجھے بھی تمہاری بے فکری رہے گی۔'' اماں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے گمبھیر خاموشی کا پردہ چاک کیا تھا۔

وہ عائزہ اور شائزہ کی شادی کے بعد ان کے لئے فکر مند رہتی تھیں۔

''جی اماں! میں بھی سوچتا ہوں اب کے عائزہ اور شائزہ آئیں تو انہیں بھابھی تلاش کرنے کا کہوں۔'' عبداللہ کا موڈ بدل گیا تھا ان کے لہجے میں اپنے بچوں کے لئے محبت ہی محبت تھی اور ان پر چھائی یاسیت کے بادل بھی چھٹ گئے تھے۔

بڑی اماں نے عبداللہ کے لہجے کی بشاشت محسوس کر کے سکون کا سانس لیا تھا۔

''عبداللہ کیا لڑکی کی تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔'' ابراہیم کے معنی خیز لہجے میں کہی بات سے عبداللہ اور بڑی اماں کے من کی مراد بر آئی تھی۔

''مگر بھائی جان فاطمہ بھابھی!''

عبداللہ کا دامن خدشوں سے بھر گیا وہ اپنی جگہ غلط نہ تھے اور نہ ہی ان کے خدشے بے جا تھے فاطمہ نے اپنے دل سے چھبیس سال پرانی کدورت نہ دھوئی تھی تو بھلا وہ پھر اس رشتے پر کہاں راضی ہو سکتی تھیں۔

''عبداللہ! تم فاطمہ کی فکر نہ کرو اسے میں سنبھال لوں گا بس تم اپنی بات کرو۔'' ابراہیم کا گھر میں کافی کنٹرول تھا انہوں نے اسی مان پر کہا تھا، ان کا خیال تھا کہ وہ فاطمہ کی تمام تر نفرت و کدورت کے باوجود اسے منا لیں گے وہ بے خبر تھے کہ فاطمہ اس معاملے پر کبھی سمجھوتا نہ کرتیں۔

''بھائی مجھے بھلا کیا اعتراض ہونا ہے۔'' عبداللہ نے فوراً ہامی بھر لی۔

''میں تمہیں چند روز میں فاطمہ سے بات کرنے کے بعد بتا دوں گا۔''

یہ ابراہیم کی دلی خواہش تھی کہ سباع، مدثر

کی وجہ سے انہیں شرمندگی سے ہی کام کو ادھورا چھوڑ کر اب وہ بھی اپنے تئیں مستقل کام کا ملک خود ہو سکتا تھا۔ انہیں سمجھنے میں تعلیم کے سوا کوئی کمی نظر نہ آئی تھی کہ اس نے عبداللہ اور اماں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود ایف اے سے آگے پڑھ کر نہ دیا اور عبداللہ کے ساتھ دکان میں سنبھال لیں۔ لیکن وہ اپنے سلجھے ہوئے انداز و اطوار کی بنا پر تعلیم یافتہ ہی محسوس ہوتا تھا۔ عبداللہ کا دل ابراہیم کی بات پر مارے خوشی کے بلیوں اچھلنے لگا۔ ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر گھر پہنچیں اور مدثر کو یہ خوشخبری سنائیں۔

"اچھا بھائی صاحب میں اب چلتا ہوں۔" وہ جلدی جانے کو تیار ہو گئے کہ انہیں مدثر کو بھی یہ خوشخبری سنانا تھی۔

"کیا ــــ کیا کہا آپ نے، مجھے یہ رشتہ قطعاً منظور نہیں ہے۔" فاطمہ نے قطعیت سے انکار کر دیا۔

"مگر فاطمہ تم میری پوری بات بھی تو سنو۔" ابراہیم نے انہیں قائل کرنا چاہا مگر وہ غصے سے اکھڑ گئیں۔

"کیا سنوں میں، یہی کہ آپ میری پڑھی لکھی بیٹی کو اس جاہل گنوار کے پلے باندھنا چاہتے ہیں۔" فاطمہ غصے سے چیخی۔

ابراہیم نے اسی روز رات کو فاطمہ سے بات کی تھی۔ فاطمہ ان کی بات سنتے ہی غصے سے اکھڑ گئیں ان کی نظروں کے سامنے بار بار عائشہ کا چہرہ آ رہا تھا وہ تو عبداللہ سے نفرت کرتی تھیں کجا یہ کہ ان کے ہاں بیٹی بیاہ دیں اگر ابراہیم کو فاطمہ کے دل میں چھپی اس گہری نفرت کا ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو وہ بھائی کے سامنے از خود یہ ذکر نہ چھیڑتے تاکہ بعد میں بھائی کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ وہ اب دل میں پچھتا رہے تھے کہ انہوں نے بھائی سے یہ ذکر کیوں کیا انہیں اب بھائی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔

"فاطمہ!"

"پلیز ابراہیم!" انہوں نے اپنا موقف فاطمہ پر واضح کرنا چاہا تو انہوں نے غصے سے انہیں ٹوک دیا۔

"یہ میری زندگی میں تو ہرگز نہیں ہو سکتا ہے، یہ آپ اپنے بھائی اور اماں کو اچھی طرح سمجھا دیں۔" انہوں نے غصے سے کہہ کر لحاف اوڑھ کر کمی تان لی۔

گھر میں ابراہیم اور فاطمہ ہر معاملہ مل کر ڈسکس کرتے تھے ابراہیم نے فاطمہ کو کبھی عبداللہ سے ترشی یا نفرت سے بولتے نہ دیکھا تھا۔ فاطمہ نے عبداللہ سے اپنی نفرت دل میں چھپا رکھی تھی وہ عبداللہ سے کبھی گرمجوشی سے نہ ملیں۔ تو سرد مہری بھی نہ برتی تھی کہ ابراہیم کو انہیں ٹوکنا پڑتا ان کا انداز ہمیشہ لیا دیا سا ہوتا تھا۔

مگر اب کچھ عرصے سے فاطمہ کے رویے میں انتہائی سرد مہری در آئی تھی اور ایسی ہی سرد مہری عبداللہ کے بچوں کے لئے بھی تھی اور اس کی وجہ مدثر ہی تھا جس کی نگاہوں میں سہاگ کے لئے چاہت کے رنگ فاطمہ سے چھپے نہ رہ پائے تھے اور یہ انہیں کسی طور گوارا نہ تھا اسی لئے وہ اب اکثر اپنی نفرت و سرد مہری ظاہر کر دیتیں جس سے ابراہیم کو اکثر و بیشتر ماں اور بھائی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔ ابراہیم نے اپنے بائیں سمت لیٹی فاطمہ کو تاسف سے دیکھا اور خود بھی لائٹ آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگے۔

وہ حسب معمول رات گئے دکان سے گھر آیا تو گیٹ پر اس کی آہٹ پا کر عبداللہ نے گیٹ کھول دیا مدثر کے پاس اک ڈپلیکیٹ چابی موجود تھی تاکہ وہ جب گھر آئے تو اسے دروازہ کھٹکھٹا

Afreela Pakistanipoint

کر بابا اور اماں کی نیند خراب نہ کرنا پڑے، مدثر نے اب بھی گیٹ کھولنے کے لئے چابی جیب سے نکالی تھی مگر گیٹ پہلے ہی کھلنے پر چونکا۔ عبداللہ گیٹ کھول کر سائیڈ پر ہوئے تو وہ اندر داخل ہوا اور سفید سنگ مرمر سے بنے کھلے صحن میں بچھی چارپائیوں میں سے ایک پر بیٹھی بڑی اماں کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گیا۔ وہ رات جلد سونے کی عادی تھیں ان کا رات گئے تک خلاف معمول جاگنا مدثر کو ٹھٹکا گیا تھا۔

''آؤ بیٹا! تم رک کیوں گئے ہو۔'' اس کے کانوں سے اماں کی مخصوص نرم شفیق آواز ٹکرائی تو وہ دل میں الجھن لئے ان کے پاس آن بیٹھا تھا۔

''بیٹا تمہیں سباع کیسی لگتی ہے۔'' چند لمحوں بعد ماحول پر چھائی خاموشی کو اماں نے توڑا تھا جب کہ وہ ان کی خاموشی سے مزید تشویش زدہ ہو چکا تھا۔ وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

''کیا فاطمہ آنٹی۔'' وہ سوچ کر رہ گیا تھا۔

وہ بچپن سے اپنے اور بہنوں اور والدین کے لئے فاطمہ آنٹی کے انداز و اطوار اور لہجے میں ایک نامحسوس سی سرد مہری اور بیگانگی دیکھتا آیا تھا جو کہ امی کی وفات کے بعد ظاہر ہونے لگی تھی اور اب کچھ عرصے سے تو وہ مدثر سے سیدھے منہ بات تک نہ کرتی تھیں بلکہ اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیتی تھیں اور رہی سباع گو وہ چچا عبداللہ کی فیملی سے ماں کی طرح سرد مہری یا بیگانگی تو نہ برتتی تھی مگر ان کے لئے کوئی خاص گرمجوشی بھی دل میں نہ رکھتی تھی اور پھر وہ ماں کے رویئے کی وجہ سے بخوبی واقف تھی اور ماں سے خاصا دبتی بھی تھی۔

''بیٹا تم کچھ بولو تو سہی۔'' وہ اس کی خاموشی سے خائف ہو گئیں، یہ ان کی دلی خواہش تھی کہ سباع، مدثر کی دلہن بنے۔ سوچ میں گم مدثر نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''بیٹا! تمہارے ابراہیم تایا نے خود مجھ سے آج یہ بات کی ہے۔'' وہ باپ کی طرف خوشگوار انداز سے دیکھنے لگا جو اس کے لئے کھانا گرم کر کے لائے تھے انہوں نے اس کے آگے کھانا رکھا تو وہ کھانا کھانے لگا۔

''اماں جیسے آپ کی خوشی۔'' وہ بولا تو اماں کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

''جیتے رہو میرے بچے۔'' انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔ عبداللہ مسکرانے لگا۔

''فاطمہ تم میرا ایک فیصلہ سن لو کہ سباع کی شادی مدثر سے ہو گی۔'' ابراہیم نے اس روز رات کو سونے سے قبل فاطمہ کو اپنا حتمی فیصلہ سنایا تو وہ شاکڈ رہ گئیں اور پھر غصے سے کھولنے لگیں۔ انہوں نے ایک قہر بھری نگاہ ابراہیم پر برسائی جو اب لاتعلق سے سونے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں فوراً اندازہ ہو گیا کہ ابراہیم اب اپنے فیصلے سے ایک انچ نہ ہٹیں گے۔ ابراہیم، صادقہ کی لالچی فطرت سے بخوبی آگاہ تھے انہیں فاطمہ کے انکار کی وجہ سمجھ میں آ چکی تھی مگر وہ سباع کا رشتہ وہاں نہ کرنا چاہتے تھے کہ صادقہ کی نظر سباع سے زیادہ ان کی دولت پر تھی۔

ان کی کپڑوں کی دکان تھی جو خوب چلتی تھی اور اب ان کا ارادہ صدر بازار میں بھی دو نئی دکانیں خریدنے کا تھا۔ فاطمہ کو شوہر کے اٹل و حتمی فیصلے میں لچک نہ آئی تو انہیں نرمی اپنانے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

''کیا آپ نے سباع سے اس کی مرضی پوچھی ہے۔'' فاطمہ کے سوال نے ابراہیم کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

''تم اسے بلاؤ میں ابھی اس کی رائے لے لیتا ہوں۔'' انہوں نے فاطمہ سے کہا تو وہ جا کر سباع کو بلا لائیں جو اپنے کل کے ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی۔

فاطمہ نے اسے ابراہیم کا پیغام دیا اور رکے بغیر واپس چلی گئیں۔ وہ متعجب سی اٹھ کر ان کے کمرے میں چلی آئی۔

''سباع میرے پاس آ کر بیٹھو بیٹا!''

ابراہیم نے سیدھے ہوتے ہوئے اپنے قریب بیٹھنے کا کہا تو وہ ان کے پاس آن بیٹھی۔

''بیٹا! میں تمہاری شادی مدثر سے کرنا چاہ رہا ہوں جب کہ تمہاری امی عباد کو پسند کرتی ہیں۔ تمہاری کیا رائے ہے۔'' ابراہیم نے بلا تمہید اسے پوچھا تھا، وہ اک بے نام سی بے چینی محسوس کر رہی تھی، یہ نہ تھا کہ ابراہیم کوئی سخت گیر باپ تھے وہ تو اک نرم و مشفق باپ تھے جو اسے بے حد چاہتے تھے۔ عباد کے نام پر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں تھی۔ وہ اضطراری انداز میں اپنی انگلیاں چٹخانے لگی تھی۔

''بابا! وہ.....وہ۔'' وہ جھجک کر رک گئی۔

''کہو بیٹا!'' انہوں نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''بابا وہ عباد صحیح ہے۔'' اس نے اٹک اٹک کر اپنی بات مکمل کی تھی۔

''بیٹا! میری ایک بات یاد رکھنا ہم سے زندگی میں ملنے والا ہر شخص ہمارے قابل نہیں ہوتا اور نہ ہم ہر شخص کے قابل ہوتے ہیں تم خوب سوچ سمجھ کر مجھے کل بتا دینا۔'' انہوں نے اسے بردباری سے سمجھایا تو فاطمہ نے اک طنزیہ و سلگتی نگاہ ابراہیم پر ڈالی جیسے کہہ رہی ہو۔

''کیوں کیا بیٹی کا فیصلہ قبول نہیں ہے۔''

سباع اب بھی گھبراہٹ کا شکار تھی نجانے کیوں، ابراہیم کی جہاندیدہ نگاہیں اس کے محفوظ مستقبل پر تھیں جب کہ وہ نادان لڑکی دل کی سن رہی تھی جو تڑپ تڑپ کر عباد کے نام کی دہائیاں دے رہا تھا۔ بلاشبہ مدثر بھی سوائے تعلیم کے کوئی کمی نہ تھی، ابراہیم اسے اس کی سلجھی ہوئی طبیعت اور خوبیوں کی بناء پر اسے پسند کرتے تھے اور عباد کو اس کی خود پسند طبیعت کی وجہ سے ناپسند، اور یہ حقیقت بھی تھی اسے اپنی بے پناہ خوبروئی و وجاہت کے احساس نے احساس برتری میں مبتلا کر دیا تھا اور پھر وہ پورے خاندان میں پہلا لڑکا تھا جو ایم بی اے کر چکا تھا۔

''بابا مجھے عباد پسند ہے۔'' اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر اگلے دن اپنی پسند بتا دی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! جیسے تمہاری خوشی۔''

گو ابراہیم کو بھائی کی نظروں میں ہیچ ہونے کا احساس تھا مگر انہوں نے سباع کی خوشی کو اولیت دی تھی وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی اور پھر زندگی تو سباع کو گزارنا تھا۔ ابراہیم نے اس کے فیصلے کو خوشدلی سے مان لیا تو وہ اپنے خوشی سے ہمکتے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''فاطمہ مجھے عباد کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اب تم جو چاہو کرو۔'' انہوں نے سباع کے جانے کے بعد کہا تھا فاطمہ کے لبوں پر اک آسودہ و فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی آج پھر انہیں عائشہ بہت یاد آئی تھی۔ وہ آج خود کو عائشہ کے سامنے سرخرو محسوس کر رہی تھیں اگر عائشہ کے دل کی کلی نہ کھلی تھی تو مدثر کا دل بھی مرجھا گیا تھا۔ انہیں مدثر کے دل میں سباع کی محبت کا احساس تھا اور یوں انہوں نے اپنی دانست میں عبداللہ سے چھبیس سالہ حساب بے باق کیا تھا۔

سائرہ اور زائرہ دو بہنیں تھیں دونوں میں بے پناہ محبت تھی جو وقت کے ساتھ بڑھتی گئی سوئے اتفاق کہ دونوں بہنوں کو سسرال بھی ایک ہی ملا تھا۔ یوں دونوں بہنیں دیورانی اور جیٹھانی بن کر یہاں بھی اکٹھی تھیں، اللہ تعالیٰ نے سائرہ کو دو بیٹوں ابراہیم اور عبداللہ سے نوازا تھا جب

کہ زائرہ کو دو بیٹیوں فاطمہ اور عائشہ اور بیٹے اسحٰق سے نوازا تھا دونوں بہنوں نے اپنی محبت کو ابراہیم اور فاطمہ، عبداللہ اور عائشہ کا رشتہ جوڑ کر مزید مستحکم کیا ابراہیم اور فاطمہ تو اس رشتے پر بے حد خوش تھے جب کہ عبداللہ نے اپنے رشتے کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیا انہیں اپنی کلاس فیلو ذکیہ پسند تھیں۔ سائرہ نے بیٹے کو دبانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔ اسی دوران دونوں بہنوں نے فاطمہ اور ابراہیم کی شادی کر دی۔ عبداللہ کا انکار اقرار میں نہ بدلا تو اس کے انکار سے دلبرداشتہ ہو کر عائشہ نے خودکشی کر لی جو صرف عبداللہ سے محبت کرتی تھی۔ سوئے اتفاق عائشہ کی وفات کے تین ماہ بعد اصغر، اطہر اور زائرہ ایک ٹریفک حادثے میں جان بحق ہو گئے تھے سائرہ بھی شوہر، جیٹھ اور بہن کے ہمراہ تھیں مگر انہیں خوش قسمتی سے معمولی چوٹیں آئیں انہوں نے روبصحت ہو کر چند ماہ بعد عبداللہ کی شادی ان کی پسند سے کر دی انہیں ذکیہ بے حد پسند آئی تھیں مگر وہ عائشہ کو بھی نہ بھولی تھیں ان کا رویہ ذکیہ سے لیا دیا تھا۔

ذکیہ نے جلد ہی اپنی خدمت گزاری سے گھر بھر کا دل جیت لیا مگر فاطمہ کو ان سے جیسے خار تھی وہ ان کے ہر کام میں مین میخ نکالتی، ان سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ پڑتیں۔ سائرہ نے گھر میں سکون کی خاطر دونوں بیٹوں کو الگ کر دیا۔ ابراہیم کا کپڑے کا کاروبار اور عبداللہ کا جنرل سٹور خوب پھلنے پھولنے لگا۔ ابراہیم کے ہاں شادی کے دس سال بعد سباع پیدا ہوئی اس اثناء میں عبداللہ تین بچوں، عائزہ، شائزہ اور مدثر کے باپ بن چکے تھے، سباع گھر بھر کی لاڈلی تھی اماں اور ننھا مدثر (جو اس وقت تین سال کا تھا) ننھی سباع سے بہت لاڈ کرتے۔ وقت گزرتا رہا ایسے میں وقت کی پرسکون جھیل میں ذکیہ کی اچانک ہارٹ اٹیک سے وفات ہونے پر ہلچل پڑ گئی۔ عبداللہ جیسے اندر سے ٹوٹ گئے اس کڑے وقت میں ابراہیم اور اماں نے ان کا بے حد ساتھ دیا تھا۔ فاطمہ کا بغض ذکیہ کی وفات کے بعد مزید بڑھ گیا اور انہوں نے کھلے عام عبداللہ اور ان کے بچوں کی مخالفت شروع کر دی بلکہ اک محاذ جنگ کھول لیا، شائزہ اور عائزہ کی دو سال قبل شادیاں ہوئی تھیں اور عبداللہ اور اماں اب مدثر کی شادی کرنا چاہ رہے تھے اور ان کا نظر انتخاب سباع ٹھہری تھی۔ فاطمہ کو قدرت نے انتقام کا اک موقع دیا تو انہوں نے نہ گنوایا وہ مدثر کو تصور میں بے چین دیکھ کر خوش تھیں اگر مدثر ناخوش ہوتا تو عبداللہ بے چین ہوتے اور اگر عبداللہ بے چین ہوتے تو فاطمہ اتنا ہی خوش ہوتی اپنی بہن کے قاتل کی اداسی اور بے چینی پر، وہ چھبیس سال گزرنے کے باوجود دیور کو دل سے معاف نہ کر پائی تھیں بلکہ وہ جب جب عبداللہ کو خوش یا مسکراتا دیکھتیں انہیں عائشہ کا آنسوؤں سے تر چہرہ یاد آنے لگتا تھا۔ وہ بے خبر تھیں کہ انسان خواہ کتنا ہی طاقتور یا مضبوط کیوں نہ ہو جائے وہ تقدیر سے نہیں لڑ سکتا ہے اور ہونا تو وہی ہوتا ہے جو تقدیر میں ہو۔

''اسحٰق آپ آج شام کو اپنے آفس سے گھر جلد آ جائیے گا۔''

وہ آفس کے لئے تیار ہو کر جانے لگے تو صادقہ نے انہیں تلقین کی۔

''کیوں؟ خیریت۔'' انہوں نے چونک کر پوچھا۔

''رات کو فاطمہ کا فون آیا تھا اس نے ابراہیم کو سباع اور عباد کے رشتے کے لئے راضی کر لیا ہے وہ چاہتی ہے کہ ہم آج ہی سباع کے لئے رشتہ ڈالیں۔'' انہوں نے تفصیلاً بتایا تو اسحٰق

سر اثبات میں ہلا کر چلے گئے۔ سباع انہیں بھی بہت عزیز تھی اور اسے بہو کی صورت دیکھنا ان کی دلی تمنا تھی۔ زمعہ نے اتفاقاً ساری بات سن لی اور جا کر بھائی کو بتا دی وہ ماں کے پاس چلا آیا زمعہ بھی اس کے ہمراہ تھی۔

''کیا آپ آج پھپھو کی طرف جا رہی ہیں۔'' عباد نے خوشی سے کھلتے چہرے سے ماں سے پوچھا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا وہ سباع کی تمنا اک عرصے سے اپنے دل میں رکھتا تھا۔ صادقہ نے ہولے سے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا وہ خود کو خوش قسمت سمجھ رہا تھا جس کی جھولی میں قدرت اس کی محبت ڈال رہی تھی۔

''بھائی آپ کو آفس سے دیر ہو جائے گی۔''

وہ صادقہ کے پاس مسرور سا بیٹھا تھا کہ زمعہ نے اسے آفس سے لیٹ ہونے کا احساس دلایا۔ وہ بھائی کو خوش دیکھ کر خوش تھی وہ اس کے سر پر ہولے سے چپت لگاتا اٹھ کر آفس چلا گیا۔ تو زمعہ ماں کے ساتھ گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

وہ یونیورسٹی کی بس سے اتر کر گلی میں داخل ہوئی تو اسے دور سے ہی مدثر اپنی مخصوص جگہ پر کھڑا نظر آ گیا وہ دل میں اس کی دیوانگی پر ہنس دی وہ جانتی تھی کہ مدثر اسے بے حد چاہتا ہے مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو عباد کی چاہ کرتا تھا۔ مدثر اسے اک نظر دیکھنے اور اسے گھر تک پہنچانے کے لئے یہاں کھڑا ہوتا تھا وہ جونہی قریب سے گزرتی وہ ساتھ ہو لیتا اور خاموشی سے گھر تک چھوڑ کر دکان پر چلا جاتا۔

اب بھی وہ اس کے قریب سے گزری تو وہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔ آج پہلی مرتبہ اسے مدثر پر غصہ کی بجائے ترس آیا تھا جو اس سے بے حد محبت کرتا تھا اور اب نارسائی اس کا مقدر تھی۔ اس نے رات کو بابا سے اپنی پسند کا اظہار کیا تھا اور آج شام کو ممانی اور ماموں آ رہے تھے وہ رات کو فون پر فاطمہ کی صادقہ سے ہونے والی تمام گفتگو سن چکی تھی۔ وہ گھر تک پہنچی تو مدثر واپسی کے لئے مڑنے لگا تھا۔

''مدثر!'' اس نے مدثر کو مڑ کر جاتے ہوئے مدثر کو پکارا۔ وہ رک کر پلٹا اور سباع کی طرف دیکھا جو بات کرنے کے لئے اپنے ذہن میں مناسب الفاظ ترتیب دے رہی تھی۔

''مدثر تم بہت اچھے ہو اب تم اپنے لئے بھی کچھ سوچو۔'' وہ بات کہہ کر رکی نہیں اور تیزی سے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔ جب کہ مدثر سرخوشی میں اس کی بات کو من چاہے معنی پہناتے ہوئے چلا گیا۔ سباع فاطمہ کے برخلاف چچا عبداللہ اور ان کی فیملی کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی اسے بابا کی طرح مشفق سے چچا عبداللہ بے حد اچھے [illegible] وقت کے ساتھ ساتھ ماں کے دل میں ان کے لئے چھپی نفرت اور وجہ نفرت دونوں جان گئی تھی مگر خود ان کے لئے اپنے دل سے نرم گوشہ ختم نہ کر پائی تھی اور پھر اماں اور خود بابا بھی تو چچا عبداللہ کو بے حد چاہتے تھے ایسے میں نہ جانے کب مدثر اماں اور بابا کو سباع کے لئے بھایا وہ قطعاً نہ جان پائی تھی اور جب اس نے جانا تب بہت دیر ہو چکی تھی وہ عباد کو چاہنے لگی تھی اور اس کی چاہت کو پروان چڑھانے میں فاطمہ کا بے حد ہاتھ تھا وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی تھیں اور اسے عباد سے شادی کا یقین دلاتی تھیں کہ عباد خود ان کی بھی پسند تھا۔

وہ نازک سی کومل سی لڑکی
میرے جیون کی
سبھی ضرورتوں پہ حاوی ہے

میری آنکھ کے ہر منظر
پس منظر میں اسی کی رعنائیاں ہیں
میری سماعتوں کے
ہر گوشے میں اس کے سندر لہجے کی
شہنائیاں ہیں
میری سوچ کے سبھی راستوں پر
اسی کا پہرہ ہے
چہرے خوابوں میں جھانکتا ہر دم
اسی کا چہرہ ہے
وہ میرے جسم میں لہو بن کر دوڑتی ہے
میری سانسوں میں خوشبو بن کر مہکتی ہے
اس کا پیار جو مل جائے تو
دنیا کا خزانہ مجھے مل جائے

کون کہتا ہے کہ انسان صرف مرنے کے بعد ہی مرتا ہے، وہ زندہ رہ کر بھی تو مر سکتا ہے۔ مردوں سے برتر حال کو پہنچ سکتا ہے کچھ ایسا ہی حال اس کا بھی تھا وہ جو دوپہر سے سباع کی کہی بات کو من چاہے معنی پہنا کر خوش تھا اک سرمستی و سرخوشی کے عالم میں تھا اس کا دل جھومنے کو چاہ رہا تھا اب جو کچھ سنا تھا اس کا دل کرلا رہا تھا، بین ڈال رہا تھا محبت کبھی مر سکتی ہے، وہ خود سے پوچھنے لگا تھا۔

ابراہیم تایا شام سے کچھ دیر قبل دکان پر آ کر سباع اور عباد کی منگنی کی خبر سنا گئے تھے اور ساتھ ہی آنے کی دعوت بھی دی تھی وہ بے حد شرمندہ تھے اور بابا ان کی دلجوئی کر رہے تھے ان کے اندر سے احساس شرمندگی مٹانے کی کوشش کر رہے تھے اور تایا تھے کہ بابا سے نگاہیں تک نہ ملا پا رہے تھے۔ وہ تو خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہا تھا، اسے ساری دنیا کی خوشیاں اپنے آگے ہیچ محسوس ہو رہی تھیں وہ سباع کے چند الفاظ کو من چاہے مفہوم دے کر خوشیوں کی لمبی سیڑھی کے آخری پائیدان تک پہنچ چکا تھا اور اب ہاں وہ محض اڑھائی گھنٹوں بعد ہی آسمان سے زمین پر اک لمحے میں منہ کے بل اوندھا پڑا تھا اس کا وجود درد کی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔ وہ اپنی چیخیں چاہتے ہوئے بھی نہ سہلا پا رہا تھا اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں وہ اپنے آنسو روکنا چاہتا تھا مگر نہ روک پایا وہ ضبط کی آخری انتہا پر کرب سے کھڑا تھا اس کے کانوں پر دائیں بائیں دو آنسو لاکھ ضبط کے باوجود لڑھک گئے تھے۔ عبداللہ، ابراہیم کے جانے کے بعد اس کے پاس آ گئے، وہ باپ سے نظریں نہ ملا پایا بلکہ دونوں ہی نگاہیں نہ ملا پائے صرف تین روز قبل ہی تو عبداللہ نے اماں اور مدثر کو اک خوشخبری سنائی تھی جو تین روز بعد ہی بدخبری بن گئی تھی عبداللہ تو بھتیجی کی خوشی میں خوش تھے مگر مدثر، وہ تو جیسے دو جہانوں کی دولت کھو بیٹھا تھا اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔

''بابا! میں گھر جا رہا ہوں۔'' مدثر نے یونہی نگاہیں چرائے چرائے انہیں بتایا اور گھر چلا گیا، عبداللہ بیٹے کا دکھ محسوس کر رہے تھے وہ اس کے جانے کے بعد اک سرد آہ بھر کے رہ گئے تھے۔

محبت جیت ہوتی ہے
محبت ذات ہوتی ہے
محبت ذات کی تکمیل ہوتی ہے
کوئی جنگل میں جا ٹھہرے
کسی بستی میں بس جائے
محبت ساتھ ہوتی ہے

رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی وہ اپنے بیڈ پر خوش کن سپنوں میں گم بیٹھی تھی فاطمہ اور ابراہیم اپنے کمرے میں سونے کے لئے کب کے جا چکے تھے مگر اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی وہ آج خوش تھی بے حد خوش، اسے یوں لگ رہا تھا کہ اس نے عباد کو پا کر ساری دنیا کی

خوشیوں کو اپنی مٹھی میں مقید کر لیا تھا۔ ماموں اور ممانی اسے ڈیڑھ گھنٹہ قبل عباد کے نام کی انگوٹھی پہنا کر گئے تھے اور وہ ان کے جانے کے بعد یونہی خوش کن تصورات و خوابوں میں گم تھی۔ اسے یکایک سردی کا احساس ہوا تو وہ کمبل اوڑھ کر سونے کے لئے لیٹ گئی۔ اس کی سنہری آنکھوں میں مستقبل کے کئی سنہرے خواب سج گئے اور اسے اپنے خوابوں میں کھوئے ہوئے اک لمحہ کو بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ اس سے محض چند گز دور اک سفید گیٹ والے بڑے سے گھر میں اک شخص اسی پل کرب و اذیت سے دوچار ہے۔ وہ خود غرض نہ تھی صرف دل کے ہاتھوں مجبور تھی جو عباد کے سوا کسی اور کے ساتھ کا متمنی ہی نہ تھا۔ اس لئے تو اس نے مدثر کو خوش رہنے کی تاکید کی تھی۔ وہ سوچوں میں گم نجانے کب نیند کی وادی میں اتر گئی تھی۔

کبھی یوں بھی آ میری آنکھ میں میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو
وہ بڑا رحیم و کریم ہے تو مجھے یہ صفت بھی عطا کرے
تجھے بھولنے کی دعا کروں تو میری دعا میں اثر نہ ہو
کبھی دن کی دھوپ میں جھوم کر، کبھی شب کے پھولوں کو چوم کر
یونہی ساتھ ساتھ چلیں سدا، کبھی ختم اپنا سفر نہ ہو
میرے پاس میرے حبیب آ درد دل کے قریب آ
تجھے دھڑکنوں میں بسالوں میں کہ بچھڑنے کا کبھی ڈر نہ ہو

وہ جب سے دکان سے آیا تھا بیڈ پر چت لیٹا جلتی آنکھوں سے چھت کو گھورے جا رہا تھا اس کی نگاہوں میں ماضی کے کئی منظر گھوم رہے تھے۔ تائی کی ترش روئی، ابراہیم کی شفقت اور اپنے لئے فکر مند سباع، گو دونوں میں دوستی نہ تھی اور نہ ہی دونوں میں کوئی خاص بے تکلفی تھی مگر نجانے کیوں مدثر کا دل سباع کے ساتھ کی بار ہا گواہی دیتا تھا وہ اسی کے ساتھ کا متمنی تھا اس کا دل کبھی بھی کسی اور کے لئے ہرگز راضی نہ ہو پاتا ایسا کرنے کے لئے اسے اپنے دل کا خون کرنا پڑتا اور آج ایسا ہو گیا تھا، آج جب وہ زندگی میں پہلی بار بے انتہا خوش تھا تو آج ہی نارسائی کا کرب اور زہر اس کی رگوں کو نیلا کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں اذیت کی کرچیاں چبھنے لگی تھیں جس سے اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو گئی تھیں اس نے تو اپنی زندگی کی ہر سانس کے ساتھ سباع کی رفاقت اپنے رب سے طلب کی تھی مگر اس کی کوئی دعا نہ سنی گئی تھی اس کا وجود دکھ و اذیت کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ جہاں اسے سباع کی رفاقت کی طلب تھی وہیں اس کے دل کو سباع سے جدائی کا اک نامعلوم اندیشہ بھی اپنی گرفت میں جکڑے رکھتا تھا جو آج پورا ہو گیا تھا اس نے بچپن سے شعور اور شعور سے جوانی تک ہر قدم پر فاطمہ کی اپنے گھرانے سے تلخی و عداوت ہی دیکھی تھی شائد ان کا یہی رویہ تھا جو اسے کبھی بھی مکمل طور پر مطمئن نہ کر سکا تھا۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں اس کی آنکھوں میں تیزی سے آنسو اکٹھے ہونے لگے تھے۔ دکھ کی اذیت ناک لہریں اس کے وجود میں ہلکورے لینے لگیں وہ اٹھ کر صحن میں آ گیا۔ اماں اور عبداللہ کے کمروں کی لائٹس آف تھیں جو ان کے سو جانے کی غمازی تھیں اس نے اک تشکر بھری سانس لی اگر ان دونوں میں سے کوئی سے رات کے اس پہر جاگتا دیکھ لیتا تو وہ پریشان ہو جاتا اور اس کی عادت تھی کہ وہ خود سے وابستہ افراد کو کبھی بھی پریشان نہ کرتا تھا۔ فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔

اگلے دن وہ دوکان پر بیٹھا وقفے وقفے سے گھڑی کی طرف دیکھتا رہا جونہی گھڑی کی سوئیوں نے دو بجے کا الارم بجایا تو وہ چوکس ہو گیا اس کی دکان پر آج بھی حسب بے پناہ رش تھا اس نے جلدی جلدی گاہکوں کو نبٹانے کی کوشش کی مگر اس

کی لاکھ کوشش کے باوجود اس کا گاہک نمٹانے میں بیس منٹ گزر گئے اس نے رش ختم ہونے پر وہ خاموشی سے باہر آ گیا یہ اس کا معمول تھا، سباع عین اڑھائی بجے آ جاتی تھی اور وہ اس سے قبل یہاں موجود تھا خاموشی سے اپنی حفاظت میں اسے گھر چھوڑتا اور دکان پر پلٹ آتا اس نے کبھی ساتھ والی دکان پر بیٹھے عبداللہ کو دکان کا خیال رکھنے کو نہ کہا تھا جب سے انہیں بیٹے کی اس روٹین کا علم ہوا تھا وہ اس کے جانے کے بعد اس کے بنا کہے تینوں دکانوں کی رکھوالی کرتے تھے۔

مدثر اب بھی خاموشی سے حسب معمول اپنے مخصوص راستے پر گامزن تھا وہ محض سباع کو احساس تحفظ دینا چاہتا تھا نہ کہ اس پر اپنا کوئی رعب ڈالنا چاہتا تھا اور نہ ہی اس پر کوئی اپنا احساس برتری جتاتا تھا اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ سباع کو ساری دنیا کی میلی نگاہوں سے چھپا کر رکھے وہ ایسا نہ کر سکتا تھا سوا سے دوپہر کو گھر تک چھوڑ جاتا وہ صبح کو اکثر ماں کے ساتھ بس سٹاپ تک جاتی تھی وہ مانوس رستوں پر محو سفر تھا کہ اچانک ٹھٹھک کر رک گیا یہ وہ کیا کرنے جا رہا تھا سباع اب پرائی ہو چکی تھی۔ اس نے خود کو ڈپٹا وہ کئی بار اس کی نگاہوں میں اپنی اس حرکت پر غصہ و جھنجھلاہٹ دیکھ چکا تھا مگر اس نے کبھی نفرت کا اظہار نہ کیا تھا اور مدثر اس کی نفرت چاہتا بھی نہ تھا، یہ تصور اس کی رگوں کو چھیرنے لگا تو اس نے واپسی کے لئے قدم موڑ لئے۔ وہ سب کچھ سہہ سکتا تھا مگر سباع کی نفرت نہیں، اس کی نفرت تو مدثر کو جیتے جی مار ڈالتی۔ وہ مردہ قدموں سے آہستگی سے چلتا ہوا دکان پر واپس آ گیا اور روز مرہ کاموں میں خود کو الجھانے لگا عبداللہ نے بیٹے کے چہرے پر شکستگی کی واضح تحریر پڑھی تو کڑھ کر رہ گئے اور ان کا دل بے ساختہ مدثر کی دائمی خوشیوں کی دعائیں مانگنے لگے تھے۔

''السلام وعلیکم!'' وہ کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو حسب عادت زور دار آواز سے سلام کیا۔ صادقہ حسب معمول کچن میں اور زمعہ اپنے کمرے میں تھی وہ مسکراتی ہوئی کچن میں چلی آئی صادقہ نے محبت سے اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد اسے گلے سے لپٹا لیا ان کی سباع سے محبت میں اضافہ اسی روز ہو گیا تھا جب انہوں نے ابراہیم کے کینٹ میں مزید دکانیں خریدنے کا سنا تھا ابراہیم نے اپنا کپڑوں کا کاروبار تو دو دکانوں تک ہی محدود رکھا تھا اور جو نئی دکانیں خریدنا چاہ رہے تھے ان کا ارادہ وہ دونوں دکانیں سباع کے نام کرنے کا تھا اور وہ نئی دکانیں کرائے پر دینا چاہتے تھے صادقہ اپنی لالچی فطرت کی بناء پر خوشی سے پھولی نہ سمائی تھیں۔

سباع شرمیلی مسکان چہرے پر سجائے ان کے سینے سے لگی ہوئی تھی وہ منگنی کے بعد پہلی بار یہاں آئی تھی اور وہ بھی زمعہ کے بارہا اصرار پر، اسے اب اپنا یہاں آنا نامناسب سا لگتا تھا اگر اسے زمعہ اپنی ناراضگی کی دھمکی نہ دیتی تو وہ آج بھی ہرگز نہ آتی۔ زمعہ اس کی آواز سن کر باہر آئی اور آتے ہی اس کے گلے لگ گئی دونوں میں دوستی تو پہلے بھی تھی مگر اب اک نیا رشتہ بندھنے سے دونوں کی دوستی مزید مستحکم ہو گئی تھی زمعہ اسے اپنے ساتھ لئے اپنے کمرے میں چلی گئی تو صادقہ مسکراتے ہوئے کچن میں چلی آئی تاکہ اپنی مالدار اور اکلوتی بہو کی خوب خاطر مدارت کی سکیں۔

دن بھر کی سنہری دھوپ سمٹ کر دیواروں کے اخیر کناروں تک پہنچ چکی تھی جب وہ اندر داخل ہوا۔

''آؤ مدثر!'' ابراہیم اسے دیکھتے ہی خوشی

سے کھل اٹھے۔ انہیں اپنا یہ سوبر و سنجیدہ مزاج بھتیجا بے حد پسند تھا اور انہوں نے اسے اکثر اسے سباع کے حوالے سے بھی سوچا تھا۔ مگر تقدیر، وہ اپنی بیٹی کی خوشیوں کے آگے ہار گئے تھے۔ مدثر ہاتھ میں ضروری کاغذات تھامے بردباری سے چلتا ان کے قریب آن بیٹھا اور انہیں نئی دکانوں سے متعلق سمجھانے لگا تھا۔ انہیں کل عدالت میں دکانوں کی رجسٹری سباع کے نام کروانا تھی، ان کی گفتگو کے دوران اچانک فاطمہ کسی کام سے اپنے کمرے سے باہر چلی آئیں وہ تو گھر بھر میں چھائی خاموشی سے یہ سمجھ رہا تھا کہ تائی اور سباع گھر میں نہیں ہیں اور نہ ہی ابراہیم نے انہیں ان کی موجودگی کا بتایا ورنہ تو پہلے ہی ان کے کمرے میں جا کر انہیں سلام کر آتا۔

''السلام وعلیکم تائی جان!'' اس نے شرمندہ سے لہجے میں کہا کہ وہ نجانے اس کے متعلق کیا سوچیں کہ وہ کب سے آیا ہوا ہے اور اب سامنے نظر آنے پر سلام جھاڑ ڈالا ہے اس کی محبت صرف منہ دیکھے کی ہے مگر وہ اس وقت حیران رہ گیا جب فاطمہ نے آگے بڑھ محبت سے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اسے لاکھ یاد کرنے پر بھی یاد نہ آیا کہ فاطمہ نے اسے پہلے کبھی اپنے سینے سے لگایا تھا یا نہیں۔

''بیٹھو بیٹا!'' فاطمہ کے شیریں و نرم لہجے نے اس کی حیرت دو چند کر دی تھی ورنہ تو اس نے ہمیشہ اپنے سب گھر والوں کے لئے اور اپنے لئے ان کے لہجے میں تلخی ہی پائی تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئیں تو وہ بھی بیٹھ گیا تھا۔ وہ اس سے عائزہ اور شائزہ اور عبداللہ کا حال پوچھنے لگیں وہ سعادتمندی سے انہیں سب کی خیریت سے آگاہ کرنے لگا تھا۔

''کاش تائی جان یہ نرمی آپ کے لہجے و انداز میں پہلے آئی ہوتی۔'' اس نے دکھ سے سوچا اور اس پل یہی سوچ ابراہیم کے ذہن سے بھی ٹکرائی تھی۔

وہ ابراہیم کو تمام تفصیلات سمجھا کر جانے لگا تو اس کے دل نے سباع کی اک جھلک دیکھنے کی خواہش کی مگر اس نے اپنے نادان دل کو ڈپٹ دیا اور دل کی منہ زور ہوتی خواہش کو دباتا تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

''مدثر! زندگی صرف سباع پر تو ختم نہیں ہے۔''

عائزہ اور شائزہ میکے میں آئی ہوئی تھیں مدثر، شائزہ آپی کی بہ نسبت عائزہ آپی سے زیادہ فری تھا عبداللہ نے دونوں بیٹیوں کے اس بار آنے پر عائزہ کو مدثر کو سمجھانے کی تلقین کی ان دونوں بہنوں کو بھی میکے کا سونا پن اداس اور پریشان کرتا تھا۔ اماں اب بہت بوڑھی ہو چکی تھیں وہ اب گھر نہ سنبھال سکتی تھیں۔ عائزہ نے مناسب موقع ملتے ہی بھائی کو گھیر لیا تھا وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ جتنا اس موضوع سے بچنے کی کوشش کرتا تھا اسے اتنا ہی اس موضوع سے دامن چھڑانا مشکل ہونے لگتا تھا۔

''عائزہ آپی وہ.....'' وہ ہمیشہ کی طرح انہیں ٹالنے کو کوئی بہانہ ڈھونڈنے لگا تھا مگر اس بار عائزہ آپی کے تیور کڑے تھے وہ اسے اب کی بار اتنی آسانی چھوڑنے پر قطعاً آمادہ دکھائی نہ دیتی تھی اور پھر اسے عبداللہ کی شہہ بھی حاصل تھی جو مدثر کے لئے بے حد پریشان تھے اس کی رنجیدہ صورت ان کا دل چیرتی تھی اور وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو بھی رنجیدہ نہ دیکھ سکتے تھے اور مدثر تو پھر ان کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا جس نے ماں کی وفات کے بعد ان سے کوئی فرمائش کرنا چھوڑ دی تھی۔

''مدثر پلیز مجھے دو ٹوک جواب دو، یہ، وہ

کرنا چھوڑو۔" عائزہ نے تختی سے اسے ٹوکا تو وہ اپنا لب بے ساختگی سے کچلنے لگا تھا۔ عائزہ کو اس کے اندر چھڑی جنگ و کشمکش کا بخوبی احساس تھا مگر آج وہ اسے شادی کے لئے ہر صورت منا کر چھوڑنا چاہتی تھی وہ مسلسل شادی سے انکاری تھا جب کہ عبداللہ اس کی تنہائی کے احساس سے اس کی جلد از جلد شادی کے خواہش مند تھے اور وہ تھا کہ شادی کے نام سے یوں بدکتا جیسے کسی بچھو نے ڈس لیا ہو۔

"مدثر تم ہاں تو کرو پھر دیکھنا تمہاری زندگی میں سباع سے بھی بہترین لڑکی آئے گی۔" عائزہ نے بھائی کو قائل کرنا چاہا تھا مگر وہ انجانے میں اس کے زخم ادھیڑ گئی تھی۔

"عائزہ آپی، کچھ سہی مگر وہ سباع تو نہ ہوگی نہ۔" وہ انہیں زخمی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ کر باہر چلا گیا جب کہ عائزہ بھائی کے دکھ پر دکھی ہو کر رہ گئی۔

"عباد بیٹا میں تو کہتی ہوں کہ تم شادی کے بعد سباع کی دونوں دکانیں بیچ کر اپنا کاروبار شروع کرنا، ماشا اللہ تم نے ایم بی اے کیا ہے مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے گا۔" صادقہ کے لہجے میں بیٹے کے لئے بے پناہ فخر و محبت تھی وہ منگنی کے بعد سے یونہی عباد کو کوئی نہ کوئی پٹی پڑھاتی رہتی تھیں اور وہ بھی ماں کے رنگ میں رنگ چکا تھا وہ اب ماں کی نظر سے دیکھتا اور انہی کے دماغ سے سوچتا تھا وہ اب ماں کی پڑھائی پٹیوں کے نتیجے میں اپنی بے حد معقول و مناسب جاب سے اکتانے لگا تھا اس کا بس نہ چلتا تھا کہ آج ہی سباع کے حصے کی جائیداد پر قابض ہو کر اپنا ذاتی بزنس سٹارٹ کر دے اور اپنی بزنس ایمپائر راتوں رات کھڑی کر دے۔ اب اونچے خواب دیکھنے لگا تھا، حالانکہ وہ میانہ روطبیعت کا مالک تھا مگر اب ماں کی ذہنیت و لالچی فطرت اس میں پوری طرح سما چکی تھی زمعہ ماں اور بھائی کے خیالات سے سخت نالاں رہتی وہ ان کے قریب دنیا بھر کی بیزاریت چہرے پر سجائے بیٹھی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" صادقہ کی نظر زمعہ پر دوران گفتگو پڑی تو انہوں نے اس کی بیزاریت کو فوراً نوٹ کر لیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ منہ پھلا کر خفگی سے بولی۔

اسے اپنی ماں کی لالچی فطرت سے چڑ تھی وہ صادقہ کے برخلاف اسحٰق پر گئی تھی جو ہر طرح کے لالچ و طمع سے پاک تھے۔ عباد کی نظر بھی بہن پر ٹک چکی تھی۔

"پھر یوں کیوں بیٹھی ہو۔" عباد نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"تو کیا آپ دونوں کی باتوں پر خوشیاں مناؤں میں۔" وہ غصے و کوفت سے بولی تھی۔ عباد اس کے طرز گفتگو پر بھونچکا رہ گیا وہ تو بے حد نرم خو تھی اس کے لہجے کی ترش روئی اس کے لئے بالکل نئی تھی۔ زمعہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی صادقہ کی غصیلی نگاہوں نے اس کا پیچھا کیا تھی جب کہ عباد الجھا سا اس کے رویئے پر غور کرتا رہ گیا تھا۔

زمعہ کے لئے اسحٰق کے دوست کے بیٹے کا رشتہ آیا تھا۔ لڑکا ماسٹرز کے بعد اک پرائیویٹ فرم میں تعینات تھا رشتہ ہر لحاظ سے معقول تھا صادقہ اور اسحٰق نے فاطمہ اور ابراہیم سے مشورہ کر کے ہاں کر دی تھی لڑکے والوں کو شادی کی جلدی تھی سو وہ اسحٰق کو جلد تاریخ دینے کے لئے تنگ کرنے لگے مگر زمعہ اور سباع دونوں کے ماسٹرز فائنل ایئر کے ایگزامز قریب تھے اس لئے اسحٰق کو قدرے تامل تھا وہ عباد کی شادی بھی ساتھ کرنا چاہ رہے تھے انہوں نے بمشکل لڑکے والوں کو پانچ ماہ کے

لئے ٹالا تھا تاکہ زمعہ اور سباع کے امتحانات کے بعد دونوں کی شادیاں ہو سکیں۔

وقت تیزی سے گزرنے لگا اور سباع اور زمعہ کے امتحانات شروع ہو گئے زمعہ کمبائن اسٹڈی کے لئے چچو کے گھر آ گئی وہ دونوں انگلش میں ماسٹرز کر رہی تھیں دونوں کے پیپرز بے حد اچھے ہو رہے تھے جس روز آخری پیپر تھا زمعہ یونیورسٹی سے اپنے گھر چلی گئی اور ساتھ سباع کو بھی لے گئی۔

''اوہو، آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔'' عباد اتفاقاً گھر تھا گو وہ منگنی کے بعد دوسری دفعہ آئی تھی مگر عباد سے سباع کا سامنا پہلی بار ہو رہا تھا عباد نے اس پر نظر پڑتے ہی شوخی سے کہا تو وہ نروس سی بے ساختہ زمعہ کے عقب میں ہو گئی جیسے عباد سے چھپنا چاہ رہی ہو۔

آج وہ خلاف معمول لنچ کرنے گھر آیا تھا، سباع کو معلوم تھا کہ وہ صبح کا گیا شام کو آتا ہے اسی لئے وہ بے دھڑک زمعہ کے کہنے پر آ گئی تھی مگر اب یہاں آنے پر اس کا سامنا ہونے پر بچھتا رہی تھی سباع کے چہرے پر حیاء کے تمام رنگ سمٹ آئے تھے۔

اپنی شادی کے دن اب نہیں دور ہیں
لازم ہے کہ تم مجھ سے پردہ کرو

وہ جو پہلے ہی شرمندہ تھی اس کی شوخی پر مزید حیاء سے سمٹ کر چھوئی موئی سی بن گئی۔

''بھائی!'' زمعہ نے سباع کا دفاع کیا تو وہ شوخی سے مسکراتا باہر چلا گیا صادقہ نماز ظہر سے فارغ ہو کر آئیں تو سباع کو دیکھتے ہی خوشی سے اسے گلے لگا لیا تھا۔

''مدثر! کیا تم ابھی تک سباع کو دل سے نہیں نکال پائے ہو۔'' اس روز عائزہ آپی اکیلی میکے آئی ہوئی تھیں بابا اور مدثر کے دکان پر جانے کے بعد عائزہ آپی اور اماں گھر کے کام کاج میں مشغول ہو گئیں عائزہ آپی کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اماں اس کا مسلسل ہاتھ بٹاتی رہیں۔ عائزہ آپی کو مدثر کے کمرے کی صفائی کے دوران اس کی وارڈ روب کی صفائی کرتے ہوئے مدثر کی بی اے کی سند ملی تھی وہ جو عبداللہ اور اماں کے بے حد اصرار کے باوجود ایف اے کے بعد تعلیم سے ناتا توڑ چکا تھا اب سباع کی چاہ میں کسی کے اصرار کے بغیر صرف اپنے دل کی رضامندی سے یہ ٹوٹا ناتا پھر بحال کر چکا تھا عائزہ آپی کو اس کی وارڈ ورب کی نچلی تہہ میں اس کے ماسٹرز کی ڈگری بھی نظر آئی تھیں وہ اسلامیات میں ماسٹرز کر رہا تھا۔

آپی نے اماں سے اشاریوں میں اسی بارے میں ذکر کیا مگر وہ قطعاً بے خبر تھیں جس کا مطلب تھا کہ بابا بھی ضرور بے خبر ہیں وہ تینوں بھائی بہن اپنی کوئی بات اماں سے ہرگز نہ چھپاتے تھے اس روز شام کو بابا اور مدثر عائزہ کی خاطر جلد دکان بند کر کے گھر آئے تو عائزہ نے اسے تنہا پا کر گھیر لیا وہ جوان کے بیٹے سے کھیلنے میں مشغول تھا ان کی اس بے موقع بات پر ہکا بکا انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

''آپی!'' وہ خود پر قابو پا کر بس یہی کہہ سکا تھا عائزہ نے اس سے بیٹے کو لے کر گود میں بٹھا لیا اور اسے کڑی نظروں سے دیکھتی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ مدثر نے اس کی جانچتی نگاہوں سے دل میں خائف ہوتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

''میری طرف دیکھ کر بات کرو مدثر۔'' عائزہ نے اسے بزدلوں کی طرح نظریں جھکاتے دیکھا تو سختی سے ٹوکا تھا۔ وہ انہیں اک نظر دیکھ کر رہ گیا۔

''ایسا کیا ہے سباع میں جو تمہیں کسی اور میں نہیں دکھتا۔'' عائزہ نے اس کی دکھتی رگ پر

ہاتھ رکھا تھا وہ حقیقتاً ابھی تک سباع کو دل سے نہ نکال پایا تھا۔ محبت میں واقعی محبوب کے آگے ساری دنیا ہیچ لگتی ہے یہاں تک کہ والدین اور بہن بھائی کی نصیحت بھی سخت زہر لگتی ہے وہ خاموش تھا۔ عائزہ کو اس پر پہلے غصہ اور پھر ٹوٹ کر پیار آیا جو اس سے خود کو چھپانے کی کوشش میں ہلکان ہوا جا رہا تھا۔

''مدثر!'' عائزہ نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے یہ اس کا ماں جایا تھا، گو شائزہ آپی نے ماں کی وفات کے بعد ان دونوں کو بے حد محبت دی تھی مگر مدثر کے جتنے لاڈ عائزہ نے اٹھائے تھے اتنے تو شائزہ آپی نے بھی نہ اٹھائے تھے وہ سکول سے آ کر بھائی کو کندھوں پر بٹھا کر گھنٹوں باہر گلیوں میں کھیلا کرتی، وہی بھائی آج اس پر اعتماد کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

''تم نے بی اے کب کیا مدثر۔'' عائزہ نے ہولے سے مسکراتے ہوئے پوچھا تو اس نے بے اختیار اک سانس بھری اب اسے قدرے اطمینان ہوا تھا کہ آج عائزہ آپی کم از کم اسے شادی کے لئے آمادہ کرنے کے موڈ میں نہ تھیں، چار ماہ قبل اس نے مختصر جواب دیا تھا، عائزہ نے دل میں حساب لگایا سباع کی منگنی کو سات ماہ ہو گئے تھے اس نے بی اے بعد میں کیا تھا۔

''مدثر میرے بھائی تم کیوں خود کو سباع کی چاہ میں ہلکان کر رہے ہو، وہ تمہاری نہیں ہو سکتی بلکہ اماں بتا رہی تھیں کہ سباع نے ماسٹرز کے پیپر دے دیئے ہیں اور اب تایا اس کی جلد شادی کی ڈیٹ فکس کرنے والے ہیں۔'' عائزہ نے محبت و خلوص سے اسے سمجھایا مگر مدثر کو لگا جیسے اس کے دل پر کسی نے آری چلا جی ہو۔ اس نے زخمی نظروں سے بہن کو دیکھا تو وہ تڑپ اٹھی۔

''مدثر میری ایک بات یاد رکھنا، جو شخص ہمارا ہو ہی نہ اس کے لئے آنسو بہانا یا اس کی یادوں کو سینے میں سجائے رکھنا نری حماقت ہے۔'' عائزہ آپی نے خلوص سے اسے حقیقت دکھائی وہ بے خبر تھیں کہ بے غرض محبت طلب سے مبرا ہوتی ہے، مدثر کی محبت میں طلب تو تھی ہی نہیں وہ تو خود کو سباع کی چاہ میں مجبور و بے بس پاتا تھا۔ عائزہ بھائی کو تاسف سے دیکھتی اماں کی مدد کے خیال سے بیٹے کو اس کے پاس چھوڑ کر کچن میں چلی گئی جب کہ مدثر بھانجے سے دوبارہ کھیلنے میں مشغول ہو گیا جو کہ ماموں کی شرارتوں سے محظوظ ہوتے ہوئے مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔

سباع اور زمعہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی، سباع کی شادی کی شاپنگ فاطمہ اور اماں نے تقریباً مکمل کر لی تھی صرف زیور اور عروسی جوڑے کی خریداری باقی تھی جو ان دونوں کا خیال تھا کہ سباع کے ساتھ جا کر دو ہفتے قبل آرڈر دے آئیں گی۔ اس روز زمعہ اور صادقہ کو بری اور جہیز کی خریداری کے لئے جانا تھا صادقہ نے سباع کو بلوایا تھا تا کہ وہ اپنی پسند سے شاپنگ کر لے۔ سباع وہاں پہنچی تو شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ ممانی نے اسے چار بجے پہنچنے کی ہدایت کی تھی مگر اسے دیر ہو گئی تھی وہ کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو سارا گھر حسب معمول خاموشی میں ڈوبا تھا۔ اس نے سلام کیا مگر کوئی جواب نہ آیا پڑوس میں اس روز فوتگی ہو گئی تھی صادقہ اور زمعہ ادھر چلی گئیں وہ گھر میں عباد کو چھوڑ گئیں۔

عباد ڈرائینگ روم میں اپنے اک دوست کے ساتھ بیٹھا باتوں میں مصروف تھا اسے سباع کی آواز سنائی نہ دی تھی۔

''ممانی جان!'' سباع نے گھر میں چھائے سناٹے سے گھبرا کر دوبارہ آواز دی مگر جواب ندارد، سباع گھبراہٹ کے ساتھ ساتھ تشویش میں بھی گھر گئی تھی، ممانی پہلے کبھی بھی یوں گھر اکیلا

چھوڑ کر کہیں نہ گئی تھیں اور آج تو انہوں نے اسے خود فون کر کے بلوایا تھا۔ سباع آہستگی سے چلتی برآمدے تک آ گئی کہ یکا یک ڈائننگ روم سے گونجنے والے عباد کے زوردار قہقہے نے اسے بری طرح چونکا دیا۔ وہ دل میں قدرے مطمئن ہوئی اسی سمت چلی آئی مگر دروازے پر اپنا نام سن کر ٹھٹک کر رک گئی۔

''یار تجھے ہنسی آ رہی ہے میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں کہ کیا سباع بھابھی کی کوئی بہن ہے تاکہ میں ان کی بہن سے شادی کر لوں اور ہم دونوں دوست تمہارے پھپھا کی تمام جائیداد کے وارث بن جائیں۔'' احمد کی بات پر سباع کو آسمان اپنے سر پر ٹوٹتا محسوس ہوا تھا۔

''شکر ہے کہ سباع ابراہیم کی اکلوتی اولاد ہے اور میں اس کا اکلوتا مالک۔'' عباد نے احمد کے مذاق کو سنجیدگی سے جواب دیا۔ سباع کو زمین گول گھومتی محسوس ہوئی۔ اسے یہ وہ عباد قطعاً نہ لگ رہا ہے جو ہمیشہ ابراہیم کو مہذب لب و لہجے میں پھپھا جان کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ یہ عباد تو ان پڑھ اور جاہل لگ رہا تھا۔ جو بڑوں کو بغیر ناتے کے صرف نام سے مخاطب کر رہا تھا۔ سباع کو زندگی میں پہلی بار احساس ہوا تھا کہ جب دل ٹوٹے تو پورا بدن درد کا پھوڑا کیسے بنتا ہے۔ جب اعتماد ٹوٹے تو اعتماد کی ٹوٹی کرچیاں کیسے آنکھیں پھوڑتی ہیں۔ جب محبوب کا اصل روپ دکھے تو یقین کیسے دم دبا کر بھاگتا ہے۔

سباع کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ اسے یقین بالکل نہ تھا اگر اس نے اپنے کانوں سے خود نہ سنا ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتی مگر اب یہ طے تھا کہ اسے بہر طور یقین تو کرنا ہی ہے۔ اس کا سر بری طرح چکرانے لگا اس نے کسی سہارے کی تلاش میں اپنے ہاتھ بڑھائے تو لڑکھڑا گئی۔ انسان جب اللہ کے سوا کسی اور سہارے کو تلاشتا ہے تو اس کا وجود ہمیشہ یونہی اندھیروں میں لڑکھڑاتا رہتا ہے۔ سباع کے لڑکھڑانے سے باہر آہٹ ہوئی تو عباد چونکا اور تیزی سے باہر آیا وہ صحن میں آیا تو نظر برآمدے میں کھڑی متغیر رنگت والی سباع پر پڑی۔

عباد کو ساری پچویشن سنبھالنے میں اک لمحہ لگا تھا اسے خود پر شدید غصہ آیا مگر اسے خود پر غصہ کرنے کی بجائے یہ پچویشن سنبھالنا تھی۔

''سباع تم کب آئی۔'' وہ لہجے میں گہری محبت سمو کر اس کی طرف بڑھا تھا سباع کو پہلی بار اس کا لگاوٹ بھرا لہجہ سخت زہر لگا تھا۔ سباع بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی تو عباد کو اپنی قسمت خود سے دور ہوتی محسوس ہوئی۔

''سباع!'' عباد نے اس کی وضاحت دینا چاہی مگر اک جھٹک آڑے آ گئی۔

''عباد تم کچھ مت کہنا میں نے آج تمہارا اصل روپ دیکھ لیا ہے۔''

کچھ بھی سباع کو اپنے والدین بھی بے حد عزیز تھے۔ وہ نفرت سے کہہ کر روتی ہوئی بھاگ کر گھر سے نکل گئی۔ اس نے باہر نکلنے سے پہلے پلٹ کر اک الوداعی نگاہ عباد پر ڈالی سباع دل میں اک مصمم ارادہ کر چکی تھی وہ درحقیقت اس لمحے سے ڈر گئی تھی جب عباد کے دل میں چھپی اس کی چاہت پر اس کی دولت کی چاہت حاوی ہوتی۔ وہ ٹوٹے دل اور برستی آنکھوں سے وہاں سے لوٹ آئی تھی اب وہاں کبھی نہ جانے کے لئے اس کا دل ٹوٹا تھا اس کی محبت لٹی تھی اس کا پورا وجود ماتم کناں تھا اس پل، ہاں اس پل اسے پہلی بار مدثر کے ٹوٹے دل کا بھی خیال آیا تھا۔

محبت جھلملاتی آنکھ میں برسات ہوتی ہے
محبت ذات ہوتی ہے
محبت نیند کی رت میں
حسین خوابوں کے رستے پر

سلگتے جان کو آتے رتجگوں کی گھات ہوتی ہے
محبت ہار ہوتی ہے
محبت مات ہوتی ہے

وہ جب سے گھر آئی تھی خود کو اپنے کمرے میں مقید کیئے مسلسل روئے جا رہی تھی جب ہنسی کی صورت سدا ہونٹوں پر سجی محبت آنکھ کا آنسو بن جائے تو درد یونہی لمحہ لمحہ انسان کو رلاتا ہے مگر اس کو تو یہ ایسا دھچکا لگا تھا کہ اس کے آنسو کسی طور نہ تھم رہے تھے جب اعتماد کی مالا ٹوٹے تو اس کے موتی یونہی بکھرتے ہیں۔ اس کا درد حد سے سوا تھا، زخم تازہ تھا اسی لئے اس کے آنسو تھمنے میں ہی نہ آ رہا تھا ایسا تو اس کے مان و گمان میں بھی نہ تھا اسے تو اپنی منزل نزدیک نظر آ رہی تھی، ایسے اپنے سارے خواب حقیقت کا روپ دھارتے نظر آ رہے تھے مگر اب وہ تہی داماں رہ گئی تھی۔ وہ برستی آنکھوں سے اپنے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلائے ان کی لکیروں میں عباد کا نام تلاش کر رہی تھی مگر اسے ناکامی ہوئی تھی اس نے کرب سے دونوں ہتھیلیاں بند کر کے سختی سے بھینچ لیں، اسے عباد کا لالچی فطرت کا قطعاً اندازہ نہ تھا ورنہ وہ اپنا دل کبھی اس جیسے کم ظرف کے نام کر کے خود کو بے مول نہ کرتی اسے اپنا آپ حقیر لگنے لگا تھا کہ اس نے عباد جیسے کم ظرف اور انسان سے محبت کی، آنسو اس کا گریبان تیزی سے بھگوتے ہوئے اس کی گود میں اکٹھے ہونے لگے تھے وہ ضبط چھوڑ چکی تھی وہ سارا رستہ خود پر ضبط کیئے اپنے آنسو روکے گھر آئی تھی مگر اب سارا ضبط، ساری ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ ہوتا ہے کبھی کبھی یوں بھی، انسان کو جب اچانک کسی غیر متوقع صورتحال کا سامنا ہو تو وہ یونہی ضبط کی طنابیں چھوڑ بیٹھتا ہے۔

''کیا ابراہیم پتر! تیرا دماغ تو صحیح ہے یہ تو بیٹی کا باپ ہو کر کیا کہہ رہا ہے تو شائید جانتا نہیں ہے اس میں تیری کتنی بدنامی ہے۔''

سباع نے کل رات جو کچھ ابراہیم اور فاطمہ کو بتایا تھا وہ فاطمہ کے لئے تو نیا تھا مگر ابرہیم کے لئے نہیں۔ وہ اپنی سالی اور اس کے بیٹے کی فطرت سے بخوبی واقف تھے۔ اک باپ ہونے کی حیثیت سے ان کی دوربین نگاہیں اپنی بیٹی کے محفوظ مستقبل پر تھیں مگر سباع کی خواہش نے انہیں اپنی خواہش بدلنے پر مجبور کیا تھا اور اب بھی یہ سباع کا ہی فیصلہ تھا جو ان سے اتنا بڑا فیصلہ کروا گیا تھا۔

انہوں نے اگلے روز ہی اماں اور عبداللہ کو بلوا کر ان کے سامنے اپنی خواہش ظاہر کی تھی۔

''اماں میں سباع کی شادی عباد سے نہیں کرنا چاہتا ہوں۔'' ابراہیم کی بات نے اماں کو سانپ کی طرح ڈسا تھا عبداللہ بھی حیرت سے ہکا بکا رہ گئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ فاطمہ اس موضوع پر خاموش تھیں ورنہ تو وہ عباد کی ہمیشہ سائیڈ لیتی تھیں اب بھی اگر یہ بات سباع کی بجائے کوئی اور بتاتا تو وہ قطعاً نہ مانتیں مگر سباع کے بہتے آنسو اور دگرگوں حالت نہیں یقین کرنے پر مجبور کر گئی تھی۔

''بھائی صاحب! آخر بات کیا ہے؟'' اماں کا دل مسلسل بیٹھے جا رہا تھا تو عبداللہ بھی سکون سے نہ تھے۔ ان کے پوچھنے پر ابراہیم نے انہیں ساری بات بتا دی تھی۔

''ابراہیم پتر! تیرا سب کچھ سباع کا ہی تو ہے اور سباع کے ناطے اس کے شوہر، تو اس بات پر بدنامی مول نہ لے، دنیا والوں کی زبانیں بند نہ ہوں گی۔'' اماں نے انہیں بردباری سے سمجھایا تھا۔

''بابا مجھے عباد سے کسی قیمت پر شادی نہیں کرنا مجھے کسی ایسے شخص کو جیون ساتھی نہیں بنانا ہے جو میرے والدین کی عزت ہی نہ کر سکے اور

اگر آپ نے کسی مصلحت کے تحت مجھے مجبور سے چاہا ہے تو مجھے زہر دے دیجئے گا۔" ان کے کانوں میں سباع کے الفاظ گونجے۔

"اماں مجھے اپنی بچی کی خوشیاں عزیز ہیں دنیا چاہے کچھ کہے مجھے پرواہ نہیں ہے۔"

عبداللہ نے بھائی کو احساس دلانا چاہا کہ پہلے ابھی شادی کے کارڈ نہیں چھپے مگر سارے خاندان میں یہ بات پھیل چکی ہے کہ ایک ماہ بعد سباع کی شادی ہے۔ ابراہیم اس وقت فیصلہ کر چکے تھے اور ان کے لہجے کی سختی ظاہر کرتی تھی کہ وہ اپنے فیصلے سے اک انچ پیچھے نہ ہٹیں گے۔ اماں اور عبداللہ کو آنے والے وقت اور لوگوں کا ردعمل سائے جا رہا تھا تو ابراہیم اور فاطمہ کو سباع کی خوشیاں عزیز تھیں کمرے میں گہرا سناٹا پھیل چکا تھا، چاروں نفوس خاموش تھے اور اپنی اپنی سوچ میں محو تھے۔ ان سب کے چہروں پر تفکر کے سائے واضح اور گہرے تھے جب کہ کمرے سے باہر موجود سباع اپنی زندگی کا فیصلہ خود کر کے مطمئن تھی وہ ہر فکر اور ہر سوچ سے مبرا اور بے نیاز تھی۔

شائزہ آپی اور عائزہ آپی نے سنا تو دوڑی چلی آئیں انہیں یہ سن کر دکھ ہوا تھا کہ یہ بدنامی والی بات تھی لوگ اب چپ نہ رہیں گے اور سباع کے کردار کو زیادہ رگیدا جائے گا وہ دونوں بخوبی جانتی تھیں کہ سباع کتنا سلجھی ہوئی اور مہذب و شریف تھی۔

"اماں یہ ہم کیا سن رہے ہیں۔" ان سے یہ سن کر رہا نہ گیا تھا اسی لئے وہ فوراً دوڑی آئیں شائزہ آپی نے آتے ہی اماں سے سوال کیا۔

"اے بیٹا ذرا سانس تو لے لو۔" اماں نے اسے ٹوکا تھا جب کہ شائزہ اور عائزہ وجہ جاننے کو بے چین تھیں کہ آخر ایسا کیا ہو گیا تھا جو سباع نے اکیلے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور تایا ابو نے بجائے اس کو سمجھانے کے اس کی تائید کی تھی اور اس کے حق میں ڈٹ گئے تھے۔ اماں انہیں ہولے ہولے ساری بات بتانے لگیں، اماں کی بات سنتے ہوئے عائزہ کے دل میں اک خواہش شدت سے ابھری تھی اور کچھ ایسی ہی خواہش شائزہ کے دل میں بھی تھی آخر وہ دونوں بھائی کی اجڑی حالت سے بخوبی آگاہ تھیں۔

محبت کی اسیری سے رہائی مانگتے رہنا
بہت آساں نہیں ہوتا، جدائی مانگتے رہنا
ذرا سا عشق کر لینا، ذرا سی آنکھ بھر لینا
عوض اس کے مگر ساری خدائی مانگتے رہنا
کبھی محروم ہونٹوں پر دعا کا حرف رکھ دینا
کبھی وحشت میں اس کی نارسائی مانگتے رہنا
وفاؤں کے تسلسل سے محبت روٹھ جاتی ہے
کہانی میں ذرا سی بے وفائی مانگتے رہنا

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھتے ہوئے سوچوں میں گم تھا یہ کیا ہو گیا تھا، ایسا تو اس نے کبھی نہ سوچا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ ابھی تک سباع کو دل سے نہ نکال پایا تھا مگر اس نے کبھی سباع کو بددعا بھی نہ دی تھی وہ تو ہمیشہ اس کی دائمی خوشیوں کے لئے دعا گو رہتا تھا، اس نے تو اب اپنے سے وابستہ افراد کی خاطر خود کو پرسکون کر لیا تھا۔ مگر وہ بے خبر تھا کہ اب وہ اک نئے امتحان سے گزرے گا۔ وہ تو سباع کی چاہ کی اسیری سے رہائی چاہتا تھا۔ اس کے محروم دل سے ہمیشہ سباع کے لئے دعا نکلی تھی۔ وہ اب رفتہ رفتہ خود کو سباع کو بھلانے پر آمادہ کرنے لگا تھا کہ وقت کی پرسکون جھیل میں جو تلاطم پیدا ہوا تھا اس سے اس کی ذات میں ارتعاش پیدا ہو گیا تھا اور وہ خود کو ایک بار پھر سباع کی چاہت کے سامنے مجبور محسوس کرنے لگا تھا۔

اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں اس کے چہرے پر دکھ کی واضح تحریر موجود تھی۔

وہ کچن میں داخل ہوئی تو برنر کے پاس افسردہ کھڑی فاطمہ نے فوراً اس سے رخ موڑ لیا۔ وہ دس منٹ قبل سو کر اٹھی تھی۔ اس کا سر کچھ بھاری تھا وہ اپنے لئے چائے بنانے کے لئے کچن میں آئی تھی۔

اسے فاطمہ کی اس حرکت نے ٹھٹھکا دیا تھا۔

''امی!'' اس نے فاطمہ کے رخ بدلنے پر ان کا رخ اپنی سمت موڑا تو اس کی نظر فاطمہ کے تیزی سے بہتے آنسوؤں پر پڑی تھی۔

''امی کیا ہوا؟'' وہ تشویش سے ان سے پوچھنے لگی تھی۔ فاطمہ نے خاموشی سے اپنے پیچھے کیا ہوا اپنا دائیاں ہاتھ سامنے کر کے اس کی طرف بڑھایا۔ تو اسے یاد آیا کہ وہ جب اندر آئی تھی تو فاطمہ نے صرف رخ نہ بدلا تھا بلکہ انہوں نے اس سے کچھ چھپانے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تعجب ہلکورے لینے لگا تھا۔ اس نے غور سے دیکھا تو فاطمہ کے ہاتھ میں کسی کی شادی کا کارڈ تھا اس نے تعجب سے فاطمہ کے ہاتھ سے کارڈ لے کر کھولا تو نارسائی کا زہر اسے اپنی رگوں میں اترتا محسوس ہوا تھا۔ عباد، الحق و دشینہ ضیاء کے واضح حروف نے اسے ساری سچویشن پل بھر میں سمجھا دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تیزی سے آنسو اکٹھے ہونے لگے جنہیں اس نے تیزی سے اپنے اندر انڈیل لیا۔

''تمہارے ماموں اور زمعہ آئے تھے یہ کارڈ دینے، وہ تمہاری ممانی اور عباد کے رویئے پر بے حد شرمندہ تھے اور مجھ سے بار بار معافی مانگ رہے تھے۔ وہ گھر میں سکون چاہتے ہیں اور تمہاری خوشیاں بھی انہیں بے حد عزیز ہیں انہیں اس مسئلے کا یہی حل نظر آیا کہ وہ اپنی سالی کی بیٹی کو اپنی بہو بنا لیں۔'' فاطمہ اسے دھیرے دھیرے ساری بات بتانے لگیں۔

''تم سوئی ہوئی تھی میں نے تمہیں جگانا چاہا مگر تمہارے ماموں نے مجھے سختی سے منع کر دیا۔ وہ تمہیں بے حد دعائیں دے رہے تھے سباع۔''

فاطمہ کی بات کے اختتام پر خاموشی سے ان کی بات سنتی سباع نے آگے بڑھ کر ماں کے تیزی سے بہتے آنسو پونچھ لئے۔ وہ جانتی تھی کہ فاطمہ کا بھائی کے سوا کوئی رشتہ نہیں ہے وہ ان سے ان کے میکے کا مان نہ چھیننا چاہتی تھی۔ اسی لئے اپنے اندر اٹھتے آتش فشاں پر بمشکل قابو پا کر نرمی سے بولی۔

''امی ہم سب عباد کی شادی پر ضرور جائیں گے۔'' اس کی بات پر فاطمہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا سباع کی آنکھوں میں اب اک سکون اتر آیا تھا وہ یکدم مطمئن ہو گئی تھی۔ اس کے اطمینان و سکون نے فاطمہ کے اندر جاری کشمکش کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ بھائی بھی نہ چھوڑنا چاہتی تھیں اور بیٹی کا دکھ بھی جانتی تھیں مگر سباع نے اب ان کی مشکل آسان کر دی تھی۔

''سباع میری بچی اللہ تجھے کروڑوں خوشیاں دے۔'' فاطمہ نے اسے ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے خود سے لپٹا لیا تھا۔

آج بہت دنوں بعد اس کے اندر اک نئی جنگ چھڑ گئی تھی اس کے آنسو آنکھوں سے باہر نکلنے کو بے تاب تھے جنہیں روکنے کی کوشش میں وہ نیم جان ہوئی جا رہی تھی اسے آج نئے سرے سے عباد یاد آنے لگا تھا۔ وہ جو خود سے عباد کو کبھی یاد نہ کرنے کا وعدہ کیئے بیٹھے تھی اب خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔

درد و دکھ کی اذیت اس سے سہی ہی نہ جا رہی تھی وہ جو یہ سوچے ہوئی تھی کہ وہ عباد کو بھول چکی ہے اب اسے اپنی سوچ سراسر اپنی خوش فہمی لگ رہی تھی۔ مگر اس نے جو فیصلہ کیا اب اس

سے اک انچ پیچھے نہ ہٹنا تھا وہ فاطمہ کو دکھی نہ دیکھ سکتی تھی ابراہیم تو صبح کے گئے رات کو گھر آتے تھے اور کھانا کھا کر سو جاتے۔ انہیں اک گہری چپ لگ چکی تھی انہیں بیٹی کا ویران چہرہ ہولاتا رہتا تھا۔

صادقہ یا اسحٰق نے اس روز کے بعد ان سے کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔ جس روز ابراہیم نے اسحٰق کے گھر شادی سے انکار کا پیغام بھجوایا تو ان کے گھر میں بھونچال آ گیا ہے۔ اسحٰق نے صادقہ سے وجہ پوچھی تو وہ صاف مکر گئیں حالانکہ انہیں عباد سب کچھ بتا چکا تھا۔ صادقہ اس کی بے صبری طبیعت پر اس سے بہت زیادہ لڑی تھیں انہیں اب سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ اسحٰق کو اصل حقیقت کا علم ابراہیم سے ہوا تھا۔ انہوں نے کئی روز تک صادقہ سے بات کرنا بند کر دی تھی مگر زمعہ کی منت پر مان گئے تھے زمعہ اپنے گھر جانے والی ہے وہ یہاں سے کیا یادیں لے کر جائے گی۔ اسی سوچ نے اسحٰق کو صادقہ سے مصالحت پر آمادہ کیا تھا ورنہ وہ اندر سے بری طرح ٹوٹے تھے وہ بہن اور بہنوئی سے اسی روز اپنے ناکردہ گناہ کی معافی مانگ گئے تھے جس روز ابراہیم نے انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔ سباع نے ماں سے عباد کی شادی میں شرکت کا کہا تھا مگر وہ خود کو وہاں جانے سے قاصر پاتی تھی اور اس کے بغیر فاطمہ قطعاً وہاں نہ جاتیں انہیں بہر حال بیٹی کی دلجوئی عزیز تھی۔

سباع نے اک طویل سانس بھری پھر اس نے دل میں اک عزم کر لیا اس کے اندر اک فیصلہ پر پہنچنے کے بعد سکون اترنے لگا تھا اور اسی عزم نے اسے جینے کی نئی امنگ دی تھی۔

''تایا ابو! آپ کی پرانی دکان پر نوید ہیرا پھیری کر رہا ہے وہ آپ کو صحیح حساب کتاب نہیں دیتا ہے۔'' ابراہیم نے نئی دکان میں سنبھال کر پرانی دکان نوید کے حوالے کر دی تھی جس نے ابراہیم کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر دکان میں گڑبڑ شروع کر دی تھی وہ جو حساب ابراہیم کو دیتا وہ اس پر اندھے اعتماد کی بنا پر اس کی بات مان لیتے۔ مدثر کو نوید پر شک ہوا تو اس نے تحقیق کی اور ابراہیم کو آگاہ کر دیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' ابراہیم حیرت زدہ رہ گئے نوید ان کی دکان پر پندرہ سال سے تھا وہ اس کی ایمانداری سے واقف تھے جبھی تو دکان اس کے حوالے کی تھی۔

''تایا ابو آپ خود معلوم کروالیں۔'' مدثر بولا تو وہ جلدی سے بولے۔

''نہیں بیٹا! مجھے تمہاری بات پر پورا بھروسہ ہے مگر بیٹا آج کے دور میں ایماندار آدمی مشکل سے ملتے ہیں۔'' ابراہیم نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''تایا ابو میرا ایک دوست ہے وہ ماسٹرز کے بعد بیروزگار ہے آپ اسے رکھ لیں۔ آپ ہر ہفتے خود جا کر اس سے حساب لیا کریں نوید تو جو کچھ ایک ماہ بعد آپ کے ہاتھ پر رکھتا ہے آپ مان لیتے ہیں، نوید دکان سے مال غائب کر کے اس مارکیٹ سے ہٹ کر دوسری مارکیٹ میں کپڑوں کی ذاتی دکان کھولنے والا تھا اور وہ سارے پرانے گاہکوں کو اپنی نئی دکان کا ایڈریس دینے لگا تھا اور آئندہ انہیں وہیں سے خریداری کے لئے قائل کرتا ہے۔'' ابراہیم نے مدثر کی بات مان لی۔

''پھر میں چلتا ہوں تایا جان!'' وہ اٹھ کر جانے لگا تو دروازے پر آہٹ ہوئی سباع چائے اور بسکٹ لئے اندر داخل ہوئی تھی۔ مدثر کی نظر اس پر پڑی تو وہ پلکیں جھپکانا بھول گیا۔ وہ پہلے سے کمزور ضرور ہو گئی تھی مگر اک سوز نے اس کے حسن کو دوآتشہ بنا دیا تھا۔ سباع نے اس کے قریب

سائیڈ ٹیبل کھینچ کر ٹرے میز پر رکھ دی اور خاموشی سے پلٹ گئی۔ اس کے جانے کے بعد مدثر جیسے ہوش میں آ گیا اسے تایا جان کی موجودگی کا احساس ہوا تو شرمندگی سے سر جھکا لیا اس نے چند لمحوں بعد تایا کے چہرے پر کچھ کھوجنا چاہا مگر ناکام رہا۔ وہ چائے پینے میں مشغول تھے اس نے میز پر ٹھنڈی ہوتی چائے کا کپ اٹھا کر اپنے لبوں سے لگا لیا اور گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پینے لگا تھا۔

زمعہ اور سباع کا رزلٹ آ گیا تھا دونوں نے فرسٹ ڈویژن میں ماسٹر کلیئر کیا تھا۔ عباد اور زمعہ کی شادیاں دو ماہ قبل ہو گئی تھیں فاطمہ اور سباع نے بجھے دل سے اس فنکشن میں شرکت کی تھی وہ مہمانوں کی طرح گھڑی دو گھڑی بیٹھ کر آ جاتی تھیں۔ اب سباع نے ماسٹرز کیا تو ابراہیم کے سر ہو گئی کہ وہ ایم فل کرنا چاہتی ہے۔ ابراہیم اس کی خواہش پر متعرض تھے وہ اس کی اب جلد از جلد شادی کرنا چاہتے تھے اماں نے اک بار پھر ان سے مدثر کا ذکر فاطمہ کے سامنے کیا تھا فاطمہ چپ رہی تھیں وہ بھی اب ہیرے اور پتھر کا فرق پہنچان چکی تھیں۔

''پلیز ابو صرف ایم فل کرنے دیں مجھے۔''

اس کے منت بھرے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گئے تھے اور ان کی اجازت ملنے کی دیر تھی سباع نے یونیورسٹی سے پراسپیکٹس لا کر فارم بھر کر جمع کروا دیا تھا۔

وہ بس سے اتری تو دائیں جانب گلی میں داخل ہو گئی وہ طویل گلی کی دور سے ہی خالی دیکھ سکتی تھی اس کے دل کو نجانے کیا ہوا کہ آنسو اس کی آنکھوں میں اکٹھے ہونے لگے تھے وہ گھر تک آ گئی مگر مدثر کہیں نظر نہ آیا۔

وہ آج بجائے خوش ہونے کے اداس

نئی آمد آئیں پڑھ

عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب 135/-

خمار گندم 200/-

دنیا گول ہے 225/-

آوارہ گرد کی ڈائری 200/-

ابن بطوطہ کے تعاقب میں 200/-

چلتے ہو تو چین کو چلیے 130/-

نگری نگری پھرا مسافر 175/-

خط انشا جی کے 200/-

بستی کے اک کوچے میں 165/-

چاند نگر 165/-

دل وحشی 165/-

آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو 00/-

انتخاب کلام میر 60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر 0/-

طیف غزل 0/-

طیف اقبال ..... -

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبر: 7320390-731079

ہونے لگی۔ اسے بھی اب ماں کی طرح ہیرے اور پتھر کا فرق سمجھ آچکا تھا جس مدثر کو اس نے کم تعلیم پر ٹھکرایا تھا آج اسے یہ تعلیم یافتہ عباد سے مہذب لگنے لگا تھا۔ اسے اپنا دل خالی خالی محسوس ہونے لگا وہ اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر بیٹھ گئی اس پر طاری اداسی اس کے دل تک اترنے لگی تھی۔ آج اس کی ایم فل کی کلاسز کا پہلا دن تھا۔

وہ بیڈ پر بیٹھی انجانے میں مدثر اور عباد کا تقابل کرنے لگی تھی اسے ہر نہج پر مدثر، عباد پر حاوی نظر آیا تھا مگر اس نے اپنا سر اک پتھر سے پھوڑا تھا تو نتیجتاً اس کا سر تو پھٹنا ہی تھا۔ اس کے دل میں بے اختیار اک خواہش ابھری تو اس نے ایک جھرجھری لی۔

''اب ہ میری تمنا کہاں کرے گا۔'' اس کے اندر یاسیت اترنے لگی تھی۔

''بیٹا تم نے کھانا نہیں کھانا ہے۔'' وہ سوچوں میں گم تھی کہ فاطمہ چلی آئی۔

''میں چینج کر کے آتی ہوں۔''

اس نے خود پر قابو پا کر کہا تو فاطمہ دروازے سے ہی پلٹ گئیں وہ اٹھ کر چینج کرنے لگی کہ اسے خود سے وابستہ افراد کو اپنے لئے دکھی نہ کرنا تھا۔

''فاطمہ بھابھی، میں آج آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔'' سباع کی لگی بندھی بے کیف سی روٹین لائف تھی وہ یونیورسٹی باقاعدگی سے جا رہی تھی اس روز یونیورسٹی سے لوٹی تو عبداللہ چچا اپنی فیملی سمیت ان کے ہاں آئے ہوئے تھے وہ انہیں سلام کرنے کی غرض سے اندر آنے لگی تو عبداللہ چچا کی آواز نے اس کے قدموں کو دروازے پر ہی روک دیا تھا۔

''تائی جان! آج آپ ہمیں مایوس نہ کیجئے گا۔'' شائزہ آپی نے بھی بیچ میں حصہ لیا۔ فاطمہ کے بدلے رویئے کو عبداللہ کافی دنوں سے محسوس کر رہے تھے۔ ابراہیم نے لاکھ خواہش ہونے کے باوجود اب کے بھائی سے کسی خواہش کا اظہار نہ کیا تھا عبداللہ بڑے بھائی کا مان بڑھانے خود چلے آئے تھے۔ فاطمہ ان کی بات کا مطلب بخوبی سمجھ رہی تھی۔

''عبداللہ میرے لئے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہوگی کہ میری بچی محفوظ ہاتھوں میں رہے۔'' فاطمہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''فاطمہ خوشی کے موقع پر نہیں روتے ہیں۔'' اماں نے نرمی سے انہیں ٹوکا تھا۔ سباع کا دل تیزی سے مدثر کے تصور پر دھڑکنے لگا وہ دل کی منتشر دھڑکنوں پر قابو پاتی واپس پلٹی تو نظر اپنے پیچھے کھڑے مدثر پر پڑی وہ جھجک کر پیچھے ہٹی تو مدثر اس کی راہ میں کھڑا ہو گیا۔

''سباع اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو بخدا ایسا کبھی نہ ہوگا۔'' مدثر اس کے یوں جانے کو اس کی ناراضگی سمجھ ... سباع نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں ضبط کی سرخی پھیل رہی تھی۔

''مجھے اب اسی بندے کا دل نہیں توڑنا۔'' اس نے دل میں عہد کیا اور دھیرے سے نفی میں گردن ہلا دی اور وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی اس کے بے قرار دل کو اک عرصے بعد قرار آیا تھا اس کا دل خوشی سے جھومنے لگا تھا جب کہ سباع کو خوشیوں سے جھولی میں بھرتی محسوس ہوئی تھیں۔ اندر کمرے میں موجود سب افراد بے حد خوش تھے آج طویل مدت بعد یہ گھرانا خوشیوں میں ڈوبا اکٹھا تھا اور فاطمہ کا دل بھی تمام کدورتوں سے پاک تھا۔ سباع اور مدثر کے لئے ایک روشن راستہ منتظر تھا۔

☆☆☆

Aqeelah Pakistanipoint

ابھی کچھ دن لگیں گے

شمع جبیں

وہ دوپٹہ کمر پر باندھے بڑے ہی مگن سے انداز میں پودوں کو پانی دینے میں مصروف تھی کہ اچانک ہی دو مضبوط بازوؤں نے اسے کمر سے پکڑ کر گھما ڈالا۔ ہاتھ میں پائپ ہونے کی وجہ سے دونوں ہی پر پانی کے چھینٹے آئے تھے۔

''وہاب آپ بھی نہ، ڈرا کے رکھ دیا مجھے۔'' اس کے قدموں نے زمین کو دوبارہ چھوا تو اس نے ذرا سنبھلتے ہوئے کہا۔

''ارے وہاب احمد خان کی بیوی اور ڈر..... کس کی مجال ہے کہ میرے ہوتے تمہیں چھو بھی سکے۔'' اس کے بازو اب بھی اس کی کمر کے گرد حائل تھے اور سر اس کے شانے پر ٹکا تھا۔

''اچھا..... مجھے تو چھوڑیں اگر بابا جان نے دیکھ لیا تو۔'' اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

''بے فکر رہو، بابا میرے ساتھ نہیں آئے ہیں انہیں آفس میں کچھ کام تھا اس لئے وہ ذرا دیر سے آئیں گے۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''تو آپ یہاں کیا کر رہے ہیں، بابا جان اس عمر میں کام کریں اور آپ جناب.....!''

''کیا کریں جب بیوی نائٹ ڈیوٹیاں دیتیں پھرے گی تو پھر ایسے موقع تلاشنے پڑتے ہیں۔''

''ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ بابا کہ علاوہ اور لوگ بھی رہتے ہیں اس گھر میں، بوا ہیں گھر پر۔''

''سو واٹ..... بوا کو تو ویسے بھی کم نظر آتا ہے..... اینڈ بائی داوے آئی ایم یور ہسبنڈ یار۔''

''ہسبنڈ ہونے کا یہ تو مطلب نہیں کہ آپ کو رومانس کرنے کا لائسنس مل گیا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''My dear wife لائسنس تو واقعی مل چکا ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کو استعمال کرنے کا موقع ذرا کم کم ہی ملتا ہے۔'' وہاب نے ذرا شوخ ہوتے ہوئے کہا اور وہ ایک دم ہی بلش کر گئی۔

''وہاب! کچھ تو شرم کریں، آپ اس وقت اپنے بیڈ روم میں نہیں ہیں۔'' اس نے جھینپے جھینپے سے انداز میں کہا۔

''اچھا، ویسے تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ بیوی سے رومانس کرنے کے لئے بیڈ روم کا ہونا ضروری نہیں ہے۔''

''آپ ایسے نہیں مانیں گے۔'' اس نے کہا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے پائپ کا رخ وہاب کی طرف کر دیا۔

''Hay..... ایما.....!'' اس نے فوراً ہی اسے چھوڑ دیا۔

''اب آیا نہ مزہ۔'' اس نے پائپ کو وہیں چھوڑ کر اس سے دور ہوتے ہوئے کہا۔

''ایما یو چیٹ، ابھی بتاتا ہوں۔'' اس نے پائپ اٹھایا اور پانی کا رخ ایمان کی طرف کر دیا۔ اب وہ آگے آگے بھاگ رہی تھی اور وہاب پائپ تھامے اس کے پیچھے پیچھے بھاگتے ہوئے اسے بھگو رہا تھا۔

''بیٹا! بیٹا.....!'' کہیں بہت دور سے اسے آواز سنائی دے رہی تھی لیکن سامنے لان کا منظر ایسا تھا کہ وہ سنی ان سنی کر گئی۔

''بیٹا!'' بوا نے بہت آہستگی سے اسے کندھے سے ہلایا تھا لیکن وہ پھر بھی چونک گئی۔ حیران ہو کر پہلے اس نے انہیں اور پھر باہر لان میں دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سوائے خاموشی کے چپکے سے دو آنسو گالوں پر لڑھک آئے تھے اور اس نے سر کھڑکی کے پٹ سے ٹکا دیا۔

''ایما بیٹا دیکھو تو تم سے ملنے کون آیا ہے۔'' احمد خان نے اس کی غائب دماغی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''ممی پاپا آپ۔'' اس نے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایما میری جان۔'' رابعہ بیگم نے فوراً ہی اٹھ کر اسے گلے لگایا تھا لیکن دوسری طرف جیسے کوئی جیتا جاگتا وجود نہیں بلکہ پتھر تھا جسے وہ تھامے کھڑی تھیں۔ بڑی مشکل سے انہوں نے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا تھا لیکن وہ لاپرواہی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کیسی ہے ہماری بیٹی!'' نواز صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ خالی اور ویران آنکھوں سے ان کی طرف دیکھنے لگی اور وہ محض لب بھینچ کر رہ گئے۔ رابعہ بیگم بھی آنکھوں کے بھیگے گوشے صاف کرتی اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ لاؤنج میں اتنی گہری خاموشی تھی کہ سانسوں کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ آخر کار یہ خاموشی بوا کی آمد سے ٹوٹی۔

''صاحب چائے۔'' بوا نے چائے کی ٹرالی لاتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔'' احمد خان نے آہستگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا اور بوا خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔

''ایما بیٹا! آپ کے ممی، پاپا آپ کو اپنے ساتھ لے جانے آئے ہیں۔'' احمد خان نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا تو وہ جواب تک غائب دماغی کے عالم میں بیٹھی تھی چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ڈر کے سائے لہراتے دیکھ کر احمد خان نظریں چرا گئے۔

''ہاں بیٹا! اس بار تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر ہی جاؤں گی۔ مجھ سے تمہاری یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔'' رابعہ بیگم نے اسے سینے سے لگانے کی کوشش کی تو وہ مچل کر ان کے بازوؤں سے نکلی اور احمد خان کے گھٹنے تھام کر بیٹھ گئی۔

''نہیں بابا جان! میں آپ کو اور وہاب کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔ آپ کہہ دیں ان سے کہ میں یہیں رہوں گی۔'' اس کا انداز بالکل کسی ضدی بچے کا سا تھا۔

''کیسے کہہ دوں بیٹا! اب تو وہ حوالہ ہی نہیں رہا جو تمہارے یہاں ٹھہرنے کا جواز تھا۔'' احمد خان جیسا مضبوط انسان بھی اس کی حالت دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکا تھا اور ان کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

''ٹھیک ہے اگر آپ مجھے یہاں نہیں روک سکتے تو میں ابھی وہاب کو بلاتی ہوں۔ وہ مجھے کبھی نہیں جانے دیں گے۔'' وہ نروٹھے پن سے اٹھ کر فون کی طرف بڑھنے لگی تو رابعہ بیگم نے جلدی سے اٹھ کر اسے پکڑ لیا۔

''ایما تو سمجھتی کیوں نہیں ہے، وہاب مر چکا ہے وہ اب کبھی نہیں آئے گا۔'' رابعہ بیگم نے اسے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

''نہیں..... نہیں.....'' اس نے ایک جھٹکے سے خود کو ان سے چھڑایا۔

''آپ جھوٹ بول رہی ہیں، جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔'' وہ چیختے ہوئے وہیں کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی۔

''ایما مت دو خود کو اذیت، ہوش میں آؤ۔'' رابعہ بیگم نے روتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا۔

''نہیں..... وہاب..... وہاب.....!'' اس کی سسکیوں میں بھی بس ایک ہی نام کی تکرار تھی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ہوش و خرد کی دنیا سے بے گانہ ہو کر ان کی بانہوں میں جھول گئی۔ احمد خان نے فوراً ہی ڈاکٹر ظفر کو کال کیا تھا۔ ڈاکٹر ظفر انجکشن لگا کر فارغ ہوئے تو رابعہ بیگم تو اس کا ہاتھ تھام کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

''ڈاکٹر صاحب! اس کی حالت سنبھلنے میں کیوں نہیں آ رہی ہے۔'' نواز صاحب نے پریشانی سے پوچھا۔

''دیکھیے اس کا مائنڈ ابھی تک اسی شاک کے زیر اثر ہے۔ وہ وہاب کی موت کو ابھی تک پوری طرح Accept نہیں کر پائی ہے۔'' ڈاکٹر ظفر نے نواز صاحب اور احمد خان کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر! پچھلے چھ مہینوں سے میں اس کی یہ حالت دیکھ رہا ہوں، زندگی سے تو جیسے کٹ کر رہ گئی ہے میری بچی، اب مجھ سے اور برداشت نہیں ہوتا اس کا درد۔'' احمد خان کا لہجہ بھی ٹوٹا ہوا سا تھا۔

''میں آپ کا درد سمجھ سکتا ہوں خان صاحب! Butt sorry to say جس طرح سے اس نے خود کو ایک خول میں قید کر لیا ہے اگر یہ خول نہ توڑا گیا تو شاید ہم اسے ہمیشہ کے لئے کھو دیں، اسے دوبارہ زندگی کی طرف لانا ہوگا۔ کوشش کریں کہ یہ دوبارہ ہاسپٹل جانا شروع کر دے وہاں سارا دن اپنے Paticnts بچوں کے ساتھ رہے گی تو اس کی حالت میں بہتری آئے گی یا پھر آپ اسے واپس اس کے گھر بھیج دیں۔'' ڈاکٹر ظفر نے ان کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''چاہتا تو میں بھی یہی ہوں، شاید اسے یہاں سے بھیجنا ہی ٹھیک ہوگا۔'' انہوں نے آہستہ سے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں اس کے ساتھ زور زبردستی مت کیجئے گا یہ اسے مینٹلی ڈس اوڈر کا شکار کر سکتی ہے۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں Any way thanks for coming۔'' احمد خان نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''Its my job۔'' ڈاکٹر ظفر نے کہا اور چلے گئے۔

''ویسے ارم میں تم سے سخت ناراض ہوں، میرے اور وہاب کے اتنی بار فون کرنے کے باوجود تم آج آ رہی ہو۔ دو دن بعد فنکشن ہے معلوم ہے نہ تمہیں پھر بھی۔'' ایمان نے کپڑے پریس کرتے کرتے خفگی سے کہا۔

''آپی! آپ جانتی ہیں نہ کہ NCA سے گریجویشن کرنا میرا خواب تھا۔ کل ہی ان کا انٹری ٹیسٹ تھا وہ دیئے بغیر کیسے آ سکتی تھی۔'' ارم نے بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھے ریموٹ ہاتھ میں لئے چینل سرچ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں تم اور تمہارے خواب، سب اچھی طرح جانتی ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''افوہ آپی! اب چھوڑیں بھی، میں آ تو گئی ہوں، اب آپ جلدی سے مجھے وہ ڈریس دکھائیں جو آپ اپنی First wedding anniversary کے دن پہننے والی ہیں۔'' اس نے ٹی وی آف کر کے اشتیاق سے پوچھا۔

''ایک منٹ، ابھی دکھاتی ہوں۔'' اس نے استری آف کر کے اسٹینڈ پر رکھی اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔

''یہ دیکھو۔'' ایمان نے ہینگر میں لٹکی ریڈ شیفون کی ساڑھی اس کے سامنے لہرائی جس کے ساتھ کا بلیک بلاوز مکمل طور پر ریڈ اور وائٹ ڈائی مونیٹز سے بھرا ہوا تھا۔

''This is so beautiful----wow یہ ضرور وہاب بھائی کی چوائس ہوگی۔'' ارم نے سراہتے ہوئے کہا۔

''ظاہر ہے اور کس کی ہو سکتی ہے حالانکہ میں نے کہا بھی کہ یہ بہت ڈارک کلر ہے لیکن وہ نہیں مانے۔''

''او کم آن آپی، آپ بھی نہ..... یہی تو موقع ہے ایسے کلر پہننے کا، میرے حساب سے تو یہی فنکشن کے لئے Best ہے۔''

''جی ہاں ڈریس سینس تو ختم ہے بس آپ دونوں پر۔'' ایمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹرن..... ٹرن.....'' فون کی بیل نے ایمان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ہیلو۔'' اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

''کیا یہ وہاب صاحب کا گھر ہے۔'' دوسری طرف سے بڑی عجلت میں پوچھا گیا تھا۔

''جی ہاں لیکن آپ.....'' اس نے جملہ مکمل بھی نہیں ہونے دیا گیا تھا۔

''جی وہاب صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' یہ سنتے ہی ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''وہاب.....!'' رابعہ بیگم اس کے سرہانے ہی بیٹھی تھیں جب وہ چیختے ہوئے ہوش میں آئی تھی۔ انہوں نے فوراً ہی اسے سینے سے لگالیا۔

''ممی! وہاب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔ وہ مجھے بلا رہے ہیں۔'' ایمان نے ان کی بانہوں میں مچلتے ہوئے کہا۔

''وہاب مر چکا ہے ایما! وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا، تو سمجھتی کیوں نہیں بیٹا!'' وہ اسے سنبھالتے سنبھالتے خود بھی رو پڑیں۔

''نہیں، وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔'' اس کا پورا جسم لرز رہا تھا اور اس کی سسکیوں میں بھی ایک ہی بات کی تکرار تھی۔

احمد خان اور نواز صاحب بھی اس کی چیخ سن کر کمرے میں چلے آئے تھے۔ نواز صاحب تو اس کی حالت دیکھ کر ہی گرنے کے سے انداز میں بیڈ کے کنارے بیٹھ گئے لیکن احمد خان ایمان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ بیٹے کی موت نے انہیں توڑ ضرور دیا تھا لیکن ایمان کا درد انہیں دیمک کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا تھا۔

''کیوں خود کو اور ہمیں اذیت دے رہی ہو بیٹا! تم تقدیر سے لڑتے لڑتے ٹوٹ جاؤ گی لیکن اس کا فیصلہ پھر بھی نہیں بدلے گا، وہاب کا جانا تو طے تھا لیکن تمہیں پل پل مرتا ہم نہیں دیکھ سکتے۔'' احمد خان کے لہجے میں شکست کا احساس نمایاں تھا۔ یہ ان کا بکھرا بکھرا سا لہجہ تھا یا شاید تقدیر کو ان پر رحم آ گیا تھا کہ آج ایمان یوں پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی کہ رابعہ بیگم کے لئے اس کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا، لیکن احمد خان اسے کھل کر روتے دیکھ کر ایک دم ہی پرسکون ہو گئے تھے کیونکہ اب انہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ اسے زندگی کی طرف واپس لے آئیں گے۔

''بس ایما بس، ورنہ تمہاری طبیعت اور خراب ہو جائے گی۔'' رابعہ بیگم جتنا اسے سنبھال رہی تھیں وہ اتنی ہی بکھرتی جا رہی تھی۔

''میری بیٹی بہت بہادر ہے بھابھی! وہ یوں زندگی سے ہار نہیں مانے گی۔'' احمد خان نے بڑے مان سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور حیرت انگیز طور پر اس کے رونے میں کمی آنے لگی تھی۔

''میرا خیال ہے میں کل کی فلائٹس کی ٹکٹ کنفرم کروالوں۔'' نواز صاحب نے آہستگی سے کہا۔

''ٹکٹس کی آپ فکر نہ کریں، وہ میرا مینجر ارینج کر دے گا۔'' احمد خان نے کہا تو ایمان نے جلدی سے دونوں ہاتھوں سے چہرہ رگڑ ڈالا اور ان کے ہاتھ تھام لئے۔

''پلیز بابا جان! مجھے یہاں سے مت بھیجیں، میں آپ کو اب بالکل بھی تنگ نہیں کروں گی، میں روؤں گی بھی نہیں، بس مجھے یہیں رہنے دیں۔'' اس نے لجاجت سے کہتے ہوئے ان کی طرف دیکھا لیکن وہ چاہتے ہوئے بھی اسے روک نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔

''نہیں بیٹا! تمہیں جانا ہو گا۔ اگر تم یہیں

رہیں تو تمہاری زندگی ایک ہی مرکز پر ٹھہر جائے گی اور زندگی حرکت کا نام ہے، جمود زندگی نہیں ہے بیٹا! زندگی نہیں ہے۔" ان کے نرم سے انداز میں اس کے لئے ڈھیروں محبت تھی۔

"لیکن بابا جان! اگر میں خود ہی یہ زندگی....." وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے اس لئے فوراً ہی اس کی بات کاٹ گئے۔

"نہیں، ہم تمہیں یہ بے وقوفی نہیں کرنے دیں گے، تمہیں جانا ہی ہوگا۔" ان کا انداز دو ٹوک تھا۔

"ٹھیک ہے بابا جان! میں آپ کی بات نہیں ٹالوں گی لیکن ایک بات یاد رکھیے گا۔ وہاب کو تو مجھ سے تقدیر نے چھینا تھا لیکن اس سے دور مجھے آپ کر رہے ہیں۔" اس نے شکوہ بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور پھر بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

احمد خان ایک گہرا سانس لے کر رہ گئے۔ ایمان کے لفظوں نے ان کے دل کو کیسے چیرا تھا یہ صرف وہ ہی جانتے تھے لیکن اس کی خوشی کی خاطر وہ یہ درد بھی سہہ گئے تھے۔

"بھابھی! آپ آج ہی اس کی ساری پیکنگ مکمل کر لیں۔ میں کل کسی بھی فلائٹ کی سیٹیں بک کروا دیتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں کمزور پڑ جاؤں آپ اسے لے جائیں۔" اپنے بکھرے بکھرے سے وجود کو سنبھالتے وہ بڑی مشکل سے کھڑے ہو پائے تھے لیکن پھر بھی لڑکھڑا گئے۔ نواز صاحب نے فوراً ہی انہیں تھام لیا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ ایما کو ساتھ لے جا کر ہم خود غرضی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ایک باپ سے بیٹا تو چھن ہی چکا تھا اور اب ہم....." نواز صاحب کا لہجہ شرمندگی لئے ہوئے تھا۔

"نہیں نواز! میں ایما کو بہو بنا کر لایا تھا لیکن وہ میری بیٹی بن گئی اور بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر ایک باپ کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔" احمد خان نے کہا تو انہوں نے تشکر سے ان کے ہاتھ تھام لئے۔

یاد نہیں کتنا عرصہ بیت گیا تھا اسے یوں آئینہ دیکھے ہوئے اس لئے آج اپنا آپ ہی اجنبی لگ رہا تھا۔ گلے میں پڑے وائٹ ڈائمنڈ کے ہارٹ پر نظر پڑی تو بے اختیار ہی اس نے اسے اپنی مٹھی میں جکڑا تھا۔ ماضی کا لمحہ ذہن میں دستک دے رہا تھا اور اس نے بے خود ہو کر آنکھیں موند لیں۔ ان ہاتھوں کا لمس وہ آج بھی اپنی گردن پر محسوس کر رہی تھی اور وہ آواز سرگوشی بن کر اس کے آس پاس بکھر رہی تھی۔

"یہ ہماری جان کے لئے ایک چھوٹا سا تحفہ کیسا لگا۔" اس نے اپنی ٹھوڑی ایمان کے کندھے پر ٹکاتے ہوئے آئینے میں نظر آنے والے اس کے خوبصورت سراپے کو اپنی نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"بہت خوبصورت، لیکن کس خوشی میں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ خوشی کیا کم ہے آج ہی کی تاریخ میں ہم ایک ہوئے تھے۔" وہاب نے اسے اپنی طرف گھماتے ہوئے بانہیں اس کی گردن میں حائل کر دیں۔

"ویسے وہاب جس طرح آپ ہر مہینے ہماری ویڈنگ ڈیٹ سیلیبریٹ کرتے ہیں اس سے اکثر خواتین مجھ سے جیلس ہونے لگی ہیں۔ خاص طور پر وہ مسز احمد ایسی حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتی ہے کہ میں تو اب باقاعدہ ڈرنے لگی ہوں، آپ کی یہ دیوانگی کسی دن میری جان لے کر چھوڑے گی۔" اس نے نروٹھے پن سے اسے دیکھا۔

''ارے جان وہاب! تم بیویاں بھی نہ بڑی بھولی ہوتی ہو، دراصل ہم مرد ہمیشہ اپنا فائدہ دیکھتے ہیں، اب دیکھو نہ اگر اگلے پانچ دس سالوں میں بھی میں اپنی Anniversary Wedding بھول جاؤں تو اسے بیلنس کرنے کے لئے یہی گفٹس تو کام آئیں گے۔'' وہاب نے آہستہ سے اس کے ماتھے سے اپنا سر ٹکرایا۔

''اچھا، تو یہ ارادے ہیں جناب کے، لیکن میں آپ کو بھولنے دوں تب نہ۔'' ایمان نے پورے استحقاق سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہائے، اس ادا پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔'' وہاب نے شوخی سے کہا تو اس نے فوراً ہی جھینپ کر اپنا چہرہ اس کے کشادہ سینے میں چھپا دیا اور وہاب نے ہنستے ہوئے اسے اپنی مضبوط بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

''ایما کیا بات ہے بیٹا! اس طرح کیوں کھڑی ہو۔'' رابعہ بیگم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اسے لگا جیسے ایک طلسم تھا جو ان کے آنے سے ٹوٹ گیا۔ اب نہ تو وہ بانہیں تھیں اور نہ ہی وہ آواز بے جان سے انداز میں اس نے لاکٹ سے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔

''فلائٹ کا ٹائم ہونے والا ہے بیٹا! تم..... تم.....'' رابعہ بیگم نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''میں بابا جان سے مل کر آتی ہوں۔'' خود کو اتنا سمجھانے کے باوجود قدم اس وقت اٹھنے سے انکاری ہو رہے تھے۔ اپنے بکھرے بکھرے سے وجود کو سمیٹے وہ بڑی مشکل سے احمد خان کے کمرے کے دروازے پر دستک دے پائی تھی۔

''یس کم ان۔'' اندر سے آنے والی آواز بھی اسی کی طرح مضمحل زدہ تھی۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ احمد خان بیڈ پر ہی نیم دراز تھے۔ اسے دیکھ کر انہوں نے اٹھ کر بیڈ سے ٹیک لگا لی۔

''آؤ ایما بیٹا! جا رہی ہو۔'' وہ بظاہر مسکرا رہے تھے لیکن ایک ہی رات نے انہیں بے حد بوڑھا کر دیا تھا۔

''اپنے بابا جان سے ناراض ہو۔'' انہوں نے اس کی خفا خفا سے چہرے پر نظر ڈالی تو وہ نظریں جھکا کر ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ادھر دیکھو میری طرف۔'' انہوں نے کہا تو اس نے نظریں اٹھائیں آنسو بھری آنکھوں میں سے شکوہ چھلک رہا تھا۔ وہ ایک سرد آہ بھر کر رہ گئے۔

''بابا جان! آپ بالکل اکیلے ہو جائیں گے۔'' اس نے امید بھری نظروں سے دیکھا۔

''تم میری فکر مت کرو، آفتاب بیوی بچوں کے ساتھ بزنس وائنڈ اپ کر کے ہمیشہ کے لئے یہاں آ رہا ہے۔'' انہوں نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی حالانکہ جانتے تھے کہ ایک بیٹے کی جگہ دوسرا بیٹا کبھی نہیں لے سکتا۔

''لیکن میں تو نہیں ہوں گی نہ۔'' اس نے مایوس ہو کر کہا اور احمد خان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ انہیں جتنا عزیز وہاب تھا اتنی ہی ایمان بھی تھی۔

''ایسے نہیں کہتے بیٹے اور پھر لاہور کون سا اسلام آباد سے دور ہے۔ جب دل چاہے میرے پاس چلی آنا۔ یہ گھر تمہارا تھا اور تمہارا ہی رہے گا۔ تم جب بھی آؤ گی یہاں کی ہر چیز تمہیں ویسی ہی ملے گی جیسے تم چھوڑ کر جا رہی ہو۔'' وہ جانتی تھے کہ یہ گھر اس کے لئے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اس کے لرزتے ہوئے ہاتھ تھامے تو وہ ان کے ہاتھوں پر سر رکھ کر رو پڑی اور آنکھیں تو ان کی بھی بھر آئی تھیں لیکن انہوں نے خود کو

سنبھال لیا۔
''چلیں ایما بیٹا!'' نواز صاحب نے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر پکارا تو اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے امید بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا لیکن احمد خان اس سے نظریں چرا گئے۔
''جاؤ بیٹا!'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ آئی۔

''چار سال، یہ چار سال تمہارے بغیر چار صدیوں کی طرح گزرے ہیں، دعا، خواہش، خوشی، میرے لئے تو سب کچھ تم تھے اور تمہارے بعد نہ تو کوئی دعا ہونٹوں تک آتی ہے، نہ ہی کوئی خواہش دل میں مچلتی ہے اور نہ کوئی خوشی چہرے پر بکھرتی ہے۔ کبھی کبھی تو سوچتی ہوں کہ میں جی بھی رہی ہوں یا نہیں، لیکن اگر سانسوں کا چلنا زندگی ہے تو ہاں میں جی رہی ہوں، بس احساس مر چکا ہے۔ امیدیں دم توڑ چکی ہیں، خواہشیں کفن پہنے سو گئی ہیں، لیکن میں زندہ ہوں..... ہا.....'' سوچیں اب اکثر یونہی اس پر حاوی ہو جایا کرتی تھیں اور آج بھی یہی ہوا تھا۔

نہر کے شفاف پانی پر نظریں جمائے اس نے تھکے سے انداز میں اسی درخت کے تنے پہ سر ٹکا دیا جس سے ٹیک لگائے وہ اتنی دیر سے کھڑی تھی۔ دو آنسو چپ چاپ ہی گالوں پر لڑھک آئے تھے۔ لیکن اس نے انہیں پونچھنے کی کوشش نہیں کی، بس آنکھیں بند کر لیں۔ نجانے کتنی دیر وہ یونہی آنکھیں بند کئے کھڑی رہتی کہ اچانک اسے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی۔
''آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں بدلا کرتی۔''

اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول کر پیچھے دیکھا تو وہ ہاتھ باندھے اسی درخت کے تنے سے ٹیک لگائے مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
''عفان! تم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' اسے اس وقت اس کی مداخلت سخت ناگوار گزری تھی۔
''فی الحال تو دیکھ رہا ہوں۔'' اس نے کس قدر شوخ سے لہجے میں کہا تو وہ گھور کر اسے دیکھنے لگی اور فوراً ہی بات پلٹ گیا۔
''میں تو ان بوندوں کی بات کر رہا تھا جو اب آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی ہیں اور اگر ہم مزید کچھ دیر اور یہاں کھڑے رہے تو تمہارا تو پتا نہیں لیکن میں برساتی مینڈک ہرگز نہیں بننا چاہتا۔'' اس نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا تو ناچار اسے بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔
''ایک تو تم کبھی بھی سیدھا جواب نہیں دیتے ہو۔'' عفان کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے کس قدر چڑ کر کہا۔
''ڈیئر، جب سوال ہی الجھ جائیں تو جواب کیسے سیدھے رہ سکتے ہیں۔'' اس نے سڑک پر نظریں جمائے بڑے ہی گہرے لہجے میں کہا تھا اور وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ عفان نے بھی شاید اس کا رکنا محسوس کر لیا تھا۔
''یہ تم بار بار رک کیوں جاتی ہو، لیکن زندگی سے ایک قدم پیچھے چلنا چاہتی ہو، ایک بات کہوں، وقت کو تم مٹھی میں قید نہیں کر سکتیں جس دن یہ مٹھی کھولو گی نہ سوائے خالی ہتھیلیوں کے تمہارے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔ چار سال، چار سال کم نہیں ہوتے لیکن گزرا ہوا، کل آج بھی تمہارا دامن تھامے ہوئے ہے۔'' عفان نے رک کر پلٹ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
''اپنی ذاتی زندگی میں مداخلت کی اجازت میں نے کسی کو نہیں دی۔ تمہیں بھی نہیں.....'' ایمان کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی سخت ہو گیا تھا۔

اس نے ایک خفگی بھری نظر اس پر ڈالی اور تیز تیز قدم اٹھاتی سڑک کراس کر کے اپنی کار کے پاس آ گئی۔ کار کا دروازہ کھول کر اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر اداسی صاف نظر آ رہی تھی۔ اسے ندامت نے آ گھیرا اور اسے پشیمان دیکھ کر وہ خود ہی چلا آیا۔

''جانتی ہو تم میں سب سے اچھی بات کیا ہے، تمہیں اپنی غلطی کا احساس فوراً ہی ہو جاتا ہے۔'' عفان نے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ بس اسے دیکھے گئی۔

اسلام آباد سے واپس آنے کے بعد احمد خان نے اس کا ٹرانسفر اس ہاسپٹل میں کروا دیا تھا اور یہ اتفاق ہی تھا کہ یہاں اس کی ملاقات اپنے کالج فیلو ڈاکٹر عفان سے ہو گئی۔

لیکن کالج کے زمانے کی یہ بے تکلف دوستی اب کبھی کبھی اسے الجھا دیا کرتی تھی۔ اس کے سادہ سے الفاظ بھی اس کی بولتی نگاہوں کے سامنے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا کرتے تھے۔

''ہیلو..... کہاں کھو گئیں۔'' عفان نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجا کر کہا تو وہ چونک اٹھی۔

''کہیں نہیں۔'' ایمان نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''چلو بیٹھو گاڑی میں۔'' اس نے بے دھیانی میں کار کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ کو چھو گیا۔ ایمان نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچا اور کار میں بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی عفان نے دروازہ بند کر دیا۔

''ہاسپٹل پہنچا تو ڈاکٹر عارف نے بتایا کہ تم صبح پانچ بجے ہی چلی گئی ہو۔ موبائل تم اٹھا نہیں رہی تھیں۔ اس لئے میں نے گھر فون کر دیا اور آنٹی پریشان ہو گئیں، آئندہ نائٹ ڈیوٹی کر کے سیدھے گھر جانا یا کم از کم آنٹی کو بتا دینا اور ہاں یہ Advise نہیں Request ہے۔'' اس نے کھڑکی پر ہاتھ رکھے نرم سے لہجے میں کہا۔

''میں یاد رکھوں گی۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

''کاش میں تم سے ملا نہ ہوتا۔'' عفان کے لہجے میں حسرتیں پنہاں تھیں اور پھر وہ آہستہ روی سے چلتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

ایمان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے اس نے ہاسپٹل سے چھٹی لے لی تھی۔ وہ بیڈ سے ٹیک لگائے وہاب کا فوٹو فریم ہاتھ میں لئے آنکھیں موندیں بیٹھی تھی۔ یادوں نے اسے پوری طرح اپنے حصار میں جکڑ رکھا تھا اور وہ بھی اس قید سے رہائی نہیں چاہتی تھی لیکن دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ آنکھیں کھلیں تو گالوں پر نمی کا احساس بھی ہو گیا جو نجانے کب سے آنسوؤں کی برسات میں بھیگ رہے تھے۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو صاف کیا اور فریم واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ دوسری دستک دے کر ارم خود ہی اندر چلی آئی۔

''مجھے لگا آپ سو رہی ہیں۔'' اسے جاگتے دیکھ کر ارم نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، بس وہ، تم بتاؤ کیا کام تھا۔'' اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا لیکن براہ راست اس کی طرف دیکھنے سے گریز ہی کیا تھا۔

''اپنے احساسات تو آپ چھپا لیتی ہیں لیکن ان آنسوؤں کو بہنے سے کیسے روکیں گی جو پلکوں کی باڑ توڑ کے باہر چلے آ رہے ہیں، کم سے کم مجھ سے تو آپ اپنا دکھ شیئر کر ہی سکتی ہیں نہ لیکن نجانے کیوں آپ نے خود کو ہم سب سے

الگ کر لیا ہے۔ ابھی وے عفان بھائی آئے ہیں۔ آپ نیچے آ رہی ہیں یا میں.....'' ارم نے پر شکوہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''میں آتی ہوں۔'' وہ نظریں چراتی بیڈ سے اتر کر واش روم میں گھس گئی اور ارم تاسف سے سر ہلاتی واپس چلی آئی۔

عفان لاؤنج میں ہی رابعہ بیگم کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ اسے آتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور جانچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا حالانکہ اس نے منہ دھو کر رونے کی آثار مٹانے کی کوشش کی تھی لیکن آنکھوں کے گرد پھیلی ہلکی سرخ لکیر نے اس کے سارے بھید کھول دیئے تھے۔

''کیسی ہو؟'' عفان نے اپنے سامنے ٹیبل پر رکھا بکے اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے بکے لے کر واپس ٹیبل پر رکھ دیا اور اس کے بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی اس کے بیٹھتے ہی وہ بھی بیٹھ گیا۔

''تم دونوں باتیں کرو میں ابھی آتی ہوں۔'' رابعہ بیگم اٹھ کر چلی گئیں۔

''تم سدھرو گی نہیں نہ۔'' اس نے بغور اس کے چہرے پر نظریں جمائے کہا۔

''آں..... تم آج ہاسپٹل نہیں گئے۔'' ایمان نے نظریں چرائے ہوئے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

''ہاسپٹل سے ہی آ رہا ہوں، بڑی مشکل سے ڈاکٹر عارف سے ایک گھنٹے کی چھٹی لے کر آیا ہوں لیکن لگتا ہے میرا آنا بے کار ہی رہا۔'' اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' ایمان نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اور نہیں تو کیا، تم یہاں آرام سے بیٹھی ہو۔ میں نے تو سوچا تھا کہ میرا سامنا سرخ سرخ آنکھوں والی بیڈ پر نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی ایمان سے ہوگا لیکن تم تو.....'' اس کا لہجہ چبھتا ہوا سا تھا۔

''بیمار کی عیادت ایسے کی جاتی ہے کیا۔'' اس کا انداز ہلکی سی خفگی لئے ہوئے تھا۔

''وہ تو مجھے نہیں پتا، لیکن تمہارے جیسے بیمار کی عیادت ایسے ہی کی جانی چاہیے، کیوں کہ تمہاری بیماری کی وجہ تم خود ہو، تمہاری یہ ناختم ہونے والی سوچیں ہیں۔ ان سوچوں سے خود کو آزاد کروالو بیماری خود بخود ختم ہو جائے گی۔'' اس نے پر خلوص انداز میں مشورہ دیا۔

''سوچیں ہمارے اختیار میں کب ہوتی ہیں، ہم تو بے بس پرندوں کی مانند ہیں جو کب قید کر لئے جائیں پتا ہی نہیں چلتا۔'' اس کی نظریں اپنی ہتھیلیوں پر بنی لکیروں سے الجھ رہی تھیں۔

''اختیار میں تو شاید ہمارے کچھ بھی نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ہم کوشش کرنا ہی چھوڑ دیں، امید پر دنیا قائم ہے اور اس امید پر پنجرے میں قید بے بس پرندہ بھی جیتا ہے۔'' وہ کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

''اس پرندے کے پاس جینے کی امید ہے لیکن میرے پاس تو ایسی کوئی امید بھی نہیں جس کے سہارے میں جینے کی کوشش کروں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ بھیگا ہوا سا تھا۔ شاید یہ اس کی تھوڑی دیر پہلے والی جذباتی کیفیت ہی تھی کہ وہ اپنے خول میں قید نہیں رہ سکی تھی۔

''حادثوں سے زندگی نہیں رکتی، ہاں ہم کچھ دیر کے لئے ٹھہر ضرور جاتے ہیں، لیکن کب تک، سفر کا دوبارہ آغاز تو بہر حال ہمیں کرنا ہی پڑتا ہے اور جتنی جلدی تم یہ بات سمجھ لو اتنا ہی اچھا ہے۔''

''میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ اس کے سامنے

Neelam Pakistanipoint

رونا نہیں چاہتی تھی اس لئے فوراً ہی وہاں سے اٹھ گئی۔

وہ اپنے کیبن میں کرسی پر نیم دراز آنکھیں موندیں بیٹھی تھی کہ عفان ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر چلا آیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں تھیں۔

''یہ ڈاکٹر عارف کیا کہہ رہے ہیں ایمان!'' عفان کا لہجہ خفگی لئے ہوئے تھا۔

''کیا کہہ رہے ہیں۔'' وہ جان بوجھ کر انجان بن گئی اور اس کے اس انداز پر عفان کے ماتھے کے بلوں میں کئی لگنا اضافہ ہو گیا۔

''تم Resign کر رہی ہو۔''

''ہاں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں۔'' اس نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''میں اسلام آباد جا رہی ہوں، بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو..... چھٹی لے کر چلی جاؤ، آخر اس سے پہلے بھی تو تم چھٹی لے کر جاتی رہی ہو، تو پھر اب کیا ہوا..... یہ ریزائن کیوں.....'' وہ اس کو سمجھ نہیں پا رہا تھا اس لئے الجھا ہوا تھا۔

''بابا جان کی طبیعت زیادہ خراب ہے نجانے مجھے وہاں کتنے دن لگیں اور پھر انہیں میری ضرورت ہے۔ وہ میری ذمہ داری ہیں اس لئے میں نے سوچا ہے کہ میں اب ان کے ساتھ ہی رہوں گی۔'' آخر اصل بات بتانی ہی پڑی۔

''اوہ تو یہ بات ہے، لیکن وہ صرف تمہاری ذمہ داری تو نہیں ہیں، ان کا دوسرا بیٹا اور بہو تو ہیں نہ ان کے پاس۔'' اب وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ فرار کی راہ اپنا رہی ہے۔

''لیکن وہ لوگ میری جگہ تو نہیں لے سکتے نہ..... آخر تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں ہو، ممی، پاپا بھی

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلئے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشاجی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

مجھے نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ وہاں جا کر میں زندگی سے دور ہو جاؤں گی، اب میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہاب سے جڑی ہر چیز میرے لئے کیا معنی رکھتی ہے۔'' وہ کہتے کہتے کھو سی گئی۔

''ایمان، انکل آنٹی صحیح کہہ رہے ہیں۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''تم سمجھ نہیں رہے ہو اور تمہیں تو خوش ہونا چاہیے، یہی تو چاہتے تھے نہ تم، سب کہ میں زندگی سے ایک قدم پیچھے نہیں بلکہ زندگی کے ساتھ قدم ملا کر چلوں، تو وہی تو کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' اس کا انداز ایک ضدی بچے کا سا تھا۔

''ہا For your kind information ڈاکٹر ایمان آپ زندگی کے ساتھ نہیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے چلنے کی کوشش کی رہی ہیں اور یہ زندگی سے فرار حاصل کرنا ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

''ڈاکٹر عفان! کیا اب زندگی جینے کا فن مجھے آپ سے سیکھنا ہوگا۔'' اس کے انداز دیکھ کر ایمان کا لہجہ بھی خود بخود بیگانہ ہو گیا۔

''شاید ہاں..... کیوں کہ تم تو.....'' وہ کوئی سخت سا جملہ کہنے جا رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر دیکھ کر اسے اپنے رویے کا احساس ہو گیا۔

''I did not mean that----Sorry میں تو صرف تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ.....''

''پلیز عفان! مجھے اپنی زندگی اپنے طریقے سے جینے دو۔'' اس کی معذرت اس کے لہجے میں بھی نرمی لے آئی تھی۔

''کیسے جینے دیں ایمان! تم خود کو ہم سے الگ کیوں سمجھتی ہو۔ تمہارے گھر والے، میں اور تمہارے سب دوست، ہم سب تمہاری خوشی چاہتے ہیں۔'' اس کا لہجہ خلوص سے بھرا ہوا تھا۔

''خوشی، خوشی تو میری زندگی سے اسی دن چلی گئی تھی جب تقدیر نے وہاب کو مجھ سے چھینا تھا، اب تو بس یادیں ہیں جن کے سہارے جینے کی کوشش کر رہی ہوں اور وہ بھی اس لئے کہ جینا میری مجبوری ہے۔ کہ زندگی ابھی باقی ہے۔'' اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے اس لئے وہ نظریں چرا گئی۔

''میں جانتا ہوں کہ وہاب تمہاری زندگی کی اولین خوشی تھا لیکن ایک بات تم بھول رہی ہو۔ اگر زندگی اس کے جانے کے بعد نہیں رکی تو خوشی بھی تمہاری زندگی میں ضرور لوٹے گی۔ بس تمہیں زندگی کو ایک موقع دینا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ خوشی تمہارے آس پاس ہی موجود ہو لیکن تم ہی اسے محسوس نہ کر پا رہی ہو۔'' عفان نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ہی معنی خیز انداز میں کہا اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ عفان کی آنکھوں میں چھپے رنگ اس کے لئے نا آشنا نہیں تھے لیکن یہ آنکھیں ضرور اس کے لئے نا آشنا تھیں اس لئے اس کے چہرے پر سختی خود بخود عود آئی۔

''ایمان! میں تم سے.....'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

''بس عفان! اس سے آگے ایک لفظ بھی مت کہنا، میں نے تم میں ایک بہت اچھا دوست پایا ہے اور میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا اور کیبن سے باہر جانے کے لئے قدم آگے بڑھا دیئے لیکن عفان کے لفظوں نے اسے چند قدم چل کر ہی رک جانے پر مجبور کر دیا۔

''ایک منٹ ایمان! آج میں تمہیں اپنی بات کہے بغیر نہیں جانے دوں گا۔'' وہ چلتا ہوا

اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا لیکن ایمان نے خفگی کے اظہار کے طور پر چہرہ سائیڈ پر کر لیا۔

''تم وہاب کی یادوں کے سہارے جینا چاہتی ہو نہ، تو جیو، میں کب تمہیں روک رہا ہوں، میں تو بس زندگی کے اس سفر میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتا ہوں اور یقین کرو میں بدلے میں تم سے کچھ نہیں چاہتا۔ تمہاری محبت بھی ہیں I just want to marry you۔'' اس کے لہجے میں اتنی گہرائی اور سچائی تھی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ میری زندگی میں وہاب کے علاوہ کسی اور کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔'' وہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عفان کا یہ روپ اس کے لئے بالکل نیا اور انوکھا تھا۔

''ہاں..... کیوں کہ میں تم سے جتنی محبت کرتا ہوں وہ ہم دونوں کے لئے کافی ہے، میں صرف تمہارا ساتھ چاہتا ہوں۔'' اس نے یقین سے پر لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں عفان! یہ ناممکن ہے۔'' ایمان نے ایک جھٹکے سے اس پر سے نظریں ہٹائیں تھیں اور اس سے دو قدم آگے ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''لیکن کیوں، میں تو.....''

''پلیز عفان! میں تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی، میرا فیصلہ اٹل ہے اور ہاں آج کے بعد میرے راستے میں آنے کی کوشش بھی مت کرنا ورنہ مجھے ایک مخلص دوست کھو دینے پر ہمیشہ افسوس رہے گا اور مجھے یقین ہے کہ تم ایسا کبھی نہیں چاہو گے۔'' ایمان نے ایک نظر اس کی طرف دیکھو کہ فیصلہ کن انداز میں کہا اور کیبن کا دروازہ کھول دیا۔

''اور اگر میں نے ایسی کوشش نہ کی تو مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا کہ کیوں میں نے پہلی ہی بار میں ہمت ہار دی۔ اس لئے اب ہمارے راستے تو ایک دوسرے سے ٹکراتے ہی رہیں گے، اب دیکھنا یہ ہے کہ پہلے ہار کون مانتا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پرعزم لہجے میں کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ ایمان نے غصے میں زور سے دروازہ بند کیا اور دروازے سے پشت لگا کر زور سے آنکھیں بند کر لیں۔

وقت کا پنچھی
پر لگائے اڑ رہا ہے
پرچھائیاں دھندلی پڑنے لگی ہیں
ماضی دامن چھڑاتا محسوس ہوتا ہے
لیکن وہ ایک شخص جس کے نقش کو
ماہ و سال بھی دھندلا نہ سکے
جو ہر پل
مجھے اپنے ہونے کا احساس دلاتا ہے
اپنی قربت سے مہکاتا رہتا ہے
جو میرے اتنا قریب ہے
کہ بس ہاتھ بڑھاؤں
تو اسے چھو سکتی ہوں
لیکن
حقیقت اور واہمہ میں بہت فرق ہوتا ہے
شاید یہ فرق
میں کبھی سمجھ پاؤں
لیکن آج نہیں..... ابھی نہیں

☆☆☆

مکمل ناول

تیسری قسط

مجھے اپنے ملن کا غرور دو

ثنا ظفر

Aneela PakistaniPoint

کھو ایک دن

فرزانہ چلبلی راؤ

وہ اردگرد سے بے نیاز سوچوں کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی۔ ایک کے بعد ایک سوچ کا دروا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ نو سال کی تھی جب باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ وہ شفقت سے بھرپور، محبت بھرا لمس ہمیشہ کے لئے کھو چکی تھی۔

جوانی سے بڑھاپا ساجدہ نے اسی محلے میں گزارا تھا۔ بیوگی کا طویل کٹھن سفر تھکا دینے والا تھا۔ اچھا، برا آسان اور کڑا وقت انہی لوگوں کے بیچ گزارا تھا۔ خاص طور سے خالہ زاہدہ کے ساتھ، ان کے ہر دکھ سکھ میں وہ ساجدہ کے ساتھ شریک رہی تھیں اور اب ایک ماہ سے ان کے جانے کے بعد بھی کرن کا خیال اسی طرح سے رکھے ہوئے تھیں بلکہ اس سے بڑھ کر۔

ایک ماہ قبل اس کی ذمہ داری خالہ زاہدہ کو سونپ کر خود گہری نیند جا سوئی تھیں۔ ساجدہ کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی عباس جہانگیر کو اطلاع دی گئی تھی۔ جب ان کو لاہور اطلاع دی گئی تو وہ ملک سے باہر تھے۔ وطن واپسی کے بعد فوراً ہی وہ بہن کی تعزیت کے لئے اوکاڑہ پہنچ گئے تھے۔ وہ اکلوتی بھانجی کو بے یار و مددگار دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے۔ کتنی دیر تک وہ اس کو سینے سے بھینچے ہوئے روتے رہے تھے۔ وہ بھی مسلسل ان کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔ پھر ذرا دیر بعد سنبھلے تو اس کو ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ کرن اس وقت اس کیفیت سے گزر رہی تھی جہاں انکار کے تمام در بند ہو چکے ہوتے ہیں۔

مکمل ناول

Pakistani Pics

اقرار کے سوائے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس کے فائنل ائیر کے امتحان سر پہ تھے اور وہ بی اے کا امتحان ضرور دینا چاہتی تھی۔ یہ اس کی ماں کی تاکید تھی کہ وہ اپنی تعلیم ضرور مکمل کرے اس نے ان کی خواہش ہر حال میں پوری کرنی تھی۔ کرن نے ایک نظر ماموں کی طرف دیکھا اور بولی۔

''میں جانتی ہوں میرا آخری ٹھکانہ آپ کا گھر ہے مگر کچھ دن میں یہاں ہی رہنا چاہتی ہوں۔ میرے پیپرز اگلے ہفتے شروع ہونے والے ہیں۔ وہ ڈراپ نہیں کر سکتی میں جیسے ہی پیپرز ختم ہوں گے میں آپ کے ساتھ چل پڑوں گی۔'' بے بسی سے اس کی آنکھوں میں موتی تیرنے لگے تھے۔ اس وقت وہ بے بسی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ ضبط کی کوشش میں اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا سا اٹک گیا تھا۔

''کرن بیٹا، میرا گھر نہیں آپ کا گھر، آپ کی مما کا گھر، اس گھر پہ آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ساجدہ کا تھا۔'' ساجدہ کے نام پر وہ دکھی ہو گئے تھے۔ درد کی ایک لہر پھریری کی طرح ان کے وجود میں پھر گئی تھی۔

''مگر بہت مختصر عرصے کے لئے، اگر وہ ان کا بھی گھر ہوتا تو آپ ہمیشہ کے لئے اس گھر کے دروازے ان پر بند نہ کرتے۔'' وہ شکوہ کرنے سے خود کو باز نہ رکھ سکی تھی۔ کسی اپنے کو سامنے دیکھ کر اس کے زخموں کے ٹانکے ادھیڑنے لگے تھے ان سے لہو رسنے لگا تھا۔

''یہ صدمہ ان کو بھی اندر سے چاٹ گیا تھا۔ ان کی خاموش نگاہوں نے ہمیشہ آپ کا انتظار کیا۔ وہ جانتی تھیں کہ آپ کبھی پلٹ کر ان کی خبر نہ لیں گے مگر ان کے دل کو پھر بھی جیسے آپ کے آنے کا دھڑکا سا رہتا تھا۔ کبھی انہوں نے زبان سے آپ جدائی کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن ان کے دل کی ایک ہی پکار تھی۔''

''تم کیا جانو کرن بیٹا میں اپنے اس فیصلے پر ہمیشہ کتنا پچھتایا ہوں۔ جس بہن پر ہمیشہ کے لئے اس گھر کے دروازے بند کر رہا ہوں ایک روز اس کی بیٹی کو وہ ہی مقام دوں گا جو کبھی اس گھر میں ساجدہ کا رہا تھا۔ مجھے افسوس ہے میں آخری وقت میں یہاں نہ پہنچ سکا۔ مگر اب میں ایک لمحہ بھی تمہیں تنہا یہاں نہیں گزارنے دوں گا۔

''ایک ماہ سے میں اکیلی، تنہا ہوں۔'' وہ پھر شکوہ کر بیٹھی تھی۔

وہ کوئی شکوہ شکایت نہیں کرنا چاہتی تھی مگر ان کو سامنے دیکھ کر وہ خود پہ اختیار کھو بیٹھی تھی۔

''ٹھیک ہے ایگزام کے فوراً بعد مجھے اطلاع کر دینا۔''

وہ اس کی معصوم سی خواہش اور ضد کا خیال کر کے پلٹ آئے تھے۔ زندگی میں پہلی بار انہوں نے اکلوتی بہن کی اکلوتی نشانی کو سینے سے لگایا تھا۔ اس لمحے انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ساجدہ ان کے لیے ''اپنی فرمائش پوری نہ ہونے پر شکوے کر رہی ہو۔ اس گھڑی اس پر انہیں ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ ان کے دل میں ٹھنڈک سی اتر گئی تھی۔ ٹھنڈی پھوار کی طرح وہ ان کے وجود کو خوشگوار بہار کا پیغام دے گئی تھی۔

عباس جہانگیر، ساجدہ کی شادی اپنے چچا زاد کزن فاروق سلطان سے کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ساجدہ کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور فاروق سلطان کا پرپوزل دیا تو اس نے بھی اپنے کلاس فیلو نعیم الحسن کا پرپوزل پیش کر دیا۔ زندگی کا باقی سفر وہ نعیم الحسن کے سنگ گزارنا چاہتی تھی۔ عباس جہانگیر نے اس کا پروپوزل ریجکٹ کر دیا تھا۔ بہت سارے دنوں تک دونوں کے درمیان جنگ جاری رہی لیکن کوئی بھی اپنی ہار تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ یکدم ہی گھر کی فضا

مکدر ہو گئی تھی۔ اداسی و تنہائی اس گھر کے در و دیوار سے لپٹ گئی تھی۔ فرزانہ بھابھی نے دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر عباس جہانگیر نے اپنے معاملے میں دخل دینے سے سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا۔ ادھر ساجدہ ان کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھی۔ وہ ان دونوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھ کر اپنی مصروفیات میں پھر سے مگن ہو گئی تھیں۔

آخر عباس جہانگیر نے حتمی فیصلہ کرنے کے بارے میں سوچا۔ انہوں نے اس کے سامنے دو آپشن رکھے تھے۔

نعیم الحسن سے شادی کی صورت میں بھائی اور آدھی جائیداد سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ باپ کی وراثت میں وہ برابر کی حصہ دار تھی مگر اس وقت بھائی کل مالک و مختار تھے۔

ساجدہ جہانگیر نے بھائی اور جائیداد پر نعیم الحسن کی محبت کو ترجیح دی تھی۔ انہوں نے اس کا فیصلہ قبول کرتے ہوئے مختصر عزیزوں کو مدعو کر کے اس کی شادی نعیم الحسن سے کر دی تھی۔

مگر رخصتی کے وقت وہ نہ صرف ان کے دست شفقت سے محروم رہی تھی بلکہ اس گھر نے ہمیشہ کے لئے اس سے ناتا توڑ لیا تھا۔ وہ نعیم الحسن کے سنگ رخصت ہو کر اوکاڑہ آ گئی تھی۔

زندگی کا سفر نعیم الحسن کی ہمراہی میں بتاتے ہوئے وہ خوش و مطمئن تھی۔ جو انہوں نے چاہا پا لیا تھا۔ نعیم الحسن کی والدہ نے اس کو ایک بیٹی کی طرح جانا۔

کرن ساجدہ کی گود میں دو سال بعد آئی تھی۔ وہ بالکل ساجدہ کی کاپی تھی۔ گہری سیاہ آنکھیں، ستواں ناک، کمان ابرو، چمکتی پیشانی، رخسار میں پڑتے ڈمپل اور بائیں سائیڈ پر ہونٹ سے ذرا اوپر سیاہ تل۔

کرن کی پیدائش کے بعد اس کے دل میں کسک جاگ اٹھی تھی۔ اسے بھائی کی بہت شدت

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب 135/-
خمار گندم 200/-
دنیا گول ہے 225/-
آوارہ گرد کی ڈائری 200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں 200/-
چلتے ہو تو چین کو چلئے 130/-
نگری نگری پھرا مسافر 175/-
خط انشا جی کے 200/-
بستی کے اک کوچے میں 165/-
چاند نگر 165/-
دل وحشی 165/-
آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو 200/-
انتخاب کلام میر 160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر 160/-
طیف غزل 120/-
طیف اقبال 120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7221690-7310797

سے یاد آتی تھی تو وہ ان دونوں سے چھپ کر رویا کرتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی ٹھہر گئی تھی۔ ہر دم ہنسنے ہنسانے والی ساجدہ کے اندر کی لڑکی جیسے مر گئی تھی۔

اس نے کئی بار ان سے رابطہ کرنے کا سوچا مگر ان کے آخری الفاظ جب سماعت میں گونجتے تو وہ بے بس ہو جایا کرتی تھی۔

''ساجدہ آج کے بعد تمہارا اس گھر اور مجھ سے کوئی تعلق نہیں رہا تم میرے لئے اور میں تمہارے لئے مر گیا ہوں آئندہ کبھی اس گھر کی طرف پلٹ کر نہ دیکھنا۔ اپنی جائیداد کا حق تم کھو چکی ہو۔ جو میں نے دے دیا ہے اسی کی غنیمت سمجھو۔ آج سے ہمارا رشتہ ختم ہو گیا ہے۔''

عباس جہانگیر جب سے اوکاڑہ سے لوٹ کر آئے تھے۔ ان کے دل پر ایک بوجھ آ گرا تھا۔ بہن کی جدائی نے انہیں توڑ ڈالا تھا۔ ٹوٹ تو وہ اسی روز گئے تھے۔ جب ساجدہ نے اپنی زندگی کے ساتھ کا انتخاب خود کیا تھا۔ وہ معاف تو اسے کب کا کر چکے تھے۔ بس اپنی انا کے پندار میں قید تھے۔ جس کے ساتھ ضد تھی وہ ہی نہیں رہی تھی تو پھر کیسی انا۔ اب دریا کے تمام بند منہ زور جذبوں کے سامنے ٹوٹ گئے تھے۔ وہ اس سیلاب میں ڈوبتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے دل میں بس ایک ہی آرزو آن بسی تھی۔ کرن کو اس گھر میں پورے استحقاق اور اعزاز کے ساتھ لے کر آئیں۔ وہ اس گھر میں اجنبی کی طرح نہیں بلکہ مالک بن کر رہے۔ وہ بھانجی کی محبت میں پور پور ڈوب چکے تھے۔ وہ چاہتے تھے ساجدہ کی بے قرار روح کو قرار آ جائے۔ قیامت کے دن وہ اس کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے تھے۔ اس کی زندگی میں تو اس پہ خوشیوں کے تمام در بند کر چکے تھے۔ مگر اب اس کی بیٹی کی وہ ہی خوشیاں لوٹا کر اپنی نام نہاد انا کو اپنے قدموں تلے روند دینا چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ بیس سال تک بہن کی جدائی کا عذاب سہتے رہے تھے۔

عباس جہانگیر کے تین بیٹے تھے۔ ارتضیٰ، سیف اور زین، لیکن سیف سب سے زیادہ پیارا تھا۔ ان کے دل نے ایک انجانی سی انگڑائی لی تھی۔ سیف اور کرن کو ایک بندھن میں باندھنے کی تمنا یہ سوچ ان کے لبوں پر ایک میٹھی اور پرسکون مسکراہٹ لے آئی تھی۔

جب وہ تنہا لوٹ کر آئے تھے تو ان سب کے لبوں پر ایک ہی سوال تھا۔

''کرن کو لے کر کیوں نہیں آئے؟'' مختصر بات بتا کر انہوں نے کہا تھا وہ چند روز بعد اس کو پھر لینے جائیں گے۔ ان تینوں کا اشتاق بھرا لہجہ ان کو بہت اچھا لگا تھا۔ مگر فرزانہ نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بس خاموش نگاہوں سے ان کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔

ان کی آنکھوں میں بھانجی کی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر پھر سے بچوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

کئی روز کی اضطراری کیفیت کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ سیف سے بات کر لی جائے۔ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی رائے جاننا ضروری تھا۔ اب وہ مزید کوئی غلطی کر کے ہمیشہ کے لئے پچھتانا نہیں چاہتے تھے۔ بیس سال انہوں نے اذیت میں گزارے تھے۔ اب وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی پھر سے انہونی ہو۔

جب انہوں نے سیف سے بات کی تو اس کے انکار نے انہیں اندر سے توڑ ڈالا تھا۔ مگر وہ پھر بھی ہر ممکن مطمئن و خوش نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''پاپا میں نوشین سے وعدہ کر چکا ہوں اور میرے نزدیک نوشین سے کیا ہوا وعدہ سب سے

زیادہ اہم ہے۔ اگر نوشین درمیان میں نہ ہوتی تو میں کبھی انکار نہ کرتا۔ اپنی یہ جان میں آپ پہ قربان کرنے کو تیار ہوں لیکن.....'' ان کا مان بھربھری ریت کی دیوار ثابت ہوا تھا۔ لیکن وہ جبر کے قائل نہیں رہے تھے۔

''تم اپنی جان کیا قربان کرو گے ایک بات تو امان نہ سکے۔'' وہ سوچ کر مسکرا دیئے۔

''ٹھیک ہے سیف بیٹا اب تم جاؤ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ آج کل آفس میں کام بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔'' وہ لیٹتے ہوئے بولے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''پاپا!''

''ہوں۔''

''آپ ناراض تو نہیں ہیں مجھ سے۔''

''نہیں۔''

''لیکن مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ پاپا آپ ناراض نہ ہوں۔ مجھے صرف اور صرف آپ کی خوشی عزیز ہے اور میں آپ کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں گلٹی فیل کر رہا ہوں مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔''

وہ پھر سے ان کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ان کا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھامے اس نے اپنے لب ان کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

''سیف بیٹا مجھے تم پہ فخر ہے لیکن میں اپنی خوشی کی خاطر تمہاری خوشیوں کا گلا نہیں گھونٹ سکتا۔ کرن اچھی لڑکی ہے جو اس کے نصیب میں ہوگا اس کو مل جائے گا، تم اپنے دل سے ہر بوجھ اتار دو۔ پھر کبھی اپنے دل میں یہ خیال مت لانا کہ میں تم سے ناراض ہو سکتا ہوں۔ اپنی اولاد میں تم مجھے سب سے پیارے ہے۔ اپنے ذہن سے ہر خیال جھٹک دو۔'' انہوں نے اس کو پیشانی پہ پیار کرتے ہوئے اپنے سینے سے لگا لیا۔

اس پل سیف کو لگا وہ گہری ٹھنڈی چھاؤں میں آ گیا ہو۔ اس کے اندر سکون پھیلتا چلا گیا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا تو انہوں نے آنکھیں کھول کر اس کی پشت کو دیکھا۔

''سیف بیٹا مجھے تم پر یوں ہی تو اعتبار نہیں ہے۔ کچھ تو ہے نا تم میں، بس میں چاہتا تھا تم کرن کا مقدر بنتے۔ لیکن جو میرے خدا کو منظور تم کرن کی تقدیر میں ہی نہیں ہو تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔'' ان کی آنکھوں سے دو آنسو لڑھک کر گریبان میں جذب ہو گئے تھے۔

''پاپا آپ کہیں تو میں ارتضٰی سے بات کروں۔'' چند روز بعد وہ پھر ان سے کرن کے لئے بات کر رہا تھا۔

''کس سلسلے میں.....'' وہ اخبار پڑھتے ہوئے سرسری سے انداز میں بولے۔

''کرن کے لئے پاپا۔'' وہ یکدم چونکے تھے۔ وہ ان کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔''

''کیوں پاپا!''

''تمہاری ماں کبھی یہ تمہیں چاہے گی میں نہیں چاہتا گھر میں کوئی بدمزگی پیدا ہو ارتضٰی اور طبیعت کا مالک ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی کہیں انوال ہو۔ کرن کو وجہ تنازعہ نہیں بنانا چاہتا اس گھر میں، اس بات کو یہیں پہ ختم کر دو۔ میرے دل میں بس ایک خیال آیا تھا وہ بھی صرف تمہارے حوالے سے کیونکہ تم میں جو خوبیاں ہیں وہ کسی اور میں نہیں تم کسی بھی لڑکی کے دل کا ارمان اور یہ دل تو تم پہلے ہی دان کر چکے ہو۔ وہ خوش نصیب لڑکی ہوگی جس کا تم مقدر بنو گئے۔ خواب صرف دیکھنے کے لئے ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ ہر خواب کی تعبیر بھی ملے۔''

''ساجدہ کے بعد میں نے کبھی کسی کو مجبور نہیں کیا خصوصاً دل کے معاملے میں، ساجدہ کے

ساتھ ضد باندھ کر میں کبھی خوش نہیں رہ سکا۔ ہمیشہ ایک کھٹکی دل میں رہی۔ ساجدہ میری بہن جاتے سے میرے دل کا قرار بھی چھین کر لے گئی مجھ سے، میں نے اسے اسی روز معاف کر دیا تھا جب وہ اس گھر سے رخصت ہو کر گئی تھی۔ مگر جھوٹی انا کے حصار میں قید خود کو اذیتوں کے گہرے سمندر میں دھکیل دیا تھا۔ لیکن زبان سے اقرار کرنا میرے بس میں نہ رہا تھا۔ اس کے لئے میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکا۔ کرن کو اس گھر میں ہمیشہ کے لئے لا کر میں اس کے سامنے سرخرو ہونا چاہتا تھا۔ ایسا کر کے میں اپنے دل کا سکون اور اس کی بے قرار روح کو قرار دینا چاہتا تھا۔ اس گھر میں ساجدہ کے کھوئے مقام کو اس کی بیٹی کے حوالے سے بحال کرنا چاہتا تھا۔ مگر ہوتا تو وہ ہی ہے جو تقدیر میں لکھا ہو انسان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

وہ خود کلامی کے انداز میں خود سے گویا ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں جیسے وہ سیف کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھے ہوں۔ سیف ان کو اس کیفیت میں دیکھ کر چپ رہ گیا تھا۔ وہ ان کو بولنے کا موقع دے کر ان کے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔

"میری بہن، میری بیٹی ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ ساجدہ اپنے بھائی کو معاف کر دو تاکہ مجھے دل کا سکون نصیب حاصل ہو۔ تم سے جدا ہونے کے بعد سے میں ایک پل بھی سکون کی نیند نہیں سو سکا ہوں۔ سب کو میرا ظاہر نظر آتا ہے سخت اور ظالم، لیکن میرے اندر کسی نے جھانکنے کی کوشش نہیں کی حتیٰ کہ فرزانہ نے بھی نہیں۔ وہ بھی یہ ہی سمجھتی ہے کہ میں تم سے آج بھی ناراض ہوں۔ لیکن یہ تو میں جانتا ہوں میں تم سے کبھی ناراض رہا ہی نہیں۔"

وہ اتنا آہستہ بول رہے تھے کہ بمشکل ان کی سرگوشی سن سکا تھا۔ سیف نے اپنے اندر اضطراب اترتا محسوس کیا تھا۔ اس کے دل پہ ایک گھونسہ سا لگا تھا کہ باپ کی ایک خواہش بھی پوری نہ کر سکا۔ اپنی خواہش کی خاطر کس بے دردی سے ان کی بات ٹال گیا تھا۔ لیکن اس بات کا احساس اسے اب ہو رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتا جو ہمک ہمک کر نوشین کے ساتھ کا تمنائی تھا۔ وہ خود کو گرداب میں پھنسا محسوس کر رہا تھا۔ وہ عجیب سی کیفیت میں گھر گیا تھا۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا اب وہ بیڈ پر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ کتنے پل وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا تھا۔

آسمان پہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ سفید، سرمئی گالے ادھر سے ادھر اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ بادلوں کے ٹکڑے بارش کا سبب بنے تھے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہوا میں ٹھنڈک پیدا کر رہی تھی۔ ہوا کے جھونکے کے ساتھ بوندوں کو بوچھاڑ اس کے چہرے اور کپڑوں کو بھگو رہی تھی۔ وہ ہاتھ بڑھا کر بارش کے قطروں کو اپنی ہتھیلیوں پر جمع کرنے لگا اور پھر ان قطروں کو اپنے چہرے پر تھپک رہا تھا۔ اس کھیل میں اس کو مزہ آ رہا تھا۔ چند لمحوں پہلے والی کیفیت کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ بپ کی آواز پر اس نے چونک کر اسکرین پر نظر ڈالی تھی۔ نوشین کا نمبر دیکھ کر اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

سیف آفس سے آیا تو بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ارتضیٰ اور زین کی پر جوش آواز پر اس کے اٹھتے قدم ٹھہر گئے تھے۔ وہ یکدم ہی پلٹا تھا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا تھا۔

ایک نازک سی لڑکی خود کو بڑی سی چادر میں ڈھانپے پاپا کے پہلو میں سہمی سہمی گھبرائی سی بیٹھی تھی۔ اس کی خوفزدہ سی صورت بہت پیاری لگ رہی تھی۔

وہ سمجھ گیا تھا یہ لڑکی یقیناً کرن ہے۔ اسے اپنے گھر میں دیکھ کر اس کو انجانی سی خوشی ہوئی تھی۔ شاید اس لئے کہ پاپا پرسکون نظر آ رہے تھے۔

''السلام وعلیکم!'' اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

''آؤ سیف بیٹا کرن سے ملو۔ یہ تمہاری ساجدہ پھپھو کی بیٹی کرن ہے اور کرن یہ سیف ہے ارتضٰی سے چھوٹا۔'' انہوں نے دونوں کا تعارف کرایا۔

''السلام وعلیکم!'' اس نے گھبراہٹ میں اس کو سلام کر دیا۔ ارتضٰی اور زین کا مشترکہ قہقہہ اسے شرمندہ کر گیا۔ سیف کے لبوں پر ایک میٹھی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ اس نے گھبرا کر ماموں کی طرف دیکھا تھا۔ انہوں نے ان دونوں کو گھورا تھا۔ ان کی ہنسی کو یکدم ہی بریک لگ گئی تھی۔

''کیسی ہیں آپ، سفر کیسا رہا۔'' اس نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے تھے۔

''جی ٹھیک ہو۔'' اس نے مختصر جواب دیا تھا۔ باقی کے جواب گول کر گئی تھی۔ اپنی یہ کزن سیف کو بہت اچھی اور دلچسپ لگی تھی۔ وہ بھی زین کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''مما کہاں ہیں زین؟'' اس نے ان کی کمی محسوس کر کے پوچھا تھا۔

''وہ اپنی کسی فرینڈ کے ساتھ گئی ہیں واپسی کب ہوگی میں کیا کوئی بھی نہیں جانتا۔''

''کھانا کھا لیا تم سب لوگوں نے۔'' اس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

اس نے ایک نظر پاپا کے پرسکون چہرے پر ڈالی تھی۔ جہاں سکون ہی سکون پھیلا ہوا تھا۔

''نہیں آپ فریش ہو جائیں۔ اتنے میں کرن آپی اور پاپا بھی فریش ہو کر آتے ہیں، پھر کھانا کھاتے ہیں۔'' زین نے سب کو اٹھنے کا عندیہ دے دیا تھا۔

''کرن آپی آئیں میں آپ کا کمرا دکھا دوں۔'' وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''ہاں کرن بیٹا زین کے ساتھ جاؤ۔ اتنا لمبا سفر طے کر کے آئی ہو تھک گئی ہوگی۔''

''فریش ہو کر ڈائنگ روم میں آ جانا۔'' ارتضٰی اور سیف اس کا گریز سمجھ گئے تھے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس سے پہلے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔

وہ زین کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگی زین مسلسل بول رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ اتنی کم گو نہیں تھی بس خود کو نئے ماحول اور نئے لوگوں میں اجنبی محسوس کر رہی تھی۔ وہ پاپا کے بعد شہزاد بھائی کے علاوہ (خالہ کا بیٹا) کبھی کسی سے فرینک نہیں ہوئی تھی۔

شہزاد بھائی کے سامنے اس کا بچپن گزرا تھا۔ انہوں نے اسے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔ پاپا کی وفات کے بعد جب مما ان کے غم میں نڈھال تھیں شہزاد نے اسے سنبھالا تھا۔ وہ ان کے ساتھ بہل جایا کرتی تھی اور نت نئی فرمائش کر کے ان کو خوب تنگ کیا کرتی تھی۔ جب وہ پاپا کو یاد کر کے روتی تو وہ اس کو پیار سے سمجھاتے تو وہ فوراً سمجھ جایا کرتی تھی۔ شہزاد کو دیکھ کر اسے ہمیشہ تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔ وہ بھی اس کو بہنوں کی طرح چاہتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ کسی بھی موضوع پر گھنٹوں بول سکتی تھی۔ لیکن اس گھر میں وہ خود کو ان فٹ محسوس کر رہی تھی باقی کا تمام عرصہ کیسے گزرے گا یہ سوچ کر اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

''کرن آپی کہیں آپ کوئی تو نہیں ہیں میری باتوں کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں بولی ہو۔'' ذرا منہ کھول کر اپنی زبان دکھاؤ مجھے۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی اور لبوں پہ گہری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس پل اسے ٹوٹ کر اس پہ پیار آیا تھا۔ اتنے عرصے میں پہلی بار اس نے خفگی سے اسے گھورا تھا۔

''سوری کرن آپی، میں جان گیا ہوں نہ صرف آپ کے منہ میں زبان ہے بلکہ محسوس کرنے کی ساری حسیں بھی بیدار ہیں۔'' وہ ایک بار پھر اس پر چوٹ کر گیا۔

''بدتمیز۔'' وہ پہلی مرتبہ مسکرائی تھی۔

''چلو زبان کا اندازہ بھی ہو گیا ہے مجھے۔ اب آپ اپنے کمرے میں جا کر فریش ہو جائیں میں کچھ دیر میں آپ کو لینے آتا ہوں۔ ابھی یہ ڈیوٹی اسی خادم کو انجام دینا ہو گی۔ ناواقف جو ٹھہریں اس گھر کی بھول بھلیوں سے۔''

اس پل کرن کو لگا وہ اس کا چھوٹا سا بہت پیارا بھائی ہو، ایک ایسا بھائی جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا تھا اور اکثر پاپا سے بھائی کے بارے میں فرمائش کیا کرتی تھیں۔ وہ ہنس کر مما کی طرف اشارہ کر کے کہتے۔

''اپنی اس خواہش کا اظہار اپنی مما سے کرو ہو سکتا ہے وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر تیار ہو جائیں۔'' وہ اسے گود میں اٹھا کر سینے سے بھینچ لیتے اور ایک آنکھ دبا کر مما کو دیکھتے تو وہ ان کی طرف سے رخ موڑ لیا کرتیں۔

''پاپا مجھے بس بھائی چاہیے۔'' وہ اپنی ضد پر قائم رہتی۔

''کرن بیٹا آپ میرے ساتھ بازار چلنا میں آپ کو ایک نہیں ڈھیر سارے بھائی لے دوں گا۔'' وہ شرارت سے اس کے کان میں کہتے ہوئے بولے۔

''مجھے وہ Spiderman نہیں چاہیے سچ مچ کا بھائی چاہیے۔''

وہ ان کے سینے پہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے مکے برسانے لگی۔

''نظر ثانی کرتے ہیں تمہاری مما کے فیصلے پر۔'' پاپا اس کے گال پہ پیار کرتے ہوئے کہتے۔ تو وہ خوش ہو جاتی۔ جیسے حقیقت میں اس کی خواہش پوری ہونے جا رہی ہو۔ اس سوچ پہ اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔

''نہ..... نہ رونا نہیں۔ ورنہ پاپا میری کھال کھینچ لیں گے، میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا کہ آپ رونے لگیں۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ اس کے لبوں کو ایک دلکش مسکراہٹ چھو گئی۔

اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں پونچھ ڈالیں اور ایک پیار بھری نگاہ اس پہ ڈال کر کمرے میں داخل ہو گئی۔

اس نے ایک طائرانہ نظر کمرے پہ ڈالی تھی۔ ہر چیز بہت مہنگی اور نفیس تھی۔ وہ ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ بہت سے پل یوں ہی گزر گئے تھے۔ پھر زین کا خیال آتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ فریش ہو کر نکلی تو دروازے پر دستک ہوئی۔

دوپٹہ سر پر اچھی طرح پھیلاتے ہوئے دروازے کی جانب چڑھی۔

''آجائیے محترمہ کرن صاحبہ سب آپ کے انتظار میں ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھے ہیں اور چوہوں کی Race کو شکست دینے کی ناکام کوشش میں ہلکان ہو رہے ہیں۔ اگر مزید ایک لمحے کی تاخیر ہوئی تو کسی کی جان بھی جا سکتی ہے اور اس کی ذمہ دار آپ ہوں گی۔'' زین اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولا۔

تو وہ اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سر جھکا کر اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

جب سے وہ آئی تھی زین نے اسے مکمل کمپنی دینے کی کوشش کی تھی اور وہ اس کی کمپنی کو انجوائے بھی کر رہی تھی۔ ارتضیٰ اور سیف کو دیکھ کر اس کے فطری جھجک عود کر آئی تھی۔ لیکن زین اس کو واقعی ہی اچھا اور دلچسپ لگا تھا۔

وہ ڈائنگ روم میں داخل ہوئی تو جھجک گئی، ماموں، ارتضیٰ، سیف اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ وہ ماموں کے اشارے پر زین کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔ زین نے بریانی کی ڈش اس کے سامنے کی تو اس نے تھوڑے سے چاول اپنی پلیٹ میں نکال کر اسے واپس پکڑا دی۔ وہ چاولوں سے کھیل رہی تھی۔ سب کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ اس کو چاولوں سے کھیلتے دیکھ کر زین کی رگ شرارت پھڑک اٹھی۔

''اگر چاولوں کی گنتی پوری ہو چکی ہو تو تناول فرمالیں۔''

ان تینوں نے بھی سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا۔

''کرن بیٹا مہمانوں کی طرح کیوں بیٹھی ہو۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ ریلیکس ہو کر بیٹھو۔''

اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ وہ تینوں اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔

اس نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چائے نہیں پئیں گی کرن آپی۔'' زین نے اسے اٹھتے دیکھ کر پوچھا تھا۔ اس بار بھی اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''کرن بیٹا اپنے کمرے میں جاؤ۔ خادم حسین وہیں چائے دے آئے گا۔''

''جی۔'' کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

وہ زین کے ساتھ جلد ہی گھل مل گئی تھی۔ ارتضیٰ اور سیف بھی اسے کمپنی دینے کی کوشش کرتے تھے لیکن وہ جھجک جاتی یا زیادہ تر خاموش رہتی۔ فرزانہ ممانی کا رویہ بھی اس کے ساتھ نارمل تھا۔ اس کے کسی معاملہ میں دخل دیتی تھیں نہ ہی اس کو بلا مقصد بلاتی تھیں۔ وہ اپنے سوشل سرکل میں مصروف رہتیں گھر پہ بہت کم وقت گزارتی تھیں۔ ماموں جان اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ وہ آفس سے آ کر اس کو پورا وقت دیتے۔

ماموں، ارتضیٰ سیف آفس چلے جاتے تھے۔ زین کالج، اس دوران وہ گھر میں اکیلی ہوتی تھی۔ تو اسے اپنا گھر شدت سے یاد آتا۔ اس کی آنکھیں چھلک پڑتی تھیں۔

اس نے اپنی مما کا کمرا دیکھا تھا۔ جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھیں آج بھی ویسا ہی تھا۔ البتہ صفائی ضرور کی جاتی تھی۔ یہ ہدایت ماموں جان کی تھی۔ اس نے مما کی ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھا تھا۔ ان کی کتابوں، کپڑوں، جیولری اور ان کی البم کو۔

ایک تصویر میں وہ ماموں جان کے گلے میں بانہیں ڈالیں جھول رہی تھیں۔ کہیں ان کی گود میں سر رکھے سو رہی تھیں اور کسی تصویر میں وہ ان کے سینے سے لگی پیار سمیٹ رہی تھی۔ ایک تصویر وہ ماموں جان کے قدموں میں بیٹھی ان کو جوتے پہنا رہی تھیں ان دونوں کی اتنی ڈھیروں محبت دیکھ کر اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ وہ اس روز ٹوٹ کر روئی تھی پھر اس نے کبھی ماموں جان سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی کسی بات سے ان کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ ماموں جان خود اسے مما کی باتیں کرتے تو وہ خاموشی سے سنتی رہتی کبھی ان کے سامنے روئی نہیں تھی۔ وہ ضبط کے مشکل ترین مراحل سے گزر رہی ہوتی تھی۔ لیکن خود پہ اختیار رکھتی۔

وہ خالہ زاہدہ کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھی

لیکن اس کے پاس سیل نہیں تھا اور گھر کا فون؟"
استعمال کرتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ اس نے
سوچا تھا آج زین کے سیل سے خالہ سے بات
کرے گی۔ وہ لان میں ٹہل رہی تھی جب زین
اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔
"ہیلو سورج کی پہلی کرن..... کسی مسئلے پر
غور و فکر کیا جا رہا ہے۔" وہ بہت لاڈ میں ہوتا تھا
اسے اس نام سے پکارتا تھا۔
"نہیں کس نے کہا میں کسی مسئلے میں الجھی
ہوں۔"
"آپ کی چہل قدمی کے انداز سے پتہ چلا
مجھے۔ کیوں میں سچ کہہ رہا ہوں نا۔" وہ اس کے
سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولا تو اس کی آنکھیں
چھلک پڑیں۔
"ارے..... ارے رونا نہیں، مجھے کسی
خوبصورت لڑکی کو چپ کرانے کا کوئی تجربہ نہیں
ہے۔ بہتر یہ ہے پیاری آپی چپ ہو جاؤ اور
جھٹ سے اپنی پریشانی کہہ ڈالو۔"
"میں خالہ زاہدہ سے بات کرنا چاہتی ہوں
ایک ماہ ہو گیا ہے مجھے یہاں آئے ہوئے۔ میں
نے ایک بار بھی ان کی خیریت معلوم نہیں کی۔ وہ
میرے بارے میں کیا سوچتی ہوں گی۔"
"بس اتنی سی بات پر یوں ہلکان ہو رہی ہو
یہ لو اور ان سے بات کر لو۔" اس نے اپنا سیل
اسے تھماتے ہوئے کہا تو اس نے تھینک یو کہہ کر
پکڑ لیا۔
"تھینک یو کہہ کر اجنبی فضا قائم مت کرو۔
بہن بھائیوں میں تکلف نہیں چلتا سمجھ گئی ہو نا۔"
"ہاں، میرے بہت سمجھ دار اور عقل مند
بھائی۔" اس نے اس کے بالوں کو بکھیرتے
ہوئے کہا تو اس نے پیار بھری نگاہ اس چہرے پر
ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ جب کہ
وہ خالہ زاہدہ سے بات کرنے لگی۔

☆☆☆

وہ سیڑھیوں پر سمٹے پاؤں بیٹھی گھٹنوں پر سر
رکھے سوچوں میں گھری بیٹھی تھی۔
"کیا ہو رہا ہے کزن۔" اس کی پشت پر
آواز ابھری۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا، ارتضیٰ
سامنے کھڑا تھا۔
"آں..... کچھ نہیں۔ بس ویسے ہی بیٹھی
تھی۔ کرنے کو کچھ تھا نہیں اکیلی بور ہو رہی تھی۔"
وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
"تو پھر اس بوریت کو دور کرنے باہر چلتے
ہیں۔" وہ خاموش رہی۔ کیونکہ زین کے علاوہ کبھی
باہر نہیں گئی تھی۔ اس لئے سوچ رہی تھی اس کو کیا
کہہ کر ٹالے۔
"کیا مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔" اس نے
سوچوں میں دیکھ کر کہا۔
"ایسا کچھ نہیں ہے۔ شاید ممانی کو اچھا نہ
لگے۔" آخر اس نے اپنے خدشے کا اظہار اس
کے سامنے کر دیا تھا۔
"ان کو اچھا یا برا تو اس وقت لگے گا جب وہ
گھر پر ہوں گی۔ ویسے بھی میں نہیں سمجھتا وہ
ہمارے باہر جانے پر ناراض ہوں گی، اگر تم جانا
نہ چاہو تو اور بات ہے۔"
"میں جانے کے لئے تیار ہوں ارتضیٰ
بھائی۔ آپ ناراض نہ ہوں۔" وہ یکدم اس کی
ناراضگی کے خیال سے بولی تھی۔
"یہ ہوئی نہ بات۔" وہ مسکراتے ہوئے
بولے اور اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی۔
"کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا
کھائیں گے، پھر آئس کریم اور پھر کسی سے
ملواؤں گا تمہیں۔" آخری بات پہ ارتضیٰ کے لبوں
پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔
"کس سے ارتضیٰ بھائی....."
"ہے کوئی..... اگر تم کو پسند آ جائے تو

Aiseeda Pakistani Style

مستقبل میں وہ تمہاری بھابھی کہلانے کا حق رکھتی ہوگی۔"

"اوہ..... تو یہ بات ہے۔ جب آپ پسند کر چکے ہیں تو میری پسند ناپسند سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق پڑتا ہے۔ مائی ڈیئر کزن، آخر تم اس کی اکلوتی نند ہو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میں نند ہونے کا پورا پورا حق ادا کروں گی۔ ظالم سماج دشمن کا اہم کردار ادا کروں گی۔" وہ ان کو چڑاتے ہوئے بولی۔

ارتضٰی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہاں تم یہ اختیار رکھتی ہو کیونکہ اس گھر کی پہلی خاتون خانہ ہو جو باقاعدہ اس سے ملنے جا رہی ہو۔ ورنہ یہ حسرت ہی رہتی۔ مما کو کئی بار کہا مگر ان کے لئے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالنا بہت مشکل ہے۔ اسی لئے وہ آج کل پر ٹالتی رہیں۔ مگر تمہارے آنے سے نہ صرف گھر کا احساس ہونے لگا ہے بلکہ لذیز کھانے بھی کھانے کو ملتے ہیں اور گھر بھی اب گھر لگنے لگا ہے۔" وہ حیرت سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا میں اتنی خوفناک باتیں کر رہا ہوں جو تم خوفزدہ ہرنی کی طرح مجھے گھورے جا رہی ہو۔"

"آپ کے منہ سے یہ سب سننا مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں کسی کے کام بھی آ سکتی ہوں۔ میں حیران نہیں بلکہ خوش ہو رہی ہوں اپنی تعریف پر۔" آخری بات وہ شرارت سے بولی۔

"میرا خیال ہے میں نے تعریف کر کے غلطی کر دی ہے بلکہ کرنے میں جلدی کر دی ہے۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ اتنے لذیز کھانے کس کے لئے بنائی ہو۔" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"ماموں جان اور زین کے لئے، آپ دونوں کو تو پھوکٹ میں مل جاتا ہے۔" وہ اس کی بات سمجھتے ہوئے بولی۔

"اوہ، میں سمجھا ہم خوبرو نوجوانوں کے لئے۔"

"آپ کی سمجھ بھی بہت خوب ہے۔ داد دینے کو دل چاہتا ہے۔ اگر سمجھ کا حال یہ ہی رہا تو مستقبل میں بھابھی کے ہاتھوں خوب درگت بنا کرے گی اور خوبصورت بالوں والا سر جلد ہی گنجا ہو جائے گا۔" اس نے ارتضٰی کا اتنا برا نقشہ کھینچا تھا۔ کہ اس نے بلند شگاف قہقہہ لگایا تھا۔

"اتنا برا نقشہ تو مت کھینچو۔ ابھی تو حال میں لطف اٹھانے دو۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ زین بھی آنے والا ہے پھر چلتے ہیں۔"

وہ تیار ہو کر آئی تو زین نہ صرف آ چکا تھا بلکہ اس کا منتظر بھی تھا۔ وہ ریسٹورنٹ پہنچے تو پارکنگ میں ارتضٰی کو اپنا دوست مل گیا وہ اس کے پاس رک گیا۔ وہ دونوں اس کے انتظار میں کھڑے تھے کہ زین کو بھی اپنا دوست نظر آ گیا وہ اسے ابھی آتا ہوں کہہ کر چلا گیا۔

وہ ایک سائیڈ پر کھڑی ہو کر ادھر ادھر نگاہ دوڑانے لگی۔ کہ اس کو سیف نظر آیا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی بھی تھی۔ ان کے چہروں پہ غصہ کے آثار نظر آ رہے تھے۔ شاید کسی بات پر ان کی تکرار ہو رہی تھی۔ چند منٹ تک وہ گاڑی کے قریب کھڑے بحث کرتے رہے پھر غصہ سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

زین اور ارتضٰی کے ساتھ کھانا کھا کر شائستہ سے ملنے گئے تھے۔ شائستہ اس کو بہت اچھی لگی تھی۔ خوش مزاج ہنسنے ہنسانے والی لڑکی، کرن نے اسے دیکھتے ہی اوکے کر دیا تھا۔ کرن اس سے مل کر واقعی ہی بہت خوش ہوئی تھی۔

جب وہ تینوں واپس لوٹے تو سیف T.V

لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ وہ دونوں اس کو ہیلو ہائے کرتے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے تھے۔ وہ ماموں جان کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ سیف کی آواز پہ اس کے اٹھتے قدم رک گئے تھے۔

''کرن اگر زحمت نہ ہو تو ایک کپ چائے بنا دو پلیز۔''

اس نے رخ موڑ کر ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالی تھی اور ''اچھا'' کہہ کر کچن میں آ گئی۔ وہ چولہا پر چائے کا پانی رکھ کر مڑی تو اسے خیال آیا اس نے تو شاید کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔ اس نے خادم حسین سے پوچھا۔

''کیا ارطغی بھائی نے کھانا کھا لیا۔''

''نہیں کرن بیٹا!'' انہوں نے کہا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''آپ کھانا کھائیں گے۔'' وہ اس کے قریب کھڑی پوچھ رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''بس ایک کپ چائے پیوں گا۔''

''جی۔'' وہ سر کو اثبات میں ہلا کر چلی گئی۔

اس نے چائے کے ساتھ کباب بھی فرائی کر لئے اور چائے لے کر جب وہ آئی تو وہ صوفے پر نیم دراز تھا۔ شاید سو چکا تھا۔ اس نے چائے کی ٹرے میز پر رکھی مگر وہ اسی طرح نیم دراز لیٹا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس جگائے کیسے۔

اس کا ایک ہاتھ سر کے نیچے اور دوسرا سینے پر رکھے لیٹا تھا۔ پیشانی پر گھنگریالے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ سوتے میں بہت پیارا اور معصوم لگ رہا تھا۔ بے ساختہ اس کے دل نے خواہش کی کہ اس کے پیشانی پر بکھرے بال سمیٹ دے۔ وہ چند لمحے کھڑی اسے یونہی دیکھتی رہی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی اور غیر اختیاری طور پہ وہ اس کا سر دبانے لگی۔ اس کی مخروطی انگلیوں کا لمس اسے گہری نیند میں دھکیل رہا تھا۔ اس نے چاہا وہ آنکھیں کھول کر اس کو دیکھے لیکن کوشش کے باوجود آنکھیں نہ کھول سکا۔ اس کا دل چاہا وہ ہمیشہ یوں ہی اس کا سر دباتی رہے اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر سوتا رہے۔

کرن کا دل سینے کے اندر ادھم مچا رہا تھا۔ وہ اپنی دھڑکنوں کو انگلیوں پر گن سکتی تھی۔ پھر نجانے اس کے دل میں کیا کہ اس نے اپنے کمرے کی جانب دوڑ لگا دی تھی جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ اس کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اپنی اس سوچ پر وہ چونک اٹھی۔

''کیا مجھے سیف سے پیار ہو گیا ہے۔'' اس خیال کے آتے ہی دل کی دھڑکن مدہم پڑ گئی۔ دل انگلیوں کے پوروں میں دھڑکنے لگا۔

''کیا میں اسے چاہنے لگی ہوں۔ اس لئے مجھے اس کی کمی محسوس ہونے لگی ہے۔ ہر آہٹ پر چونک اٹھتی ہوں۔ اس کو سامنے پا کر دل دھڑکنا بھول جاتا ہے۔''

سوچتے سوچتے اسے اچانک احساس ہوا وہ اس کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی ہے۔ زندگی کے اس موڑ پر وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھی تھی۔ اچانک ہی جیسے سب کچھ بدل سا گیا تھا۔ اسے سب کچھ بہت اچھا لگنے لگا تھا۔

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ ملازم جانے سب کے سب کہاں غائب تھے۔ وہ بیل کی آواز سن کر ہی سیڑھیوں سے اٹھی تھی۔ کہ اتنی دیر میں سیف اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

وہ دھوپ سینکنے کے ارادے سے سیڑھیوں سے ذرا آگے ہو کر بیٹھی تھی۔ سفید چہرے میں ہلکی

ہلکی سرخی گھلی ہوئی تھی چہرے پر ایک ایسی چمک تھی کہ سیف متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

''کرن تمہارا فون ہے۔'' اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔

''میرا فون..... مگر کس کا؟'' وہ سوچتی ہوئی T.V لاؤنج کی طرف بڑھی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں شہزاد بھائی..... خالہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔'' اس کی چیخ نے در و دیوار ہلا دیئے تھے۔ سیف جو اپنے کمرے میں جا رہا تھا اس کی دل خراش چیخ پر پلٹ کر اس کے قریب چلا آیا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے گرنے والے انداز میں صوفہ پر بیٹھی تھی۔

''پہلے بابا، پھر مما اور اب آپ..... سب ایک ایک کر کے مجھے تنہا کر کے چھوڑ گئے۔ کسی نے بھی میری تنہائی کا خیال نہیں کیا۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روئے جا رہی تھی۔

''کرن..... کرن کیا ہوا؟'' سیف پنجوں کے بل بیٹھا اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے پوچھ رہا تھا۔

''وہ..... وہ خالہ زاہدہ..... اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔'' اس نے ہچکیوں کے درمیان روتے ہوئے بتایا۔ وہ ایک بار پھر رو دی تھی۔

''خود کو سنبھالو کرن اور چلنے کی تیاری کرو۔'' اس نے اس کے ہاتھوں کو چہرے سے ہٹایا تھا۔ وہ حیرانگی سے سیف کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے لئے پریشان تھا۔ جیسے جنم جنم سے اس کے ساتھ ہو۔

''میں پاپا کو فون کرتا ہوں تم جب تک تیاری کر لو۔'' پھر وہ سیل فون کان سے لگائے باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد وہ اس کے قریب کھڑا تھا۔

''پاپا سے بات کر لو۔'' سیف نے اسے سیل فون پکڑاتے ہوئے کہا۔ اس نے آنسو ہاتھ کی پشت سے پونچھتے ہوئے کان سے لگا لیا۔

''کرن بیٹا تم سیف کے ساتھ اوکاڑہ چلی جاؤ۔''

''جی اچھا۔''

''کرن چپ ہو جاؤ۔ اگر اسی طرح روتی رہو گی تو سفر کیسے کرو گی۔ خود کو سنبھالو۔'' سیف نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کو حوصلہ دیا۔

وہ سر اثبات میں ہلا کر باہر آ گئی۔

وہ اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا بیگ ہاتھ میں لیئے سیڑھیوں سے اتر رہی تھی۔ سیف نے آگے بڑھ کر بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔

وہ فرنٹ ڈور کھولے کھڑا تھا۔ اس نے ایک نظر سیف پر ڈالی تھی اور پھر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کر کے اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو آبشار کی طرح بہہ رہے تھے۔ اس نے ان کو ضبط کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہی۔ اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا لیا تھا۔ اس نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر کرن کی گود میں رکھے ہاتھوں پر رکھ دیا۔

''اگر یوں ہی روتی رہو گی تو اوکاڑہ پہنچنے تک آدھی رہ جاؤ گی۔''

اس نے لبوں کو بھینچ کر آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اپنی اس کوشش میں ناکام رہی تھی۔ پھر وہ ونڈو سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ سیف بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

آنسو اس کے سرخی مائل چہرے پر اوس کے قطروں کی مانند چمک رہے تھے۔ اس نے ایک گہری بھرپور نگاہ اس کے بھیگے رخساروں پر ڈالی تھی اور رخ پھیر لیا۔ کئی دنوں سے وہ خود میں اک نئی تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی ایک عجیب سی کشش اس کو اپنی طرف کھینچنے لگتی

تھی۔ اسی الجھن میں وہ نوشین سے ملنے میں گریز برت رہا تھا۔ اپنی کیفیت کو وہ خود ہی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

دو ڈھائی گھنٹے کا سفر اس نے بہت مشکل سے طے کیا تھا۔ کبھی رونے لگتی اور کبھی آنسو روکنے کی کوشش میں ہلکان ہو جاتی۔ اوکاڑہ پہنچ کر اس نے کرن سے پوچھا تھا۔

''کرن مجھے گائیڈ کرو کس طرف جانا ہے، کیونکہ گھر کے راستے سے میں انجان ہوں، تم جانتی ہو۔''

''جی۔'' پھر جیسے وہ بتاتی گئی وہ ڈرائیو کرتا رہا۔

ایک چھوٹے سے خوبصورت مکان کے قریب اس نے گاڑی روکنے کو کہا۔

''یہ میرا گھر ہے سیف۔'' اپنا گھر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا۔

''اور یہ ساتھ والا گھر خالہ زاہدہ کا ہے۔'' اس نے آنسو روکتے ہوئے کہا۔

وہ گاڑی سے اتر کر خالہ کے گھر کی طرف بڑھی۔ جب کہ سیف گاڑی لاک کر کے اس کے پیچھے چلتا ہوا لوگوں کے ہجوم کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد کرن کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کرن کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس سے ضبط کرنا مشکل ہو گیا وہ بھاگتی ہوئی گھر میں داخل ہو گئی۔

وہ بھابھی سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی تھی۔ بھابھی نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا پھر اسے اپنا ہوش نہ رہا تھا۔

رات کو وہ سیف کا خیال کر کے اپنے گھر آ گئی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوجھ گئی تھیں۔

جب وہ گھر آئی تو سیف آنکھوں پر بازو رکھے لاؤنج میں صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ شاید سو گیا تھا۔ اس نے ایک نظر اس کو دیکھا اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ آئی تو وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخی مائل ہو رہی تھیں۔

''شاید آپ سو گئے تھے۔''

اس نے اس کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ شاید ابھی رو کر آ رہی تھی۔

''ہاں آنکھ لگ گئی تھی۔'' اس نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''آپ اس کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ سارے دن کی بے آرامی کی وجہ سے تھک گئے ہو گے۔'' اس نے اس کی بے آرامی تھکن کے خیال سے کہا۔

''ہاں تھک تو میں گیا ہوں۔'' اس نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

''آپ نے کھانا کھایا؟'' دھیان آنے پر اس نے یکدم ہی پوچھا تھا۔

''کیا تم نے کھا لیا؟'' اس نے الٹا سوال کر ڈالا۔

''نہیں، دل نہیں چاہ رہا تھا۔''

''اور مجھے اکیلے کھانے کی عادت نہیں ہے۔'' اس نے کرن کے خیال سے کہا تھا۔ شاید وہ اس کے لئے کچھ تھوڑا بہت لے لے۔

''کھانا میں لے آیا تھا، اندر کچن میں رکھا ہے۔ جاؤ لے آؤ۔'' اسے حیرت سے اپنی طرف دیکھتا پا کر پھر کہا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ جب گھر آیا تو گھر کا سارا جائزہ لے لیا تھا اور کچن تلاش کرنا کوئی اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔''

''آپ فریش ہو کر آ جائیں میں کھانا نکالتی ہوں۔''

وہ کھانا نکال رہی تھی جب وہ ہاتھ منہ دھو کر

کچن میں چلا آیا۔
''ادھر ہی رکھ لو۔'' اس نے کچن ٹیبل کی طرف اشارہ کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اسے بے تکلفی سے بیٹھتا دیکھ کر وہ حیران ہو رہی تھی۔
''کیا دیکھ رہی ہو ایسے، میری پھپھو کا گھر ہے۔ کیا میں اپنی مرضی سے نہیں بیٹھ یا چل پھر نہیں سکتا۔'' اس نے بہت مان سے کہا۔ اس کے لہجے میں مان بھری کھنک تھی۔ کہ وہ چونک گئی۔
''ایسا کب کہا میں نے، ہاں مگر ان کی زندگی آپ یہاں آتے تو جانے وہ کیا کر ڈالتیں۔''
ماں کی یاد پر ایک بار پھر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ وہ جب اپنے گھر آئی تھی کبھی کسی بات پر، کبھی کسی یاد پر اور کبھی چیز کو دیکھ کر اسے رونا آ رہا تھا۔ وہ سیف کے خیال میں ضبط کر رہی تھی۔
''پلیز اب رونے مت بیٹھ جانا، پہلے ہی بہت رو چکی ہو تم۔'' اس کے ملتجی لہجے پر یکدم ہی وہ مسکرا دی تھی۔
''اب بیٹھ بھی جاؤ۔'' اسے یونہی کھڑا دیکھ کر اس نے کہا۔ اس نے اپنے آنچل سے آنسو پونچھے اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔
''میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔
''کرن دیکھو مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ نہ ہم ان کو واپس لا سکتے ہیں اور ہمارے رونے سے ان کو اذیت پہنچتی ہے۔ رونے سے بہتر ہے ان کی مغفرت کے لئے دعا کرو۔ کچھ پڑھ کر بخشو جو ان کے کام آئے۔''
''جانتے ہیں آپ، مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے کہ آج میں تنہا نہیں ہوں۔ میرے دکھ میں شریک ہونے والا میرے ساتھ میرا اپنا کوئی ہے۔ پاپا کی ڈیتھ پر مما تھیں میرے ساتھ اور مما کی ڈیتھ پر خالہ زاہدہ کے گھر کے علاوہ میرا اپنا کوئی نہیں تھا جس کے کاندھے پر سر رکھ کر میں رو سکتی تھی، اپنے دکھ بانٹ سکتی۔ سب کے ہوتے ہوئے بھی کسی اپنے کی کمی شدت سے محسوس کرتی تھی۔ مجھے ماموں جان کی یاد شدت سے آئی تھی، کاش وہ مما کی ڈیتھ پر آ جاتے تو وہ بھائی بھتیجوں کے ہوتے ہوئے غیروں کے کاندھوں پر نہ جاتیں۔ آخری لمحوں میں انہوں نے ماموں جان کا بہت انتظار کیا۔ ان کی آنکھیں بند دروازے کو دیکھتی رہتی تھیں اور پھر وہ منتظر آنکھیں پتھرا گئیں۔ ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں۔ وہ دل میں بھائی سے ملنے کی آس لئے اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ اس وقت شدت سے میرے دل نے خواہش کی کاش ماموں جان آ جاتے میں ان کے سینے میں منہ چھپا کر مما کی خوشبو کو محسوس کر سکتی۔ اپنے سارے آنسو ان کے سینے میں اتار دیتی، اپنے سارے دکھ ان کو سونپ دیتی۔''
''پتہ ہے سیف انہیں میری بہت فکر تھی۔ وہ چاہتی تھیں جانے سے پہلے مجھے ماموں جان کو سونپ جائیں۔ کسی اپنے کو بہت اپنے کو، پاپا مما کے بعد ماموں جان کے علاوہ میرا کوئی اپنا نہیں ہے'' جانتے ہیں ایک روز انہوں نے کہا تھا۔
''کرن بیٹا جب تم اپنے ماموں جان سے ملو تو ان سے میرے لئے معافی کی درخواست کرنا۔ میری زندگی میں تو انہوں نے مجھے معاف نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے میرے مرنے کے بعد مجھے معاف کر دیں اور جب تم میرے لئے ان سے معافی کی درخواست کرو گی تو وہ یقیناً مجھے معاف کر دیں گے۔ کیونکہ اولاد کی اولاد بہت پیاری ہوتی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ مجھے بہن نہیں بیٹھی سمجھ کر پرورش کی، لیکن میں ان کو کوئی خوشی نہیں دے سکی۔ اگر مجھے معاف کر دیں گے تو میری پیاسی روح سراب ہو جائے گی۔'' پھر بولی تھیں۔
''کرن بیٹا میرے مرنے کے بعد ان کو خط

پوسٹ کر دینا۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

"مما یہ خط آپ اپنی زندگی میں بھی تو پوسٹ کر سکتی ہیں پھر بعد میں ہی کیوں۔"

"میری رخصتی پر عباس بھائی نے وعدہ کیا تھا اب وہ اپنی زندگی میں میری صورت دیکھیں گے نہ اپنی مجھے دکھائیں گے، میں ان کا یہ بھرم قائم رکھنا چاہتی ہوں حالانکہ جانتی ہوں وہ بھی میری طرح اندر سے ٹوٹ گئے ہیں اور مجھ سے ملنے کو بے قرار ہوں گے لیکن انا آڑے آ جاتی ہو گی تو وہ اپنے دل کے دروازے سختی سے بند کر لیتے ہوں گے اور میرے ساتھ ہونا بھی یہی چاہیے۔ میں نے ان کا مان توڑا تھا۔ ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ ان کے اعتبار کی دھجیاں بکھیری تھیں۔ میرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ تمہارے پاپا نے اپنی مختصر زندگی میں مجھے بہت خوشیاں دیں مگر بھائی کی محبت کی کمی پوری نہ کر سکے ان کی محبت کا خلا پھر نہ بھر سکا۔ میں نے اپنی خوشی تو پوری کر لی تھی لیکن میرا سکون مجھ سے چھین گیا تھا۔ اک تشنگی ہمیشہ میرے وجود کے ساتھ لپٹی رہی۔ ایک بے قراری دھڑکنوں میں دھڑکتی رہی۔"

ایک آخری بات جو انہوں نے مجھ سے کہی وہ میں نے آنچل میں باندھ لی۔

"مما نے کہا تھا کرن بیٹا اپنے ماموں کا مان کبھی نہ توڑنا ان کا اعتماد برقرار رکھنا، ان کا کھویا ہوا اعتبار لوٹانا ان کو، میری طرح ان کے کسی فیصلے سے انکار نہ کرنا۔ ان کو اتنا پیار، اتنی خوشیاں دینا کہ وہ اپنے پچھلے سارے غم بھول جائیں حتیٰ کہ مجھے بھی۔ مجھ سے وعدہ کرو میری ان باتوں پر عمل کرو گی میرے پاس وقت بہت کم ہے کرن بیٹا مجھ سے وعدہ کرو۔"

"ہاں مما میں آپ کے لئے نجات دہندہ بنوں گی۔ ماموں جان کے پیر پکڑ کر آپ کے لئے معافی مانگوں گی، لیکن آپ مجھے چھوڑ کر نہ جائیں میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مر جاؤں گی میں آپ کے بنا، میں تنہا نہیں رہ سکتی، کہ کوئی میرے آنسو پونچھنے والا بھی نہ ہو۔ مجھے چھوڑ کر نہ جائیں مما!"

"میں چلا رہی تھی اس بچے کی طرح جو اندھیرا دیکھ کر ڈر جاتا ہے خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ ماں کی آغوش میں پناہ لیتا ہے۔ اس خوف سے ماں کی گود سے نہیں اترتا اگر ماں اس کو چھوڑ کر گئی تو وہ اندھیرے میں کہیں کھو جائے گا خوف کی شدت سے اس کی دھڑکن رک جائے گی، تم سوچ سکتے ہو اس وقت میری کیفیت کیا ہو گی۔"

"اور انہیں شاید میرے وعدے کا انتظار تھا پھر ان کی روح آسمان کی بلندیوں میں پرواز کر گئی تھی۔ ان کا بے جان وجود میری بلکتی تڑپتی باہوں کے حصار میں تھا اور میں ان کے ساکت سینے پر سر رکھے رو رہی تھی۔ پھر مجھے اپنا ہوش نہیں رہا تھا۔ میری کوئی آہ، کوئی پکار، کوئی سسکی ان کو روک نہ سکی اور میں تنہا رہ گئی۔"

وہ میز پر بازو اور ان پر سر رکھے رو رہی تھی۔ سیف نے اسے رونے دیا تا کہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے بہت دیر رو چکنے کے بعد بھی جب وہ چپ نہ ہوئی تو سیف سے برداشت نہ ہوا۔ اس کے رونے سے اسے تکلیف پہنچ رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اس خوبصورت لڑکی کو اپنے دل میں چھپا لے۔ اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر چن لے۔ مگر وہ مجبور تھا۔ ضبط کے دشوار ترین مراحل سے گزر رہا تھا۔

وہ اس کے بالوں کو سہلانے لگا۔ اس کے پیار بھرے لمس پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا اس کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑیں۔

"اب بس بھی کرو کرن اور کتنا روؤ گی۔

تمہارے رونے سے مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے۔ تمہارے یہ آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں۔"
آخری فقرہ وہ سوچ کر رہ گیا۔
"کیا مما کا گناہ اتنا بڑا تھا کہ ماموں جان کو ان کو معاف نہ کر سکے۔ کیا پسند کی شادی کرنا جرم ہے۔"
وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگی۔ اس کے سرد کپکپاتے ہاتھ سیف کی گرفت میں تھے۔ اس نے اپنے گرم ہاتھوں کی حدت اس کے یخ ہاتھوں میں منتقل کر دی۔ اس نے اس کے ہاتھوں پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔
"گناہ، گناہ ہوتا ہے کرن، چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا اور پسند کی شادی کرنا گناہ ہے نہ جرم۔ ہم لوگ اپنے جھوٹے ریت رواج کی خاطر دوسروں کی خوشیوں کو فضول رسم و رواج کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم نے جو کیا ہے سماج کی نظروں میں اپنا مقام گرنے سے بچا لیا ہے۔ پاپا نے بھی پھپھو کی بات مان لی مگر پھر ساری زندگی کے لئے رخ موڑ لیا یہ اچھا نہیں کیا انہوں نے اگر ان کی خواہش پوری کی ہی تھی تو خوشی سے سارے کام انجام دیتے۔ ان کا مان برقرار رکھتے اپنے پیار کے سائے میں ان کو وداع کرتے۔ لیکن ہم لوگ اپنی اپنی جھوٹی اناؤں میں قید ایک دوسرے کی خوشیوں کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ خود خوش رہتے ہیں نا کسی دوسرے کو خوش رہنے دیتے ہیں، ہم اپنی مرضی خواہش کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں لیکن اپنا اچھا یا برا ہماری سمجھ سے باہر ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ والدین سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی لیکن وہ جان بوجھ کر نہیں بلکہ وہ ہماری تقدیر ہوتی ہے اور اس کے ذمہ دار بھی وہ خود ہوتے ہیں جب کہ اپنی مرضی کر کے ہم کسی کو دوشی نہیں ٹھہرا سکتے، لیکن میں سمجھتا ہوں اگر ہم اپنی مرضی میں ان کی رضا بھی شامل کر لیں تو ہماری زندگی خوشیوں اور مسرتوں سے بھر سکتی ہے ان کی دعائیں زندگی کے ہر کڑے سے کڑے وقت میں ہمارے لئے دیوار بن سکتی ہیں اور سب سے بڑھ کر ہم زندگی سکون سے گزار سکتے ہیں۔ پرسکون، مطمئن اور اطمینان بخش۔ جس فرد کے پاس والدین کی دعائیں ہیں وہ شخص دنیا کا سب سے امیر ترین شخص ہے۔ اس کے باوجود بچے کو اس کا اچھا برا سمجھا کر اس کی خوشی کا خیر مقدم کیا جائے۔ کیونکہ پرسکون زندگی گزارنے کے لئے یہ سب کرنا بہت ضروری ہے۔ جہاں تک پھپھو کا تعلق ہے تو ہر شخص نعیم الحسن نہیں ہوتا۔ اس معاملے میں پھپھو واقعی ہی خوش نصیب نکلیں کہ ان کی زندگی کا ساتھی وفادار نکلا ورنہ بہت کم ایسا ہوتا ہے۔"
وہ چند لمحوں کے لئے چپ ہو گیا۔ کرن اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اس کے لہجے کا ساتھ اس کی آنکھیں دے رہی تھیں۔ اس کے لہجے کی سچائی اس کے الفاظ دے رہے تھے۔
"رہا سوال پھپھو کا تو اگر انہوں نے پاپا کو یاد رکھا تو بھولے وہ بھی نہیں تھے۔ وہ بھی پھپھو کو ٹوٹ کر چاہتے تھے۔ ابھی چند ماہ قبل میں نے ان کا ایک نیا روپ دیکھا ہے وہ آج بھی ان سے شدید محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے کبھی کا ان کو معاف کر دیا تھا۔ بس اس پر عمل کرنے میں دیر کر دی۔ ہیر پھیر کر پھر وہ ہی "انا" آڑے آ جاتی ہے۔ جانتی ہو وہ تم سے بھی بہت محبت کرتے ہیں۔ پھپھو سے بھی کہیں زیادہ، شاید تم کبھی ان کی محبت کا اندازہ نہ کر سکو۔"
"ہاں میں جانتی ہوں وہ مجھے آپ لوگوں سے بھی بڑھ کر چاہتے ہیں۔" اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
"تو پھر تمہیں اتنی بے یقینی کیوں ہے؟"
"میں بے یقین نہیں ہوں، بس ایک کسک ہے۔ اگر اپنی محبت مما کی زندگی میں مجھ پر نچھاور

کرتے تو اپنی باقی کی زندگی وہ خود کو اذیت دیتے نہ گزراتیں۔'' ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

''میں پھر بھی کہوں گا کرن، جو گزر گیا سو گزر گیا۔ اسے بھولنے کی کوشش کرو اور آنے والے لمحوں کا خوشی سے سواگت کرو۔ گزرے کل کو یاد کر کے خود کو اذیت بھرے راستے پر مت گھسیٹو، ہم سب تمہارے ہیں تمہارے اپنے۔ تم ہمارے لئے بہت قیمتی ہو بہت خاص۔''

''وہ ہمارے۔'' کی جگہ ''میرے'' لئے کا لفظ استعمال نہ کر سکا۔

اس کی آنکھوں میں انوکھی چمک دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔ اس نے رخ موڑ لیا۔ اس کی آنکھوں سے جذبوں کی لو پھوٹ رہی تھی۔ سیف کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس کی آنکھوں میں دہکتے جذبوں کی لو کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

''کھانا تو ٹھنڈا کر دیا ہے تم نے۔ اب کیا، کیا جائے۔'' سیف نے اس کی توجہ ٹھنڈے کھانے کی طرف دلائی۔

''سوری۔'' وہ واقعی شرمندہ ہو رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں، کھانا اٹھا کر رکھ دو، اگر ہو سکے تو دو کپ چائے کے بنا لو۔''

''بس دو منٹ لگیں گے میں ابھی کھانا گرم کر لیتی ہوں۔''

''نہیں، اب بھوک کا احساس بھی مٹ چکا ہے۔ صرف چائے کی طلب ہو رہی ہے۔''

''بلکہ ایسا کرو مجھے بتاؤ چیزیں کہاں رکھی ہیں آج میں اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر پلاتا ہوں، بس شرط یہ ہے۔''

''کیا؟''

''جیسی بھی بنے پینا ضرور ہو گی۔''

''مجھے منظور ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''کون منظور ہے۔ میں چائے کی بات کر رہا ہوں اور تم منظور کو قبول کر رہی ہو یہ اچھی بات نہیں ہے۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''آپ بھی نا بس.....'' وہ شرما کر رخ پھیر گئی۔ اس کے لبوں پر بڑی دلکش اور پرسکون مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ سیف یہ ہی چاہتا تھا کہ وہ کچھ دیر کے لئے سب کچھ بھول جائے۔ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرے۔ اب وہ دونوں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

''ایک بات پوچھوں..... سچ سچ بتائیں گے؟'' خیال آنے پر وہ یکدم بولی تھی۔

''ہاں کہو.....'' وہ منتظر تھا۔

''سچ بالکل سچ بتائیں گے۔'' وہ بے یقینی سے بولی تھی۔

''تمہارے رونے کی قسم، کیونکہ تم روتی بہت ہو جو بھی کہوں گا سچ کہوں گا سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔'' اس نے ایسے کہا جیسے ایک ملزم کٹہرا میں کھڑا اپنی گواہی کی سچائی کی یقین دہانی کرا رہا ہو۔

''کیا؟ تم کسی کو پسند کرتے ہو؟''

''ہاں..... پسند کی بات تو بہت پیچھے رہ گئی ہے میں تو اس سے محبت کرنے لگا ہوں مگر وہ انجان ہے۔ بے خبر ہے میرے جذبوں کی حدت سے۔'' اس نے گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔ اس کے جذبوں کی حدت آنچ دے رہی تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ آنکھوں میں دھواں سا بھر گیا تھا۔

''کیا اس لڑکی سے جو اس روز آپ کے ساتھ ریسٹورنٹ میں دیکھی تھی میں نے۔''

''تم کب گئی تھیں۔''

''اس روز ارتضٰی بھائی کے ساتھ..... اور آپ لوگ چند لمحوں بعد واپس بھی چلے گئے تھے۔''

''اوہ..... مجھے یاد آیا۔''

''کیا وہ ہی لڑکی ہے نا۔'' جانے وہ کیوں تصدیق چاہ رہی تھی۔ اس کا دل کچھ اور کہہ رہا تھا جب کہ دماغ کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ لیکن زبان سے اقرار کرنا اس کو بہت دشوار لگ رہا تھا۔ جو کہنا چاہ رہی کہہ نہیں پا رہی تھی۔

''لڑکی جو بھی ہے لیکن جو وہ کہنا چاہ رہی ہے کہہ نہیں پا رہی ہے۔ وہ خود سے اظہار کرنا شاید اپنے جذبوں کی توہین سمجھتی ہے اس لئے میں اپنے جذبوں کو زبان دے رہی ہوں جانتی ہو کس کے لئے جو لڑکی مجھے چاہتی صرف اس کے لئے۔'' مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو رہی تھی۔ ان چھوئی کلی کی طرح۔

''ہاں میں جانتی ہوں وہ لڑکی وہی ہے جو اس روز میں نے آپ کے ساتھ دیکھی تھی۔ وہ لڑکی میں نہیں ہوں۔'' وہ سوچ کر رہ گئی تھی۔ ایک بار پھر اپنے الفاظ کو زبان نہ دے سکی تھی۔

''سنو اس لڑکی کے لئے ایک نظم پیش کر رہا ہوں شاید تم کو بھی پسند آئے بلکہ یقیناً پسند آئے گی۔ میرے دلی جذبات کی عکاسی بلکہ اس کے ان کہے جذبوں، ان کہی باتوں کی زباں ایک ایسی نظم جو وہ چاہتی ہے شاید اس کے اقرار کی زبان بن جائے۔'' اس نے اس کی میں آنکھوں جھانکتے ہوئے کہا۔

''اگر وہ سمجھدار ہوگی تو سمجھ جائے گی۔''

کر لیتی ہیں دل کو میرے قابو اس کی آنکھیں
افسوں ہیں تیرے ہونٹ تو جادو اس کی آنکھیں
میں شام کو بجھتے ہوئے سورج کی علامت
امید کی روشن سی کرن تو اس کی آنکھیں
ہم اہل سفر کے لئے تاریکی شب میں
صحرا کا چمکتا ہوا جگنو اس کی آنکھیں
سوچوں تو انہیں ذہن کے پردوں میں چھپا لوں
دیکھوں تو نظر آتی ہیں ہر سو اس کی آنکھیں

وہ سیف کے ساتھ پھولوں کی کیاری کی دیکھ بھال، کانٹ چھانٹ میں مصروف تھی۔ خالہ زاہدہ نے گھر بالکل صاف ستھرا رکھا ہوا تھا لیکن لان کی صفائی ستھرائی ان کے بس کا کام نہیں تھا اور شہزاد بھائی کے پاس وقت بہت کم ہوتا تھا۔ آج وہ کام میں جت گئی تھی۔

موسم یکدم ہی ابر آلود ہو گیا تھا۔ سرمئی، سفید، سیاہ بادل ایک دوسرے سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔

بارش کی موٹی موٹی بوندیں یکدم ہی موسلا دھار بارش کی صورت اختیار کر گئی تھیں۔ وہ کھرپی وہیں پھینک کر برآمدے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

موسم بدل رہا تھا لیکن دن میں دھوپ کی حدت آتی سردی کا اثر زائل کرنے میں ناکامی تھی۔

جب کہ سیف اسے یوں بھاگتا دیکھ کر اپنا قہقہہ روک نہیں پایا تھا۔

وہ دونوں ہاتھ بارش میں پھیلائے ابھی بھی چکر لگا رہا تھا۔ اس وقت وہ بالکل ایک بچے کی طرح بہت معصوم اور پیارا لگ رہا تھا اور اس کے دل کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا۔

''یہ معصوم سا شخص کسی اور کو چاہتا ہے اور میں اس کو، اگر اس شخص کا ساتھ میری تقدیر میں نہیں ہے تو اس کو میرے دل میں کیوں بسایا۔'' اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

''آؤ نا..... رک کیوں گئیں۔'' وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

وہ اس کا ہاتھ تھام کر لان کے وسط میں آ گیا لیکن اس مرتبہ وہ خاموش تھا۔ کرن کے چہرے پر بارش کے قطرے ٹھہر گئے تھے۔ گلاب پہ شبنم کے قطرے اس نے پہلی مرتبہ دیکھے تھے اور گلاب کی خوبصورتی کا احساس بھی اسے پہلی بار

ہوا تھا۔ وہ اس کے بھیگے چہرے کو اپنی آنکھوں میں سمو رہا تھا۔

''کرن!''

''ہوں۔'' وہ بارش کی بوندوں کو اپنے ہاتھوں میں جمع کرتے ہوئے بولی۔

''کرن میں تم سے جو کچھ بھی کہا تھا تم نے یقین کر لیا اس پر؟''

''ہاں.....''

''تو پھر پوچھا کیوں نہیں وہ لڑکی کون ہے؟''

''میں جانتی ہوں اسے۔''

''جانتی ہو یا صرف دیکھی ہے؟''

''کچھ بھی سمجھ لو۔''

''اوہ.....''

''تو پھر بتاؤ۔''

''آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہو اسے۔''

''تم یقیناً نوشین کی بات کر رہی ہو۔ لیکن وہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ میری بھول، نادانی، جسے میں اپنی زندگی کی پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر بھول گیا ہوں۔''

''تو پھر آپ ہی بتا دو وہ خوش نصیب کون ہے؟''

اس نے کہہ تو دیا تھا لیکن اپنی دھڑکنوں کو قابو میں رکھنا اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔ اس کا دل پوروں میں، میں دھڑکنے لگا تھا۔

''سچ سننا چاہتی ہو یا جھوٹ؟'' اس نے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ اس کے لہجے کی کھنک اس کو چونکا گئی تھی۔

''سچ۔'' وہ ہتھیلیوں میں جمع شدہ پانی خود پر اچھالتے ہوئے بولی اور پھر سے ہتھیلیاں بارش میں پھیلا دیں۔

''وہ لڑکی۔'' اس نے ایک نظر کرن کے چہرے کو دیکھا اور دل کی دھڑکنوں میں شور برپا ہو گیا۔

کرن نے آسمان کی گود سے نگاہیں ہٹا کر اس کو دیکھا تھا۔ اس کی گندمی رنگ چہرے پر بوندوں کی بوچھاڑ پر برستی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

''تم ہو.....'' اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیتے ہوئے اس نے کہا۔

اس کی ہتھیلیوں سے پانی گر گیا تھا۔ اس کی نگاہوں کی تپش اسے سر جھکانے پر مجبور کر گئی تھی۔ بارش میں بھیگنا اور اس کا اظہار محبت، کرن کے وجود پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ بدن کا سارا خون نچڑ کر چہرے پر آ گیا تھا۔ وہ ابھی تک یقین اور بے یقینی کی کیفیت کے درمیان ڈول رہی تھی۔ وہ بے یقین تھی جو کچھ سیف نے کہا کیا وہ اس کی سماعت کا دھوکہ تو نہیں ہے۔

''ہاں وہ لڑکی تم ہو کرن! میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش۔ تم میرے لئے بہت خاص بہت اہم ہو۔ یہ راز جب سے مجھ پر منکشف ہوا ہے میں دیوانہ سا ہو رہا ہوں۔ تمہیں دیکھ کر خود پہ اختیار کھونے لگتا ہوں۔''

سیف نے اس کے ہاتھوں میں لیتے ہوئے ان پر اپنے لب رکھ دیئے اس کی یہ حرکت بالکل غیر اختیاری تھی۔ اس کے لبوں کے لمس سے دھڑکنیں بند ہوتی محسوس ہوئیں۔

''میرے دل کی دھڑکن ہو تم۔ میری آتی جاتی سانسوں میں بسی ہو تم۔ میرے پوروں میں، دل بن کر دھڑکنے لگی ہو۔ میرے دل کا چین و قرار، میری آنکھوں کی روشنی صرف تم ہو۔ ہاں کرن وہ لڑکی تم ہو صرف تم۔''

''اپنا ہر دکھ، ہم غم ہر پریشانی بھول جاؤ، اپنے سارے دکھ مجھے سونپ دو۔ میں ہوں نا سب سنبھال لوں گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہاں مجھے اس بات کا یقین دلا دو تم میری ہو صرف میری۔''

اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔
زبان لفظوں کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔
زور سے کہیں بجلی چمکی تھی۔ بارش کی بوندیں
ان کے وجود کو بھگونے لگی تھیں۔

وہ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے
پھولوں پر چہکتے پرندوں اور تتلیوں کو مچلتے دیکھ رہا
تھا۔ یہ منظر اسے بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ اس
کا دھیان بپ کی ٹون پر ٹوٹا تھا۔
''ہاں زین کیسے ہو؟ ماحول بھی اچھا ہے اور
موڈ بھی تم کیسے ہو؟''
وہ کچن سے چائے لے کر آ رہی تھی جب
اس نے زین کا سنا تھا۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔
''ہاں وہ میرے پاس ہی کھڑی ہے،
اچھا۔'' اس نے چائے اس کے ہاتھ سے لے کر
سیل اس کو پکڑا دیا۔ اس کے ہیلو کرنے پر وہ جیسے
پھٹ پڑا تھا۔
''کرن آپی کیا واپس آنے کا ارادہ نہیں
ہے۔ ہمیں بھول گئی ہو جا کر میں بہت اداس ہوں
آپ کے بغیر اور ارتضٰی بھائی بھی آپ کو بہت مس
کر رہے ہیں۔ پاپا کچھ دنوں کے لئے باہر گئے
ہوئے ہیں اور مما تو گھر میں ہوتی ہی نہیں۔ اگر
گھر پر ہوں تو ان کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں۔
بس اب اور انتظار نہیں ہوتا پلیز لوٹ آئیں۔''
''اچھا آج آنے کی کوشش کرتے ہیں۔''
وہ اس کے پیار بھرے انداز پہ مسکرا دی تھی۔

زندگی ایکدم ہی بہت خوبصورت ہو گئی تھی۔
بہت حسین ہو گئی تھی۔ زندگی کے اس نئے رخ پر
وہ اپنی زندگی کے پچھلے سارے دکھ بھلا بیٹھی تھی۔
یاد رہا تھا تو صرف سیف کا پیار، اس کی محبت، اس
کی والہانہ چاہت۔ وہ پور پور اس کی چاہت میں
ڈوب گئی تھی۔ اس کی جدائی کے خیال سے اس کی
سانسیں رکنے لگتی تھیں۔
''کیا بات ہے آج کل بہت خوبصورت ہو
گئی ہو۔'' ارتضٰی نے اس کے چمکتے دمکتے چہرے
اور مسکراتی آنکھوں کو دیکھ کر کہا تھا۔
''خوبصورت میں اول روز سے ہوں یہ اور
بات ہے بلکہ بہت افسوس ہے کہ آپ کو اس کا
احساس ابھی ہوا ہے۔''
''ہو سکتا ہے تم ٹھیک فرما رہی ہو لیکن تمہارا
چہرہ کوئی اور کہانی سنا رہا ہے۔ کیا مجھے نہیں بتاؤ گی
اپنے دوست کو.....''
''جب کچھ ایسا ہے نہیں تو.....'' اس کا لہجہ
اس مرتبہ نرم پڑ گیا تھا۔
''چلو نہ بتاؤ میں سیف سے پوچھ لوں گا۔
آج کل وہ بھی اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔''
''ہاں وہ سیف ہے نا.....'' بے ساختہ اس
کے منہ سے نکلا تھا۔
''میں بھی کہوں میری نظریں دھوکہ نہیں کھا
سکتیں۔'' ارتضٰی کے لبوں پر بڑی دل فریب
مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
''آپ بھی نا بس.....'' یہ کہہ کر وہ رکی نہیں
تھی۔
ارتضٰی کا قہقہہ بڑا جاندار اور بلند آواز تھا۔

کالج میں زین کا کچھ لڑکوں سے جھگڑا ہو گیا
تھا۔ ان میں سے ایک لڑکے نے گولی چلا دی
تھی۔ زین کے کسی دوست نے سیف کو انفارم کیا
تھا۔ زین کی حالت تشویش ناک بتائی گئی تھی۔ وہ
ابھی آفس سے لوٹا تھا کہ یہ اطلاع مل گئی۔ وہ جو
اس کو کھانے کا پوچھنے آ رہی تھی۔ وہیں ساکت رہ
گئی تھی۔ اس کے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لئے
ہوں۔
''کیا زین کو..... میں زندہ نہیں چھوڑوں گا
اس کو جس نے میرے بھائی پر گولی چلائی ہے۔ تم

اسے فوراً ہاسپٹل لے کر پہنچو میں آ رہا ہوں۔"
وہ بیڈ کی درازوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا اور غصہ میں چیزوں کو ادھر ادھر پھینک رہا تھا۔ جلد ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی تھی۔
وہ پسٹل چیک کر رہا تھا۔ کرن خوف سے کانپ گئی تھی۔ وہ دروازے کی طرف مڑا۔
"تم ..... تم کہاں جا رہے ہو..... اور کیا کرنے جا رہے ہو۔"
"اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گا جس کی وجہ سے میرا بھائی موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہا ہے۔"
"تم ہاسپٹل پہنچو۔ کہیں باہر نہ جاؤ ورنہ کچھ کر بیٹھو گے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔
"گولی لگی ہے میرے بھائی کو اور میں چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھا رہوں، مجھے بدلہ لینا ہے اس لڑکے سے۔"
"نہیں تم نہیں جاؤ گے۔" وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی تھی۔
"کرن مجھے جانے دو۔" اس نے کرن کی گرفت سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی گرفت مزید مضبوط ہو گئی۔
"تم مجھے جانے نہیں دو گی کیا؟"
"نہیں۔"
سیف نے ایک جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑایا تھا۔ وہ شدید جھٹکے کی وجہ سے گر گئی تھی مگر تیزی سے اٹھ کر اس کے پیچھے دوڑی تھی۔
وہ گیٹ کی طرف بڑھا تھا۔ چوکیدار نے اسے آتے دیکھ کر گیٹ کھول دیا تھا۔
"سیف رک جاؤ۔" وہ اس کے پیچھے لپکی تھی مگر وہ سن کہاں رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے سنا تھا وہ ارفضی کو فون کر رہا تھا۔ پھر وہ برق رفتاری سے گاڑی نکال کر لے گیا تھا۔
پیچھے مڑ کر اسے دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔
وہ گیٹ کے پاس ہی گیراج کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے زین کی فکر لاحق تھی مگر اب کیا ہونے والا تھا۔
اس کے جانے کے بعد خلاف توقع اس وقت فرزانہ ممانی بھی چلی آئی تھیں۔
"کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ اسے یوں بیٹھے روتے دیکھ کر پوچھ بیٹھی تھیں۔
"وہ زین کو گولی لگی ہے۔" اس سے آگے لفظ اس کی زبان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔
"کیا؟" فرزانہ ممانی کے ہاتھوں سے شولڈر بیگ گر گیا تھا۔
"کس ہاسپٹل میں ہے وہ؟" ان کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی سنائی دی تھی۔
"میں نہیں جانتی۔" ان کی حالت کے پیش نظر اس نے سیف کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اب وہ سیل فون پر نمبر لگا رہی تھیں۔
"ہاں ارفضی زین کس ہاسپٹل میں ہے اور اس کی حالت کیسی ہے؟ اچھا میں پہنچ رہی ہوں۔"
وہ الٹے قدموں گاڑی کی طرف بڑھی تھیں۔
"میں بھی چلوں فرزانہ ممانی؟" وہ ان سے پوچھ رہی تھی۔
"تم ..... ہاں آ جاؤ۔" وہ ان کی اجازت ملتے ہی پچھلی طرف کا دروازہ کھول کر جلدی سے بیٹھ گئی۔ ڈرائیور گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔
"جب ہاسپٹل پہنچیں تو زین کا آپریشن جاری تھا۔ لیکن اس کی حالت تشویش ناک تھی۔"
وہ ماموں کو سامنے دیکھ کر خود پر اختیار کھو بیٹھی تھی۔
"بیٹا یہ وقت رونے کا نہیں بلکہ دعا کرنے کا ہے اس کی زندگی کی دعا کرو۔" ان کا ٹوٹا لہجہ اسے اندر سے ہلا گیا تھا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو

رہی تھیں۔ شاید وہ روتے رہے تھے۔
فرزانہ ممانی، ارتضٰی کی بانہوں کے حصار میں کھڑی آنسو بہا رہی تھیں۔
''ڈاکٹرز اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں مگر پر امید نظر نہیں آ رہے ہیں۔ آپ اس کی زندگی کی دعا کریں۔''
وہ اس سے الگ ہو کر ایک بینچ پر بیٹھ گئی تھیں اور اپنے رب کے حضور زین کی زندگی کے لئے گڑگڑا رہی تھیں۔
اب وہ کرن کے پاس آیا تھا جو آپریشن تھیٹر کے ہال کی دیوار سے ٹیک لگائے رو رہی تھی۔
''حوصلہ کرو کرن رونے سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو اس کی حالت کے بارے میں۔'' ارتضٰی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کو تسلی دی تھی۔
''ارتضٰی بھائی وہ سیف.....'' اس نے روتے ہوئے ساری بات بتا دی تھی۔ وہ اس کی طرف سے پریشان نظر آ رہا تھا۔
''اسے وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔ وہ سب بعد میں ہوتا رہتا، اس وقت اسے یہاں ہونا چاہیے تھا۔''
وہ بار بار اس کا نمبر ٹرائی کر رہا تھا۔ لیکن جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔
''میں کہاں پتہ کروں اس کا؟ کہاں جاؤں اس کے پیچھے، تم ممی پاپا سے کوئی بات نہ کرنا اس کے بارے میں۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ ڈاکٹر کو اپنی طرف آتا دیکھ کر بڑھ گیا۔
''اس کا خون بہت بہہ گیا ہے اسے خون کی فوری ضرورت ہے۔ انتظام کر لیں جتنی جلدی ہو سکے دیر مت کریں۔''
''میرا اور زین کا گروپ ایک ہے ڈاکٹر۔''
''ٹھیک ہے آپ لیبارٹری چلے جائیں۔''
''اب اس کی حالت کیسی ہے ڈاکٹر'' اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا تھا۔
''ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔''
وہ پاپا کو بتا کر لیبارٹری کی طرف جا رہا تھا کرن بھی اس کے پیچھے ہو لی تھی۔
''ارتضٰی بھائی میرے جسم کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیں مگر زین کو بچا لیں، میرا گروپ بھی زین والا ہی ہے۔''
''تم رہنے دو میں انتظام کرتا ہوں۔ باہر زین کے ڈھیروں دوست بیٹھے ہیں۔ شاید ان میں سے کسی کا بلڈ گروپ وہ ہی ہو۔''
''کیا میں اپنے بھائی کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتی۔ آپ میرے ساتھ غیروں والا سلوک کیوں کرتے ہو۔'' وہ دکھ سے رو دی تھی۔ پہلے سیف اور اب ارتضٰی، ارتضٰی نے اس کو دیکھا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔
زین کا آپریشن چار گھنٹے جاری رہا تھا۔ لیکن اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا لیکن اس کی زندگی اب خطرے سے باہر تھی۔ وہ نشہ آور دواؤں کے زیر اثر تھا۔ سیف کب لوٹ کر آیا تھا۔ وہ اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ وہ خون دینے کے بعد ارتضٰی کو بتا کر کوریڈور سے باہر آ گئی تھی۔
وہ گھاس پر سر رکھے زار و قطار روتے ہوئے اس کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ سیف اس کو ڈھونڈتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔ اس کو سردی کی پرواہ تھی نہ خنکی کی۔ وہ ان سب سے بے نیاز بھیگی گھاس پر سر سجدے میں رکھے روئے جا رہی تھی۔ وہ اسے اس کیفیت میں دیکھ کر رک گیا تھا۔
''کرن رب نے تمہاری دعائیں سن لی ہیں۔ زین کا آپریشن کامیاب ہوا ہے۔'' اس کی پکار پر اس نے سر اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ وہ پھر سے اسے پکارنے لگا۔
''کرن ..... کرن اٹھو۔'' سیف نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دھیرے سے پکارا

تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تھا۔ سامنے سیف کھڑا تھا۔ مسلسل رونے کی وجہ سے سوجھ گئی تھیں۔

''تم..... سیف تم ٹھیک تو ہو نا۔''

''ہاں میں ٹھیک ہوں، صحیح و سلامت تمہارے سامنے ہوں۔ یقین کیوں نہیں آ رہا۔''

''اور زین۔''

''وہ بھی ٹھیک ہے۔ دواؤں کے زیر اثر گہری نیند میں ہے تم فکر نہ کرو۔'' اسے تسلی دیتے ہوئے آہستگی مسکرا دیا تھا۔

وہ اس کی بات سن کر ایک بار پھر سے سجدے میں جھک گئی تھی۔

''کرن بس کرو، اب فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے یکدم سر اٹھا کر اس کو دیکھا اور پھر وہ غیر ارادی طور پر اس کے سینے سے لگ گئی تھی اور آنسو بہا رہی تھی۔

''کرن تمہاری آنکھوں میں اتنا پانی کہاں سے آ جاتا ہے آج مجھے بتا ہی دو۔'' اس کے رونے میں اور شدت آ گئی تھی۔

''کرن کیا تمہیں مجھے تکلیف پہنچا کر خوشی محسوس ہوتی ہے۔'' وہ یکدم ہی چپ ہو گئی تھی۔

اس نے اس کے سینے سے اپنے سارے آنسو خشک کر لئے تھے۔ پھر وہ اس سے الگ ہو کر ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی اس حرکت پر سیف کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی تھی پھر وہ بولی تھی۔

''سیف تم نے کوئی گڑبڑ تو نہیں کی نا۔'' وہ بے یقینی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں کیسا نظر آ رہا ہوں؟''

''لیکن تمہاری آنکھیں تمہارے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہی ہیں؟''

''وہم ہے تمہارا۔''

''یہ بات سر جھکا کر نہیں میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔'' اس بار اس کا لہجہ اس کو چونکا گیا تھا۔

''میرے سر کی قسم کھا کر کہو۔'' اس نے سیف کا ہاتھ اپنے سر پہ رکھ کر کہا تو وہ بے بسی سے اس کو دیکھنے لگا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم جھوٹ بھی بول سکتے ہو؟''

''میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں صرف تمہاری خاطر مصلحت سے کام لے رہا تھا۔ اگر تم سچ سننا ہی چاہتی ہو تو سنو۔''

''میں جس وقت گھر سے نکلا شدید غصہ میں تھا۔ میں نے ارفضی کو فون کر کے زین کے بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے مایوسی سے کہا ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یقین جانو اس وقت میرے جسم میں شرارے سے نکلتے محسوس ہوئے۔ میرے دل و دماغ میں صرف ایک ہی بات گونج رہی تھی۔ مجھے زین کا بدلہ لینا ہے اگر میرا بھائی سسک رہا ہے تو وہ سکون سے کیوں رہے اور اتفاق سے وہ مجھے نظر آ گیا تو میں خود پر قابو نہ رکھ سکا اور بنا دیکھے ٹریگر دبا دیا۔ گولیاں اس کی ٹانگوں میں لگی ہیں۔ میرے دل میں بدلے کی آگ بجھ گئی۔ جب میں ہاسپٹل پہنچا تو زین کا آپریشن جاری تھا۔ ارفضی ممی، پاپا کو حوصلہ دے رہا تھا۔ ارفضی نے علیحدگی میں مجھ سے باز پرس کی تو میں نے کچھ بھی بتانے سے احتراز کیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن اسے میری بات پر یقین نہیں آیا ہو گا۔ مگر وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ وہ خاموش رہے۔''

''انہوں نے جوابی کاروائی تو نہیں کی۔''

سیف کا ہاتھ ابھی تک اس کے سر پر رکھا تھا اور کرن کی گرفت میں تھا۔

''جب تم نے اپنی قسم دے ہی ڈالی ہے تو پھر کچھ بھی چھپانا بے ایمانی ہے۔ اس لڑکے کے

دستوں کا فون آیا تھا میرے سیل پر انہوں نے مجھے دھمکی دی ہے لیکن میں ان کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا۔ یہ زندگی خدا کی امانت ہے جب تک وہ نہ چاہے تو کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔''

سیف کے ہاتھ پر کرن کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں پھیل سی گئی تھیں۔ دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

''سیف..... اسی لئے میں روک رہی تھی لیکن تم نے میری ایک نہ سنی۔ پہلے زین اور اب.....'' اس کے لہجے کی بے بسی سیف کو تڑپا گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''جب تک تم میرے ساتھ ہو مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ موت بھی میرے نزدیک آتے ہوئے ڈرے گی۔ یہ زندگی اب میری نہیں تمہاری امانت ہے۔ اپنے رب سے زین کی زندگی کی بھیک مانگ سکتی ہو تو پھر میری زندگی کی خیرات بھی مانگ لو گی اپنے خدا سے۔''

''سیف روز روز کے مارنے سے بہتر ہے ایک مرتبہ ہی میری جان نکال لو۔ بار بار کا مرنا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے کوئی مجھ سے پوچھے۔''

وہ اس کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''کرن چپ کرو، میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا ہے اور نہ ہی تم کسی کو کچھ بتاؤ گی۔ تمہیں میری قسم اگر کسی کو کچھ کہا تو۔''

''ورنہ مجھ سے ناراض ہو جاؤ گے۔ بس یہی کرنا ہے آپ کو۔ کبھی کسی دوسرے کا خیال کر لیا کرو۔''

''میں کہہ رہا ہوں نا تم میرے ساتھ ہو تو مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ بس شرط یہ ہے تم میرے ساتھ رہو گی۔ ہر پل، ہر لمحہ، ہر گھڑی، وعدہ کرو۔'' وہ اس کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ یہ سب اتنی آسانی سے بھول نہیں سکے گی۔ اگر اس نے اپنی قسم نہ دی ہوتی تو شاید وہ اسے کچھ بھی نہ بتاتا۔

''کیا پولیس آئی تھی؟'' دھیان آنے پر اس نے پوچھا۔

''ارتضیٰ بتا رہا تھا زین بے ہوش تھا کوئی بیان نہیں دے سکتا تھا لیکن پھر اس نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ جس خاموشی سے پولیس آئی تھی اسی خاموشی سے واپس بھی چلی گئی اور جانتی ہو دوسری پارٹی نے بھی پولیس کو کچھ نہیں بتایا۔ وہاں سے بھی پولیس کو خاموش کرا دیا گیا ہے۔''

''تو پھر اب کیا ہو گا؟''

''تو پھر اب کچھ نہیں ہو گا۔ آؤ زین کے پاس چلتے ہیں۔''

''چلو۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے پٹیوں میں جکڑا دیکھ کر وہ بلک اٹھی تھی۔ زین نے اسے آنکھوں کے اشارے سے چپ کرنے کو کہا تھا اور وہ فوراً چپ بھی ہو گئی تھی۔ بیڈ کے ایک کنارے فرزانہ ممانی اور دوسری جانب وہ تھی۔ اس کے یوں رونے پر سب کی آنکھیں اشک بار ہو گئی تھیں۔

''اگر مجھے پہلے سے اس بات کا علم ہوتا کہ میرے چھوٹے سے حادثے کی وجہ سے مما ہماری طرف لوٹ آئیں گی تو میں کبھی کا یہ حادثہ کرا لیتا۔'' وہ تکلیف کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''اللہ نہ کرے، اس حادثے کو چھوٹا نہ کہو، بہت بڑا حادثہ تھا یوں سمجھو خدا نے تمہیں دوبارہ نئی زندگی بخشی ہے اور مجھے یہ کہتے میں کوئی عار نہیں کہ کرن کے آنے سے میرا گھر بکھرنے سے بچ گیا ہے۔ اس نے آ کر میرے بچوں کو سمیٹ لیا ہے۔ قصوروار تو میں ہوں میں نے گھر کو گھر جانا ہی نہیں۔ بچوں کو آیا کے حوالے کر ہیلو ہائے کر لینا ہی تو ماں نہیں کہلاتا۔ مجھے افسوس ہے میں

اچھی ماں بن سکی نہ ہی اچھی بیوی، عباس جہانگیر سے میں اپنی پچھلی کوتاہیوں کی معافی مانگتی ہوں اور اپنے تینوں بیٹوں سے بھی۔" ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں اور لہجہ بھیگ گیا تھا۔ انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا تھا۔

ارتضیٰ نے آگے بڑھ کر انہیں اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ ان کی آنکھیں برس رہی تھیں۔

فرزانہ ممانی کو آج احساس ہوا تھا اولاد کیا چیز ہوتی ہے آج تک وہ اپنی مصروفیات میں سے ان تینوں بلکہ عباس جہانگیر کو بھی نظر انداز کرتی آئی تھیں۔ لیکن آج زین نے ان کے سوئے ہوئے جذبات کو جگا دیا تھا۔ وہ اس کی تکلیف پر تڑپ گئی تھیں۔ یہ احساس انہیں عجیب سا اطمینان بخش رہا تھا کہ ان کی زندگیوں میں کرن کی کیا جگہ ہے اور وہ ایک دوسرے کے لئے کتنے اہم ہیں۔ آج ان کے دل سے اس کے لیے سب میل دھل گئے تھے۔ وہ ماں ہو کر اس کے لئے وہ نہ کر سکی تھیں جو اس نے کیا تھا۔ وہ کیسے بلک بلک کر روئی تھی۔ اس کا رونا دیکھا نہیں گیا تھا۔ زین نے بھی بے ہوشی کے دوران کرن کو پکارا تھا۔ یہ کرن کی محبت تھی۔ وہ ماں ہو کر اس کو وہ محبت نہ دے سکی تھیں جو ان سب کا حق تھا۔ جھوٹی نام نہاد شو کی خاطر اپنی اولاد سے غافل ہو گئی تھیں۔ آج انہیں شدت سے احساس ہوا تھا ان کو سنبھلنے کے لئے ایک ٹھوکر کافی تھی۔ جس نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

"عباس میں چاہتی ہوں کرن کو ہمیشہ کے لئے اس گھر میں رکھ لوں۔ کسی دوسرے کے گھر جا کر بھی تو اجالا کرے گی تو پھر یہ روشنی کی کرن اس گھر کو ہی کیوں نہ ہمیشہ کے لئے روشن رکھے۔"

"ہاں سوچا تو میں نے بھی تھا لیکن....."

"لیکن کیا؟"

"کچھ نہیں۔"

"اگر تم کہو تو میں ارتضیٰ سے بات کروں۔"

"اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو کر دیکھو، لیکن کوئی زبردستی یا جذباتی بلیک میلنگ مت کرنا۔ کرن سمیت میں سب بچوں کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ جہاں وہ چاہیں میں ان کی خوشی میں خوش ہوں۔"

"ایک دو بار ارتضیٰ نے کسی کے بارے میں ذکر تو کیا تھا لیکن میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس کے ساتھ جا نہیں سکی تھی۔" خیال آنے پر انہوں نے عباس کو بتانا چاہا تھا پھر کچھ سوچ کر خاموش رہ گئیں۔

"اگر ارتضیٰ کہیں انوال ہے تو پھر سیف تو ہے نا؟" ان کو سیف میں امید کی کرن نظر آئی تھی۔

"تم سیف سے کوئی بات نہیں کرو گی، کیونکہ وہ مجھ سے بات کر چکا ہے۔ اگر ارتضیٰ کرن میں انٹرسٹڈ ہے تو میں دونوں کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں ارتضیٰ سے بات کرتی ہوں۔ بس مجھے تمہاری رائے چاہیے تھی۔"

وہ کب سے ارتضیٰ کے انتظار میں بیٹھی تھیں

"جی مما فرمائیے، آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہی ہیں شاید۔" وہ ان کے سامنے والے صوفہ پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔" انہوں نے بلا تمہید بات شروع کی۔

"ارتضیٰ، کرن کیسی لڑکی ہے؟"

"اچھی بلکہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"اور تمہیں کیسی لگتی ہے؟"

"ظاہر ہے کہ اچھی ہی لگتی ہے، اچھی چیز سب کو اچھی لگتی ہے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ چونکا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ اس نے ا...

بھری نظروں سے ان کو دیکھا تھا۔
''تو پھر اس اچھی لڑکی سے شادی کر لو۔''
''کیا کہا آپ نے؟''
''میں چاہتی ہوں کرن ہمیشہ اسی گھر میں رہے۔''
''بے شک آپ شوق سے رکھیئے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ میں بھی چاہتا ہوں کہ اتنی اچھی لڑکی، نیک سیرت، خوبصورت، روشنی کی پہلی کرن کو اسی گھر میں رہنا چاہیے۔ آپ کے بیٹے کی دلہن بن کر اس گھر کے آنگن میں ننھی منی کرنیں بکھیر دے۔''
''تو پھر تم تیار ہونا۔'' وہ اس وضاحت پر آس باندھ بیٹھی تھیں کہ اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ انہوں نے یقین دہانی چاہی۔
''آپ کا بیٹا تیار تو ہے لیکن میں نہیں سیف۔ شاید آپ کو یاد ہو میں نے کئی بار آپ سے کسی کے بارے میں ذکر کیا تھا لیکن آپ خیر..... میں کرن کو شائستہ سے ملوا چکا ہوں اور کرن اسے پسند بھی کر چکی ہے۔''
''ٹھیک میں کسی روز چلوں گی، لیکن ابھی تو کرن، سیف والا معاملہ زیر غور ہے، لیکن تمہارے پاپا تو کہہ رہے ہیں کہ سیف تو کسی سے وعدہ کر چکا ہے تو پھر وہ کرن سے کیسے.....''
''یہ تو میں نہیں جانتا لیکن وہ کرن سے محبت کرتا ہے اور یقیناً شادی بھی اسی سے کرے گا۔ آپ بات کر کے دیکھ لیجئے۔''
''ٹھیک ہے تم ہو یا سیف بات ایک ہی ہے۔ بہر حال کرن کو اس گھر میں رہنا ہے تو اسی گھر میں رہے گی۔'' انہوں نے اپنے خیال پر یقین کی مہر ثبت کرتے ہوئے عزم سے کہا تھا۔
''میں آپ کے ساتھ ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا اور کی چین ہاتھ میں گھماتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

انہیں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کرن کی رائے تو معلوم کر لیں، ہو سکتا ہے وہ انکار کر دے یا وہ بھی کہیں..... اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتی تھیں نہ جانے انہیں کرن پر اتنا یقین کیوں تھا۔ وہ ان کے فیصلہ سے انحراف نہیں کرے گی۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کے یقین کے نہ جانے کتنے ٹکڑے ہو جاتے۔

وہ دستک دے کر داخل ہوا تھا۔ وہ بیڈ روم پر نیم دراز بازو آنکھوں پہ رکھے لیٹے ہوئے تھے۔
''پاپا کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی۔'' وہ ان کے پاس بیٹھتا ہوا بولا۔
انہوں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا تھا۔ پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔
''میں ٹھیک ہوں، ویسے ہی لیٹ گیا تھا۔''
وہ ان کے ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔
''سیف بیٹا کیا بات ہے کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔ کچھ کہنا چاہتے ہو بس کہہ ڈالو، میں تمہارا باپ ہی نہیں ہم اچھے دوست بھی ہیں۔'' انہوں اس کے ٹوٹے حوصلے کو حوصلہ دیا تھا۔ وہ شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ ان سے بات کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ وہ ان سے کہنا چاہتا تھا وہ ان کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے۔ اپنی پوری رضامندی، چاہت کے ساتھ، لیکن وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔
''سیف بیٹا! کس مشکل میں گرفتار ہو بلا جھجک کہہ دو۔''
''پاپا! میں کرن کے بارے میں آپ سے بات کرنے آیا ہوں، کرن مجھے اچھی لگتی ہے۔ وہ واقعی ہی اچھی لڑکی ہے چاہے جانے کے قابل، میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں، تمام شدتوں کے ساتھ۔''
''لیکن تم تو.....''

''پاپا! وہ میری غلطی تھی۔ نوشین میری محبت نہیں رہی تھی کبھی، بس میں اتنا کہنا چاہتا ہوں آپ سے کہ کرن کے بغیر میری زندگی ادھوری ہے۔ آپ میری اس ادھوری زندگی کو مکمل کر دیں۔ آپ جانتے ہیں مجھے منافقت پسند نہیں۔ میں اپنی پوری سچائیوں کے ساتھ اسے اپنا شریک سفر بنانا چاہتا ہوں لیکن آپ کی رضا اور خواہش کے ساتھ۔'' اس نے ان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''سیف بیٹا! ہماری خواہش کے ساتھ تمہاری دلی آرزو، تمنا کرن ہی ہے تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہوگا۔ لیکن ایک بات بتا دو کہیں تمہاری مما نے تو.....''

''نہیں میری ان سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ میں کئی دنوں سے آپ سے بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن پھر زین کی وجہ سے نہ کر سکا اور آج بھی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آیا ہوں آپ کے پاس۔ کسی مجبوری یا جذباتی فیصلہ کر کے نہیں آیا میں۔''

اس نے اتنی سچائی سے یہ بات کہی تھی کہ ان کے اندر تک اتر گئی تھی۔ اس کے لہجے کی سچائی لفظوں کی گواہی دے رہی تھی۔

''جیتے رہو، خوش رہو، مجھے یوں ہی تو اتنا بھروسا اور یقین نہیں ہے تم پر۔'' وہ اسے گلے لگاتے ہوئے بولے تو وہ سرشار ہو گیا تھا ان کے پیار پر۔

وہ سیف کو چائے دینے آئی تھی۔ شاید وہ شاور لے رہا تھا واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ چائے رکھ کر مڑی تو بیڈ پر پڑا موبائل بج اٹھا تھا۔ اس نے آن کرتے ہوئے ہیلو کہا تھا۔ وہ نسوانی آواز پر چونکی تھی۔

''ہیلو میں نوشین بات کر رہی ہوں اور تم یقیناً کرن بول رہی ہو۔''

''جی صحیح پہچانا آپ نے، میں بات کر رہی ہوں۔''

''سیف کہاں ہے؟ اس سے بات کراؤ میری۔''

''وہ شاور لے رہا ہے۔''

''اور تم کہاں ہو؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔

''میں اس کے کمرے میں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

''تم اس کے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟'' اس کے لہجے کا طنز اسے چونکا گیا تھا۔

''میں وہ چائے دینے.....'' پھر وہ خاموش ہو گئی۔ وہ کون ہوتی ہے اس سے باز پرس کرنے والی۔ وہ اس کے کسی سوال کے جواب دینے کی پابند نہیں۔

''اوہ تو تعلقات کی نوعیت یہاں تک پہنچ چکی ہے اور میں بے خبر رہی۔ تب ہی تو سیف مجھ سے ملنے سے گریز کرنے لگا تھا۔ صرف تمہاری خاطر اس نے مجھ سے ہر تعلق توڑ لیا ہے ایسا کیا ہے تم میں کرن، میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ جس نے چند ماہ میں میری برسوں کی محبت چھین لی ہے مجھ سے۔''

''میں آپ کے کسی سوال کی جوابدہ نہیں ہوں سمجھیں آپ۔'' اس نے غصے سے سیل بیڈ پر پھینک دیا تھا۔ اس کی باتیں کرن کے تن بدن میں آگ لگا گئی تھیں۔ اتنے میں سیف واش روم سے باہر آیا تھا۔ اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر وہ چونک گیا تھا۔ پھر اس نے بپ کی آواز پر سیل اٹینڈ کیا تھا۔ وہ ساری بات سمجھ گیا تھا۔ وہ وقت سے پہلے نوشین کی ذہنیت سے واقف ہو گیا تھا ورنہ ساری عمر عذاب و اذیت میں کٹتی۔ خدا جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔

''جب میں تم سے اپنا ہر رشتہ، ہر تعلق، ہر ناطہ توڑ چکا ہوں تو پھر تم میری زندگی میں داخل ہونے کی ناکام کوشش کیوں کر رہی ہو۔ تمہارا نیا روپ جو میں نے دیکھا ہے۔ اس سے آج تک میں ناواقف تھا۔ تم جیسی، گھٹیا سوچ والی لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی ہے۔ تمہاری ان ہی باتوں نے مجھے تم سے بدظن کر دیا ہے میرے دل میں رتی بھر بھی جگہ نہیں ہے تمہارے لئے۔ تم نفسیاتی مریضہ شکی مزاج لڑکی ہو۔ آئندہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ.....'' سیف نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سیل آف کر دیا تھا۔

''کرن اس نے جو کہا ہے اس کے لئے میں تم سے معافی مانگتا ہوں کیونکہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ وہ اپنی ہار برداشت نہیں کر پا رہی ہے۔ کیا تم بھی شک کر رہی ہو مجھ پر، بدگمان ہو گئی ہو مجھ سے۔''

''نہیں، میں محبت کرتی ہوں تم سے اور اعتبار کے بغیر محبت کچھ نہیں۔ محبت ہو یا نہ ہو لیکن اعتبار ضرور ہونا چاہیے۔ آپ جسے چاہتے ہو جسے اپناتے ہو۔ اگر اس پر اس پہ اعتبار نہیں تو آپ کی محبت اندھی ہے، بصارتوں سے محروم ہے۔'' وہ اس دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''نہیں..... اچھی تم ہو اس لئے مجھ پہ اعتبار کرتی ہو۔''

''سیف ایک مقولہ ہے جسے آپ چاہتے ہو محبت کرتے ہو اسے آزاد چھوڑ دو۔ اگر وہ آپ کا ہے تو پلٹ آئے گا ورنہ وہ کبھی آپ کا تھا ہی نہیں، میں ہمیشہ آپ کو آزاد رکھوں گی کبھی باندھ کر نہیں رکھوں گی۔ اس لئے کہ تم میرے وہ اور ہمیشہ میرے ہی رہو گے۔ میں نوشین کی طرح بے اعتبار نہیں ہوں۔''

''کرن تم بہت اچھی ہو اور یہ میری خوش قسمتی ہے تم ایسی اتنی اچھی پیار کرنے والی لڑکی کا ساتھ میرے نصیب میں لکھا ہے۔ لیکن آج میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ نوشین حسد میں جلنے والی لڑکی ہے، ایک شکی ذہن رکھنے والی، بیمار ذہن کی مالک، جب اس کو میں نے تمہارے بارے میں بتایا وہ مجھ پر شک کرنے لگی۔ بات بات پر تمہارا ذکر، تمہارے حسن کے قصیدے میں طنز کرنے لگی۔ میں ان باتوں کا عادی نہیں ہوں، میں تمہارا اور اس کا موازنہ کرنے لگا۔ تمہاری کشش مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی۔ میں ایک عجیب سی کشش کے زیر اثر تمہاری طرف کچی ڈور سے بندھا چلا آیا اور تمہاری چاہت میں پور پور ڈوب گیا۔ میں نے اس سے ملنا چھوڑ دیا۔ میں اس کے ساتھ شادی کر کے اپنی زندگی عذاب میں نہیں بنا سکتا اس کے لئے بھی میں تمہارا احسان مند ہوں۔ اگر تم نہ آتیں اور نہ میں اس سے تمہارا ذکر کرتا تو نہ اس کی ذہنیت مجھ پر کھلتی، صرف تمہاری وجہ سے میری زندگی برباد ہونے سے بچ گئی ہے۔''

''تم اتنی اچھی، اتنی پیار کرنے والی کیوں ہو کرن؟''

''اس لئے کہ آپ خود اچھے ہیں ہر دوسرا شخص بھی آپ کو اچھا نظر آتا ہے۔ یہ آپ کی اپنی سوچ اچھی یا بری.....'' وہ اک ادا سے مسکرا دی تھی۔

''یہ ہی باتیں تو تمہیں سب سے منفرد اور جدا کرتی ہیں۔'' اس نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لے لیا۔

''لیکن میری ایک بات یاد رکھنا کرن، میں جھوٹ، منافقت سے نفرت کرتا ہوں۔ میں تمہاری طرف بڑھا ہوں تو اپنی چاہت کی پوری سچائیوں، محبت کی پوری ایمان داریوں اور جذبوں کی پوری شدتوں کے ساتھ۔ تم میں کچھ

ایسا ہے کہ میں تمہارے سحر میں ڈوب کر رہ گیا ہوں۔ تم میری ہو۔ ہم ایک ہیں تو پھر ہمیں کوئی الگ نہیں کر سکتا۔ اپنا یہ اعتبار ہمیشہ یوں ہی قائم رکھنا۔ تم بہت ''خاص'' ہو۔'' اس کے ہاتھوں کو تھام کر اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا تو اس کی دھڑکنوں کا شور سرگوشیوں میں اردگرد گونجنے لگا۔

یہ سامنے کھڑا شخص تمہارا ہے صرف تمہارا
ہے صرف تمہارا۔ جو تمہاری چاہت میں پور پور
ڈوب گیا ہے۔
تمہارے ہیں، کہو اک دن
کہو اک دن
تمہارے ہیں کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے
سب کچھ تمہارا ہے
کہو اک دن، کہو اک دن
ستارا سی جنہیں کہتے ہو وہ آنکھیں تمہاری ہیں
جنہیں تم پھول سی کہتی ہو
وہ باہیں تمہاری ہیں
کہو اک دن، کہو اک دن
اگر سب کچھ ہی میرا ہے تو
سب کچھ بخش دو اک دن
محبت دو اک دن
میرے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھ کے
روح کھینچ لو اک دن
کہو اک دن، کہو اک دن

''میری پیاری بھابھی صاحبہ کیسی ہیں؟ یہ نیا رشتہ بہت خوبصورت اور حسین ہے۔'' اسے سامنے سے آتا دیکھ کر اس کی رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی۔

''ارتضٰی بھائی.....'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ہاں کہو۔'' وہ ہمہ تن گوش تھا۔

''وہ سامنے گلدان رکھا ہے نا۔''

''ہاں میں دیکھ رہا ہوں، ایک کافی بڑا اور بھاری گلدان ہے۔'' اس نے تبصرہ کیا۔

''تو پھر وہ گلدان اٹھا کر میں..... ابھی اسی وقت.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں کیا؟''

''اٹھا کر سامنے دیوار پر دے ماروں گی۔''

''واہ..... واہ کیا نادر خیالات کی مالک ہو اسی لئے سب تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ غلط فہمی ہوگئی۔ سیف بیچارا تو مارا گیا۔ ایک موٹی عقل اور بے وقوف عورت سے پالا پڑا ہے کیسے نایاب خیالات آتے ہیں تمہارے ذہن میں۔'' وہ اس کو تنگ رہا تھا۔ ارتضٰی کو اسے تنگ کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔

''جیسے آپ چالاک بنتے ہیں، شائستہ بیچاری ساری عمر سر پکڑ کر روئے گی آپ کی ہوشیاریوں کے سامنے۔''

''زندگی ہی گزرنی ہے نا تو وہ گزر جائے گی اچھی یا بری، لیکن سیف بیچارہ ساری عمر پچھتائے گا۔''

''ارتضٰی بھائی!'' وہ گلدان اٹھا کر اس کی طرف بڑھی تھی اور وہ چھپاک سے یہ جا وہ جا۔

اس نے وہ دیوار پہ دے مارا تھا۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا۔ کرن کا ایک بلند شگاف قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔ اب وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنستی جا رہی تھی۔ اب وہ خود بھی اس کے قہقہے میں شریک تھا۔

زین کو کرن کا یہ نیا روپ بہت اچھا لگا تھا۔ سیف کے حوالے سے وہ اس کے دل کے قریب اور بھی آ گئی تھی۔ جب وہ آیا تھا۔ اس سے اپنے ناز نخرے اٹھوانے میں مصروف رہتا اور وہ بھی سب چھوڑ چھاڑ کر اس کی ناز برداریاں اٹھانے میں جت جاتی۔ اس پل زین کو اس پر ٹوٹ کر پیار آتا۔ وہ اس کے ہاتھوں کو چوم لیتا۔ اس وقت بھی وہ اس کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔ اس

Aneela PakistaniPoint

آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر آنچل میں جذب ہو گئے یہ خوشی کے آنسو تھے۔ وہ اس پر جھکی ہوئی تھی وہ اس کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ سیف نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ایک نظر اس کو دیکھا تھا۔ وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''یہ کس کے خلاف سازش کی جا رہی ہے ایک دوسرے سے۔'' اس نے سیف کی آواز پر سر اٹھایا تھا۔

''آپ کو قابو میں رکھنے کے گر سکھا رہا ہوں اپنی بہن کو۔'' اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ کرن مسکرا دی۔

''اگر میں پھر بھی قابو نہ آیا تو تمہاری یہ ٹریننگ تو بیکار گئی نا۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''یہ ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ جوش سے بولا۔

''اگر میں پھر بھی بھٹک گیا تو.....''

''یہ سورج کی پہلی کرن ہے نا آپ کی زندگی میں۔ آپ بھٹک ہی نہیں سکتے۔ رات کے اندھیروں کو دور کرنے کے لئے سورج کی ایک کرن ہی کافی ہوتی ہے اور ہم نے تو ساری ''کرنیں'' آپ کے حوالے کر دی ہیں۔ پھر آپ بھٹک سکتے ہیں۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو یہ یاد رکھنا کرن اکیلی و تنہا نہیں ہے۔ ابھی اس کا بھائی اس دنیا میں زندہ ہے۔ وہ کسی کو اجازت نہیں دے گا کہ اس کی اکلوتی بہن کو کوئی دکھ دے۔ اس کی آنکھوں میں دو آنسو بھی آئیں، میں اپنی جان پہ کھیل جاؤں گا لیکن اپنی بہن کے قریب دکھوں کی آنچ بھی نہیں آنے دوں گا۔''

''میری توبہ میں جو کرن کے اس ننھے مگر جوار بھاٹے والے بھائی سے ٹکر لوں۔ رو دھو کر زندگی جیسے گزرے گی صبر و شکر کر کے گزار لوں گا۔''

زوردار تالیوں کی آواز انہوں نے دیکھا تو مما، پاپا اور ارتضیٰ بھائی اس کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔

''جس لڑکی کا زین جیسا بھائی ہو اس کے قریب کوئی دکھ بھٹک بھی نہیں سکتا۔ جیتے رہو میرے بچے جیتے رہو۔'' عباس جہانگیر نے زین کو باہوں کے حصار میں لے کر کہا۔

''اپنے جملے کی تصحیح کر لو زین میاں، ایک نہیں دو بھائی۔'' ارتضیٰ نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا۔ تو کرن کے لبوں پر بڑی پیاری اور فخریہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''دو بھائی کے ساتھ کرن کے والدین بھی اس گھر میں رہتے ہیں۔ یہ خیال بھی رکھنا۔'' فرزانہ ممانی نے کرن کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''میرا تو تخت الٹا جا چکا ہے۔ بس ظالم حکمرانوں سے اتنی سی گزارش ہے کہ اس غریب کو رعایا کو بھی اس گھر میں سکون سے رہنے کے لئے تھوڑی سی جگہ دے دیں۔ بھٹکے ہوئے لوگوں کو حضرت خضر رستہ دکھاتے ہیں اور میری زندگی میں کرن نے یہ کام انجام دیا ہے۔ کیوں میرے ظالم حکمرانوں یہ مظلوم ٹھیک کہہ رہا ہے نا۔'' وہ دونوں ہاتھ باندھے ان کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

''ہم اس مظلوم رعایا کو اس گھر میں رہنے کے لئے جگہ دے رہے ہیں۔ مگر اسے اپنے وعدے کی پاسداری اپنی جان سے زیادہ کرنی ہو گی۔''

''جو حکم میرے آقا!'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

''اب تم جا سکتے ہو۔'' زین نے حکم جاری کیا۔

''حضور جان کی امان پاؤں تو ایک عرض اور کرنا چاہتا ہوں۔''

''اجازت ہے، دربار کے ادب کو ملاحظہ خاطر رکھتے ہوئے عرض کی جائے۔''

''جی حضور! اپنی بہن سے کہو اتنے آنسو نہ بہایا کرے ایک دن اس کے یہ آنسو دریا کی صورت اختیار کر جائیں گے اور میں سوہنی کی طرح کچے گھڑے کے بغیر ہی دریا پار کرنے کی کوشش میں منجدھار میں ڈوب جاؤں گا۔''

''اس غریب درباری کی بات کچھ کچھ ٹھیک ہے۔ لہٰذا کرن بی بی آپ کو بھی آئندہ دریا منہ زور پانی پر بند باندھنا ہوگا۔ ورنہ یہ مظلوم شخص آنسوؤں کے سمندر میں واقعی ڈوب جائے گا۔ ہمیں اس کی بات پسند آئی۔ ہم وعدہ کرتے ہیں آئندہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔''

''اے میرے آقا آپ کی یہ شہزادی آپ سے وعدہ کرتی ہے۔ پھر کبھی آنسو میری آنکھوں کا راستہ نہیں دیکھیں گے۔'' اس نے ایک ادا سے کہا تو زین سمیت سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''یہ کیسا انصاف ہے، اپنی بہن کو شہزادی اور مجھے غریب رعایا بنا دیا مجھے اس بات پر اعتراض ہے۔'' وہ مچل گیا تھا۔

''اگر یہ شہزادی ہے تو تم آل ریڈی شہزادہ ہو جاؤ گے۔ غم کیوں کرتے ہو میرے بھولے بھائی۔'' زین نے اس کا ہاتھ تھام کر دھیرے سے بوسہ دے ڈالا۔

''بہت چالاک ہو تم۔'' سیف نے اس کو اپنی بانہوں میں بھر کر سینے سے لگا لیا تھا۔ سب کے قہقہے با آواز بلند گونج رہے تھے۔

زندگی میں جتنے دکھ، غم اس نے اٹھائے تھے۔ قدرت نے اس سے کہیں زیادہ خوشیاں سکھ ایک ایک کر کے اس کی جھولی میں ڈال دیئے تھے یہ اس کے صبر کا انعام تھا۔ وہ اپنے رب کی نعمتوں کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔ پیار کرنے والا ساتھی، سیف جیسا شخص اس کا نصیب بنا دیا تھا جو اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا۔

اب اسے زندگی، وقت، حالات سے کوئی شکوہ نہیں رہا تھا۔ اس کے رب نے اسے اتنی خوشیاں اتنی خوشیاں دی تھیں کہ اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ لیکن اس کے سوہنے رب کو ابھی اس کی آزمائش مطلوب تھیں۔ اس کو ایک کڑے امتحان سے گزرنا ابھی باقی تھا۔

ارتضٰی کی بات فائنل کر دی گئی تھی لیکن شادی شائستہ کے بھائی کے انگلینڈ سے واپسی پر طے پائی تھی اور اس نے ایک سال بعد آنا تھا۔ اسی لیئے کرن اور سیف کی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی تھی۔

مہندی سے ایک دن قبل ان کا نکاح ہو چکا تھا اور آج ان کی مہندی کا فنکشن تھا۔ وہ کرن کے لئے گفٹ لے کر جولرز کی شاپ سے باہر نکل آ رہا تھا کہ اچانک ان پر گولیوں کی برسات شروع ہو گئی تھی۔ ایک تو وہ نہتے ہاتھوں تھا۔ دوسرا سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ سینے کے بائیں سائیڈ سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا تھا۔ درد کی شدت سے وہ دہرا ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ اس نے گرتے ہوئے بند ہوتی آنکھوں سے اس بھاگنے والے کو دیکھا تھا جس نے اس پر حملہ کیا تھا۔ لیکن وہ پہچان نہیں سکا۔ لمحوں میں وہ گردش و پیش سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ لوگوں کا ہجوم اس کی طرف بڑھا تھا۔ لیکن وہ جیتا جاگتا وجود بے خبر ہو چکا تھا۔

مہندی کی تمام تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ سب لوگ سیف کے منتظر تھے۔ لیکن اس کے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وقت جیسے جیسے گزرتا جا رہا تھا۔ بے چینی اور پریشانی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ سیف سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کے سیل پر

بیل جا رہی تھی لیکن وہ ریسو نہیں کر رہا تھا۔
ارلضی مختلف جگہوں، لوگوں کو کال کر رہا تھا۔ مگر ہر طرف سے مایوسی اس کے دامن سے لپٹ رہی تھی۔ مما، پاپا کو حوصلہ دیتے دیتے وہ تھک گیا تھا۔ وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔ ایک ایسے پرندے کی طرح جس کے پر کاٹ کر کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن باوجود کوشش کے وہ اڑ نہیں سکتا۔ وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھا تھا اور اب مختلف ہاسپٹل، پولیس اسٹیشن اور ریسٹورنٹ سے انفارمیشن لے رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے فون رکھ دیا تھا۔ مما پریشان سی اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

''ارلضی سیف کہاں چھپ کر بیٹھ گیا ہے اسے کال کرو۔ وہ جہاں بھی ہے جلدی آ جائے لوگ کب تک اس کے انتظار میں بیٹھے رہیں گے میرے دل میں ہول اٹھ رہے ہیں۔'' وہ رو دینے کو تھیں۔

''آپ فکر نہ کریں وہ ابھی آ جاتا ہے میں معلوم کر رہا ہوں نہ۔'' وہ ان کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''جلدی کرو ورنہ میرا دل فیل ہو جائے گا۔'' ان کی حالت واقعی ہی ایسی ہو رہی تھی۔

''آپ مہمانوں کو اٹینڈ کریں میں ابھی آتا ہوں۔''

وہ اس کو ایک بار پھر تاکید کرتی ہوئیں باہر چلی آئی تھیں۔ وہ کمرے سے نکلی ہی تھیں کہ اس کا سیل بج اٹھا۔ اس نے جھٹ سیل آن کرتے ہوئے کان سے لگایا تھا۔ مگر جو کچھ اس کی سماعتوں نے سنا تھا کیا وہ سب جھوٹ تھا یا ایک بھیانک مذاق، فون ارلضی کے دوست ڈاکٹر انوار کا تھا۔ اگر وہ کسی چیز کا سہارا نہ لیتا تو یقیناً گر جاتا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کو بے حس و حرکت دیکھ کر اپنی زوردار چیخوں کو روکنے کی کوشش میں دایاں ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔

اس سے اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب پہنچی تھی۔ وہ اس کے قدموں پہ سر رکھے بلک اٹھی تھی۔ اس کی دبی دبی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ اپنے پیروں پر نرم لمس کا احساس ہوا تو اس نے بے تابی سے آنکھیں کھولی تھیں۔ یہ نرم گرم احساس اس کے وجود میں خون کی طرح گردش کر گیا تھا۔ اس احساس نے ہی تو اسے پیار کرنا سکھایا تھا۔ وہ اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا اپنی پوری شدتوں کے ساتھ۔

''کرن اٹھو ادھر سے میرے پاس آؤ۔''

اس کی آواز نقاہت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ احساس اس کو پھر سے رلایا گیا تھا۔

وہ بھیگے چہرے کے ساتھ اٹھی تھی۔ کوئی اس سے پوچھتا وہ ضبط کے کتنے دشوار ترین لمحات سے گزر رہا تھا۔ وہ جو پیلے جوڑے میں خود بھی سرسوں کا مرجھایا ہوا پھول لگ رہی تھی۔ چہرے کی شادابی زرد رنگت میں ڈھل گئی تھی اور آنکھیں ویرانی کا مظہر تھیں۔

''یہاں بیٹھو ادھر میرے پاس۔'' وہ دکھ سے مسکرا دیا۔ اس وقت وہ اذیت کے پل صراط سے گزر رہا تھا۔

''کتنی آرزو تھی تمہیں اس روپ میں دیکھنے کی لیکن قسمت دغا دے گئی۔''

اس کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے اس نے کہا تو اس کی سونی کلائیوں پر بینڈیج دیکھ کر اسے گہرا صدمہ ہوا تھا۔

''ابھی تو میں زندہ ہوں تم نے پہلے ہی چوڑیاں توڑ ڈالیں۔''

''سیف!'' اس نے لبوں کو دانتوں سے کاٹا تھا۔ جس سے خون جھلکنے لگا تھا۔ آنکھیں زور سے بھینچ کر وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی تھی۔ اس بار وہ اپنی چیخوں پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔

اس کے وجود سے اٹھتی مہندی، ورکلیوں کی گجروں کی مہک اسے مدہوش کیے دے رہی تھی۔ اس نے گہری سانس کے ذریعے اس خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔ وہ اس کے سر کو دھیرے دھیرے تھپکنے لگا۔ بالوں میں کہیں کہیں پھولوں کی پتیاں اٹکی ہوئی تھیں۔ کلیوں کی سوندھی سوندھی خوشبو اس کے جذبات میں طوفان برپا کر رہی تھی۔

''کرن اٹھو پلیز میری طرف دیکھو، مجھ میں حوصلہ نہیں ہے کہ تمہیں اس کیفیت میں دیکھ سکوں اور مت آزماؤ مجھے، تمہارا یہ رونا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا اب، تمہارے رونے سے مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے۔'' وہ تڑپ گیا۔

اس نے ایک دم اس کے سینے سے سر اٹھایا تھا۔ وہ اس کے ہاتھوں کو چوم رہی تھی۔ پھر اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ الفاظ زبان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ کچھ بولنے کی کوشش میں ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔

''ہاں..... بولو..... جو کہنا چاہتی ہو کہو۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ اس کے رخساروں سے بہتے ہوئے آنسو اس کے سینے پہ گر رہے تھے۔

''میں نہ کہتا تھا تم میرے ساتھ ہو تو موت بھی مجھے اپنے شکنجے میں نہیں لے سکتی۔ یہ زندگی اب میری نہیں تمہاری امانت ہے۔ تم اپنے رب سے میری زندگی کی بھیک مانگ لو گی۔ اس نے مجھے یہ نئی زندگی صرف تمہارے لئے بخشی ہے۔''

وہ ایک بار پھر اس کے سینے پر سر رکھ کر رو دی تھی۔

''آج تم اپنے سارے آنسو میرے سینے میں اتار دو۔ جتنے دکھ جتنی اذیتیں، جتنی آزمائشیں تمہیں اٹھانی تھیں آ چکیں بس اب اور نہیں آج کے بعد ان آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔'' اس نے آنکھوں میں آئے آنسو بے دردی سے پونچھ ڈالے تھے یہی تو وہ چاہتا تھا۔

''کرن!'' شدتوں سے چور لہجے میں اس نے پکارا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میری بات سنو۔'' وہ جیسے ہی اس کے قریب جھکی اس کے بائیں گال کے ڈمپل کو چھوتے ہوئے بے ساختہ اس کی پیشانی پر اپنا استحقاق استعمال کرتے ہوئے پیار کیا۔ اس کی غیر ارادی حرکت پر وہ شرما گئی۔ اس نے فوراً سر اوپر اٹھایا تو اس نے اس کے سر کو ہلکا سا جھٹکا دے کر اس کے بالوں کو بکھرا دیا۔ سلکی بال ڈھیلے سے جوڑے کی شکل بندھے کھلنے کو پہلے ہی بے قرار تھے۔ سیاہ ناگن جیسے بالوں نے اس کو اپنے اندر چھپا لیا۔ سیف کو لگا جیسے ساون کی گھٹا چھا گئی ہو۔

''سیف!'' اس کی آنکھوں میں شرارت دیکھ کر وہ گھبرا گئی تھی اور اس سے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا آنچل ڈھلک کر سیف کے سینے پر گر گیا تھا۔ سیف نے اسے اپنی مٹھی میں دباتے ہوئے چہرے پر پھیلا لیا تھا۔

''سیف میرا ڈوپٹہ دے دو پلیز..... کوئی آ جائے گا تو کیا سوچے گا یہ ہاسپٹل ہے تمہارا کمرہ.....'' باقی کے الفاظ اس نے لبوں میں دبا لئے تھے وہ بے ساختگی میں کیا کہنے جا رہی تھی۔

''ہاں کہو..... کہتی کیوں نہیں ہو یہ ہمارا کمرا نہیں ہے یہی کہنا چاہتی ہو نا اب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے تمہارے تمام جملہ حقوق اپنے نام لکھوا چکا ہوں۔'' وہ استحقاق بھری مسکراہٹ سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں

کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو اس کے چہرے پر زردی کھنڈی تھی اور ابھی چند لمحوں میں سارے بدن کا خون نچڑ کر رخساروں میں آ سمایا تھا۔

''سیف پلیز۔'' اس کے لہجے کی بیچارگی اسے ہنسنے پر مجبور کر گئی تھی۔

''پہلے ایک وعدہ کرو۔''

''وعدہ۔'' وہ اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ اس کی بات سننے سے پہلے ہی ''وعدہ'' کر بیٹھی تھی۔ یہ جانے بغیر وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

''بعد میں اس طرح مجھ سے دور بھاگ کر تنگ نہیں کرو گی مجھے۔ چپ چاپ میری شدتوں کے سامنے جھک جاؤ گی۔''

وہ اس کے چہرے پہ بکھری مسکراہٹ اور آنکھوں میں ناچتی شرارت دیکھ کر رخ پھیر گئی تھی۔

''کرن یوں رخ نہ موڑو ابھی تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اور ایک سچا مسلمان اپنے عہد سے نہیں پھرتا۔ خواہ حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں۔'' وہ اسی پوزیشن میں خاموش کھڑی رہی۔

''میری طرف دیکھو..... بنا سوچے سمجھے وعدہ تو تم کر چکی ہو۔ صرف ایک بار میری طرف دیکھ لو۔ ورنہ میں اپنی تکلیف کی پرواہ کیئے بغیر اٹھ بھی سکتا ہوں، میں سچ کہہ رہا ہوں اسے میری دھمکی مت سمجھنا اور نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔''

وہ یکدم ہی اس کی طرف مڑ آئی تھی جیسے وہ واقعی اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے گا۔

''ادھر آؤ۔'' وہ اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے جذبے لٹاتی نگاہیں اسے سر جھکانے پر مجبور کر گئی تھیں۔

''ہمارے ملن میں صرف چند گھنٹے باقی تھے مگر یہ ظالم دنیا دو دلوں کا ملاپ ہوتا کہاں دیکھ سکتی ہے۔ ظالموں نے مجھے اپنے کمرے کے بجائے ہاسپٹل میں لا پٹخا۔ کوئی مجھ سے پوچھے میرے جذبات کو کتنا بھاری نقصان پہنچایا گیا ہے مگر کوئی سمجھے بھی تو کیوں؟'' اس نے ایکٹنگ کی تو اس سے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔

''پکے ڈرامے باز ہو۔ لوگوں کو تمہاری شاگردی اختیار کرنی چاہیے۔''

''پہلے تم تو میری شاگردی میں آ جاؤ۔ اگر تم سے فرصت ملی تو یہ فلاحی کام بھی سرانجام دے لیں گے۔''

''سیف تم بہت شریر ہو رہے ہو۔''

''کیا کروں مجبوری ہے اب اس دل کی تمام حدیں تم سے شروع ہو کر تمہیں پر ختم ہو رہی ہیں۔''

''چلیں۔''

''کہاں؟'' وہ اس ادھورا فقرہ اچکتے ہوئے بولا۔

''میں کہنے جا رہی تھی چھوڑوں ان باتوں کو مگر تم.....'' وہ چڑ کر بولی۔

''میں نے ابھی پکڑا ہی کہاں ہے کہ چھوڑ دوں۔'' اس نے دھیرے سے اس کی مٹھی سے اپنا آنچل چھڑایا اور اپنے سر پہ پھیلا لیا تھا۔

سیف نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ اسے اداس دیکھ کر تڑپ گیا تھا اور کچھ اس کو اس حالت میں دیکھ کر دل بے ایمانی پر اکسا رہا تھا۔ اس سندر سے روپ میں دیکھ کر مچل گیا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس سے ایسی حرکتیں سرزد ہو رہی تھیں اور اس کا شرمایا شرمایا ان چھوا حسن شرارتوں پر آمادہ کر رہا تھا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ داخل ہونے والی شخصیت سیف کو اندھیرے کنوئیں میں دھکیلنے کو کافی تھی۔ وہ یہاں آئے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی اور اس کے قدموں پر سر رکھ کر

رونے لگی تھی۔

کرن اس منظر کو حیران نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی وہ کون ہے لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ بہت دیر تک روتی رہی تھی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ لیکن سیف کے چہرے پر تکلیف اور بے زاری کے آثار دیکھ کر وہ آگے بڑھی تھی۔ اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھایا تو وہ اس کے ساتھ لگ کر بلک اٹھی۔

''میں تمہاری گنہگار ہوں، مجرم ہوں تمہاری ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔ یہ سب میں نے کروایا۔ جب مجھے معلوم ہوا تمہارا سیف نکاح ہو چکا ہے اور آج مہندی کے بعد تمہاری رخصتی ہے تو مجھ سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ میں نے وہ کچھ کرا دیا جو نہیں کرانا چاہیے تھا۔ میں حسد کی آگ میں جل رہی تھی اور سب کچھ بھسم کر دینا چاہتی تھی۔ اپنی ہار میں برداشت نہیں کر سکتی اور یہ شکست مجھے اپنا بدلہ لینے پر اکسا رہی تھی۔ میں اپنی چیز دوسروں کو اتنی آسانی سے نہیں دیتی یہی وجہ تھی کہ میں سیف کو تمہارا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکی اور سیف کو ہی ختم کر دینا چاہا۔ لیکن یہ بھول گئی تھی کہ مارنے والے سے بچانے والے کی طاقت زیادہ ہے۔ پھر میں نے اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور سیف کی زندگی، تم نے تو مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن میں بدلے کی آگ میں جھلس گئی تھی۔ لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں تم دونوں کی مجرم میں ہوں۔ جو سزا دو گے مجھے منظور ہو گی لیکن ایک بار مجھے سچے دل سے معاف کر دو۔ ورنہ میں پچھتاوے کی آگ میں جھلس کر مر جاؤں گی۔''

اس نے کرن کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ اس کے الفاظ اس کی نگاہوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ کرن کے ہاتھوں کی گرفت اس کے گرد ڈھیلی پڑ گئی تھی لیکن اس کے الفاظ اسے کمزور کر رہے تھے وہ نرم پڑتی جا رہی تھی پگھلتی جا رہی تھی۔

''کرن اس سے کہو یہاں سے چلی جائے۔ میں اس کا چہرہ دیکھنا نہیں چاہتا اور معافی مانگنی ہے تو اپنے خدا سے مانگے۔'' اس نے یہ کہہ کر نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

''نہیں..... یوں نہ کہو سیف، ورنہ میں مر جاؤں گی میں بھی تمہاری چاہت رہی تھی میں تم سے محبت کرتی اور اس محبت اتنی انتہا تک جا سکتی ہوں۔'' وہ ایک روئی تھی۔

''وہ میری زندگی کی ایک بھیانک غلطی تھی جو مجھ سے ہو گئی لیکن خدا نے مجھے کرن جیسی ساتھی دے کر میری زندگی بگڑنے سے پہلے ہی سنوار دی کرن میری زندگی ہے اور کوئی اپنی زندگی کے بغیر جی نہیں سکتا ہے۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے اسی خاموشی سے واپس چلی جاؤ جس خاموشی سے یہاں آئی تھی۔''

کرن نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''ہم نے تمہیں سچے دل سے معاف کیا اور میرا اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔ آئندہ کسی کے ساتھ یہ غلطی مت کرنا۔ ہر کوئی سیف نہیں ہوتا جو تمہیں اتنی آسانی سے معاف کر دے۔''

''تم واقعی ہی بہت اچھی ہو بہت اچھی، کچھ تو ایسا ہے تم میں کہ کوئی متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ سیف ایسے ہی تو تمہیں پسند نہیں کیا۔ تم خاص ہو بہت خاص۔'' اس نے کرن کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا۔

''میں جانتی ہوں یہ دل کا بہت اچھا ہے اور تم جیسی لڑکی ہی اس کی ساتھی ہونا چاہیے تھی۔ خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔'' وہ ایک نگاہ سیف پر ڈال کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

سیف ایک ہفتے بعد گھر آیا تھا۔ اب وہ کافی

بہتر ہو چکا تھا اور چلنے پھرنے میں بھی کوئی خاص دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔

فرزانہ نے ایک بڑی پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ وہ اس کی صحت یابی کی خوشی میں سلیبریٹ کرنا چاہ رہی تھیں۔ آج رات وہ پارٹی ہونے والی تھی اور تمام تیاریاں بھی مکمل تھیں۔ وہ سادہ سے حلیہ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ سیاہ باریک سوٹ جس پہ گلاب کی ادھ کھلے پھول نمایاں لگ رہے تھے۔ اس کی سرخ سفید دودھیا رنگ پر بچ بھی خوب رہا تھا۔ اس نے کانوں میں ڈائمنڈ کے ٹاپس اور ایک ہاتھ میں نازک سا برسلیٹ جو بار بار ڈھلک کر اپنی اہمیت کا احساس دلا رہا تھا۔ دائیں ہاتھ میں کلیوں کا گجرا پہنا ہوا تھا۔

عباس جہانگیر، فرزانہ، ارتضٰی اور زین مہمانوں کو اٹینڈ کر رہے تھے اور اسے سیف کے ساتھ باہر آنا تھا۔ وہ سیف کو لینے کمرے میں گئی تھی۔ وہ تیار کھڑا اپنے سراپے پہ آخری نگاہ ڈال رہا تھا۔ جب وہ اندر داخل ہوئی۔

اس کا ہوش ربا روپ اور مقناطیسی شباب کی کشش نے چند لمحوں کو اس کو مبہوت کر دیا تھا۔ وہ بالکل سادہ حلیے میں تھی اور اس کی سادگی کا بناؤ سنگار ہی اسے اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔ وہ ساکت کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''سیف چلو دیر ہو رہی ہے۔'' اس کے قریب آ کر اس نے کہا۔

''ہاں۔'' وہ چونکا۔

وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا لیکن اس نے تعریف اس لئے نہیں کی تھی کہ اسے پٹری سے اترتے دیر نہیں لگتی تھی۔

اس کا دوپٹہ شانے کے ایک طرف پڑا تھا اور گردن کا خالی پن اس کو چونکا گیا تھا۔ اس نے جھک کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے کچھ نکالا تھا۔ وہ اس کے پکارنے پر چونکی تھی۔

''کرن!'' اس نے سیف کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سا لاکٹ تھا۔ ڈائمنڈ کا خوبصورت دل نما لاکٹ جس کے اطراف میں ننھے منے نگ لگے ہوئے تھے۔

''ونڈرفل، بہت خوبصورت لاکٹ ہے۔'' اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اس نے کہا۔ کرن کو وہ واقعی ہی بہت پسند آیا تھا۔

''کس کے لئے ہے؟'' وہ جانتی تھی کس کے لئے ہو سکتا ہے لیکن اس نے جان بوجھ کر پوچھا تھا۔

''تمہارے لئے، یہی گفٹ لینے تو گیا تھا کہ وہ حادثہ پیش آ گیا۔ ارتضٰی کا پاس تھا اس نے مجھے دیا ہے۔''

''کیسا لگا؟''

''جیسے تم خود ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

وہ اسے کھول کر دیکھ رہی تھی۔ اندر نکاح کے موقع پر لی گئی دونوں کی ہنستی مسکراتی تصویر جگمگا رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ کرن کے لبوں پر بڑی گہری دلکش مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اس نے لاکٹ اپنی گردن

مشہور مزاح نگار ابنِ انشاء
کی تازہ ترین کتاب
شائع ہو گئی ہے۔
نگری نگری پھرا مسافر
قریبی بک سٹال سے خریدیں
یا ہم سے طلب فرمائیں
لاہور اکیڈمی ۳۰ سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

کے قریب کر کے دیکھا اور دیوار گیر آئینہ میں اسے اپنے پیچھے سیف کا عکس دکھائی دیا۔

''میں پہن لوں۔'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''پہننا تو تم کو ہی ہے مگر ایسے نہیں اپنے ہاتھوں سے پہناؤں گا مگر وقت تو آنے دو۔ اگر اتنی ہی جلدی ہے تو ابھی پہنا دوں لیکن بدلے میں.....'' اس کے جملے کی معنی خیزی اسے دہلا گئی تھی۔ اس نے گھبرا کر وہ لاکٹ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا اور اس سے دور ہوتے ہوئے ذرا فاصلے پہ کھڑی ہوئی۔

''تم تیار ہو جاؤ تو باہر آ جانا میں انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ اس کے بدلتے موڈ کو دیکھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

''جذبات میں ہلچل مچا کر اب کہاں بھاگ رہی ہو۔ ابھی تو بہت کچھ کہنا ہے مجھے۔'' اس کی کلائی پکڑتے ہوئے اس نے نہ صرف اسے روک لیا تھا بلکہ اسے خود سے قریب بھی کر لیا تھا۔

''سیف پلیز۔'' وہ اس کی بانہوں کے حصار میں بے قرار سی مچل رہی تھی۔ مگر اس کی بانہوں کا حصار تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

''کیوں بھاگتی ہو مجھ سے۔'' وہ اس کے کھلے بالوں کو ہاتھ پر لپیٹتے ہوئے بولا۔

''سیف پلیز۔'' اس نے لبوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا وہ شرم سے پڑتا سرخ چہرہ جھکا گئی۔ اس کا ملتجی لہجہ اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

''جاؤ۔'' سیف نے اس کے بائیں گال کے ڈمپل پر پیار کر کے اپنے حق کا استعمال کیا تھا اور اس کو اپنے بازوؤں کے حصار سے آزاد کر دیا تھا۔

وہ اس کی بانہوں سے نکل کر یوں بھاگی تھی جیسے پولیس اس کے پیچھے لگی ہو۔

''دیکھ کر گرمت جانا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ تو اس نے رخ پھیر کر اسے گھورا تھا۔ وہ شرارت سے اس کی طرف بڑھا تو وہ دروازہ کھول کر باہر بھاگی تھی۔

ارفضی اور زین ان کو بلانے آ رہے تھے لیکن اسے بھاگتا دیکھ کر رک گئے تھے وہ ارفضی سے آ ٹکرائی تھی۔

''کیا ہوا، کہیں زلزلہ آ گیا ہے۔'' زین نے اسے چھیڑا تھا۔

''وہ.....وہ سیف!''

سیف اس کے پیچھے دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس نے ایک آنکھ دبا کر ارفضی کو اشارہ کیا تھا۔ وہ سمجھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''ہاں کیا کہا ہے سیف نے۔'' اس نے پوچھا۔

''وہ..... مجھے..... کچھ نہیں۔ تم سب ایک تھیلی کو چٹے بٹے ہو۔'' اس نے شرم سے سر کو جھٹکا دیا تھا اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں اتر گئی تھی۔

اس نے اپنے پیچھے ان کا بلند شگاف قہقہہ سنا تھا۔ وہ تینوں اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ آخری سیڑھی پر رک گئی تھی اور اب خود بھی ان کے قہقہوں میں ان کا ساتھ دے رہی تھی۔

اگر اپنی رضا، خواہش کے ساتھ والدین کی مرضی بھی شامل کر لی جائے تو نہ صرف ان کی دعائیں تمام عمر ساتھ رحمت بن کر رہتی ہیں بلکہ زندگی کا سکون ہمیشہ کے لئے چادر بن کر سروں پر آنچل بن جاتا ہے، جیسے وہ ٹھنڈی و پرسکون وادی میں آ جاتے ہیں۔

پسند کی شادی گناہ یا جرم نہیں ہے لیکن والدین کی رضا شامل ضروری ہونی چاہیے۔ کیونکہ والدین کی خوشنودی میں ہی ہماری خوشنودی حاصل ہوتی ہے اگر ہم سوچیں تو؟

☆☆☆

ایک اجالا خوابوں جیسا

ام مریم

''خالہ بی! مہمان آرہے ہیں کھانے کے مینو میں بریانی، قورمہ، روسٹ چکن کے علاوہ ایک آدھ ڈش اور بنا لیجئے۔ سویٹ میں فروٹ ٹرائفل ضرور ہونا چاہیے۔'' اس نے پلٹ کر دیکھا اس کا اونچا لمبا مضبوط سراپا کچن کے دروازے میں ایستادہ تھا۔ لائٹ آسمانی کلف دار لباس میں وہ ہمیشہ کی طرح بک سک سے تیار ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے نگاہ پھیر لی۔ وہ چند ایک مزید ہدایات کے بعد پلٹ چکا تھا معاً کچھ یاد آنے پر مڑا وہ جو ایک بار پھر اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس کے یوں پلٹنے اور نظریں چار ہونے پہ خجالت سے سرخ پڑتی نگاہ کا زاویہ بدل کر رخ بھی پھیر گئی جب کہ ظہیر کی نگاہ انتہائی سرسری انداز میں لمحہ بھر کے لئے بھٹکے انداز میں اس پر ٹھہری تھی۔

وہ خالہ بی سے مخاطب ہو کر بولا تھا۔

''اور ہاں ڈرائینگ روم کے علاوہ گیسٹ روم کی صفائی فسٹ کلاس ہو۔''

''جی بہتر صاحب! آپ فکر نہ کرو۔'' خالہ بی نے مسکرا کہ یقین دہانی کروائی تب وہ عجلت بھرے انداز میں تیزی سے پلٹ کر دروازے سے نکل گیا۔ تبھی اسد اسکول یونیفارم میں بھاگتا ہوا آکر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا تھا۔

''پاپا آپ جا رہے ہیں؟''

''ہاں بیٹے! آپ نے بریک فاسٹ لیا۔'' وہ جھک کر اسے پیار کرتا ہوا بولا۔

''ابھی تو مما ایگ بوائل کر رہی ہیں آپ آج جلدی کیوں جا رہے ہیں۔''

جواب کے ساتھ ہونے والے سوال نے ظہیر کے لبوں پر مسکراہٹ کے کنول کھلائے اس کی صبیح پیشانی پر بوسہ ثبت کرتے ہوئے سنورے ہوئے بال بکھیر ڈالے۔

''آپ کی بو آرہی ہیں نا انہیں ریسو کرنا ہے اس کے علاوہ کچھ اور کام بھی تھے او کے مائی سن۔'' وہ مسکرا کر کہتا پلٹ گیا دروازے کی چوکھٹ پہ ایک بار پھر اس سے سامنا ہوا تھا۔ اسد کے لئے ناشتہ کی ٹرے لیے وہ کچن سے نکلتے بالوں کو سر جھٹک کر ہٹاتی اسے روبرو پا کے لمحہ بھر کو تھم سی گئی تھی جب کہ وہ نظر انداز کرتا ہوا قریب سے ہو کر نکل گیا تھا ثنا کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی آنکھوں کے بھیگتے گوشوں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی وہ از حد رنجیدہ ہو چکی تھی۔

وہ حیرت کی زیادتی سے گنگ ہوتی ٹکر ٹکر اپنے روبرو کھڑی شاہینہ آپا کو دیکھ رہی تھی جو اس کی حیرت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پرجوش انداز میں اسے گلے لگا کر پیار کر رہی تھی اس کے برابر کھڑے ظہیر کی بے نیازی لاتعلقی نقطہ عروج پر تھی۔ ثنا کے گمان میں نہ تھا آنے والے مہمان شاہینہ اور اس کے بچے ہوں گے ورنہ وہ کم از کم اپنے حلیے کو تو سنوار لیتی اب کس درجہ شرمندگی نے آن لیا۔ ثنا کی نگاہ اندر کی جانب بھانجوں کے ساتھ بڑھتے ظہیر پر ڈالتی وہ لب کچل کر شاہینہ کی سمت متوجہ ہو گئی جو کچھ کہہ رہی تھیں۔ غائب دماغی سے جواب دیتی وہ انہیں ساتھ لے کر ڈرائینگ روم میں آئی تھی پھر خالہ بی کو چائے کے ساتھ لوازمات لانے کا کہتی وہ ابھی جا کر چینج کرنے کا سوچ ہی رہی تھی جب اسد نے آکر اس کی سوچ کو بکھیر دیا۔

''مما بو آپ کو بلا رہی ہیں۔''

''ہاں آتی ہوں بیٹے۔'' وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔

''نو مما بو کہہ رہی تھیں آپ کو ساتھ لے کر آؤں۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا وہ بولا۔ شاہینہ آپا اسے دیکھتے ہی مسکرا دی تھیں اور ہاتھ پکڑ کر قریب بٹھا لیا۔

''میں چائے بنوا رہی تھی۔''

اتنی توجہ و محبت بہت عرصے بعد اس کا نصیب

ہوئی تھی جبھی عجیب سی گھبراہٹ نے آلیا۔
''بن جائے گی چائے بھی تم یہاں بیٹھو اس حالت میں یوں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔''
وہ اس کے ملگجے سراپے پر گہری نگاہ ڈال کر معنی خیزی سے بولیں تو ثنا قدرے چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔
''چلو اچھا ہے تمہیں دوسرے بچے کا خیال تو آیا۔ یہ بے زاری اکتاہٹ اور تھکا ماندا سا انداز دیکھ کر مجھے پہلی نظر میں ہی شک ہوا تھا اور اس ظہیر کے بچے کو دیکھو مجھے بتایا تک نہیں۔'' اپنی دھن میں بولتیں وہ اس کے دہکتے چہرے کو دیکھے بنا اب ظہیر کی خفگی بھرے انداز میں گھور کر شکوہ کر رہی تھیں جو بنا کوئی وضاحت دیئے اس کے کانوں کی لوؤں تلک سرخ پڑتے چہرے پر سرسری نگاہ ڈال کر اسد کی سمت متوجہ ہو گیا۔
''یہ سب تو ایسی حالت میں چلتا ہے مگر خود سے یہ لاپرواہی ٹھیک نہیں اپنا خیال رکھا کرو۔''
اب وہ قدرے اس پر جھک کر محبت سے بولیں تو وہ جو پہلے ہی گڑبڑائی ہوئی تھی سٹپٹا کر انہیں دیکھنے لگی۔
''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے آ..... آپا آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' بھاپ چھوڑتے چہرے سمیت اس نے خاصی بے چارگی سمیت کہا۔
''کیا مطلب؟'' وہ اگلے ہی پل ہونق ہوئیں تو ثنا ظہیر کے سامنے مزید وضاحت دینے کے خیال سے ہی نروس ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی۔
''میں دیکھوں خالہ بی نے چائے بنائی یا نہیں۔'' ان کی پکار کو اگنور کرتی وہ سرعت سے کمرے سے نکلی تھی اور تقریباً دوڑنے کے انداز میں بیڈروم کا رخ کیا ارادہ فی الفور حلیہ سنوارنے کا تھا جس کی بدولت وہ اچھی خاصی درگت بنوا چکی تھی۔

''سنو، کہیں اور سونے کی ضرورت نہیں بیڈ روم کا دروازہ کھلا ہے آجانا۔''
معمول کے مطابق وہ دودھ کا گلاس رکھ کر پلٹ رہی تھی جب اس کی سرد آواز ثنا کے قدموں کی زنجیر بنی تھی اس نے پلٹ کر دیکھا بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نظریں اس کی بجائے فائل پہ مرکوز تھیں اس عنایت کے پیچھے کوئی وجہ یا مصلحت پیش نظر تھی وہ اچھی طرح جانتی تھی یقیناً وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کے تعلقات کی نوعیت شاہینہ آپا پہ آشکار ہو ورنہ اس ڈیڑھ سال کے عرصے میں براہ راست اسے مخاطب کرنے کی ضرورت یقیناً اسے اب بھی نہیں تھی اس کا دل اس کی اداسی کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنے لگا کچھ کہے بناء وہ یونہی چپ چاپ پلٹ آئی تھی۔ کاموں سے فراغت کے بعد اس نے آپا کے برابر بیڈ پہ سوئے بچوں میں سے اسد کو اٹھا کر اپنی بانہوں میں بھر لیا۔
''ثنا گڑیا اسد چار سال کا ہو گیا ہے آخر اور کتنا وقفہ چاہیے تم دونوں کو، میں نے ظہیر کو بھی سمجھایا ہے۔'' وہ جو پلٹ رہی تھی بات کے آغاز پہ چونکتے ہوئے پلٹی اور قدرے نافہمی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگی تھی کہ اگلے فقرے نے چودہ طبق روشن کر ڈالے اس کی شفاف رنگت متغیر ہوئی تھی۔
اسے ظہیر کی بات یاد آئی تو دل بہت بے ہنگم سے انداز میں دھڑک اٹھا گو کہ بلاوہ خاص نہیں تھا مگر آپا کی بات کے پیش نظر ہو بھی سکتا تھا۔
اسد کو کندھے سے لگائے وہ بے ترتیب قدموں سمیت بیڈروم تک آئی تھی دل شادی کے شروع دنوں کے سے انداز میں دھڑک دھڑک کر باؤلا ہوا جا رہا تھا مگر اندر آتے ہی اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔ نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں اس کا تنومند شاندار سراپا گہری نیند کی آغوش میں تھا بے ساختہ بھیگتی آنکھوں کو جھپک کر آنسو اندر اتارتی وہ اسد کو بیڈ پہ لٹا کر خود صوفہ پہ آ گئی۔ ہاں جو اس

نے کیا تھا اس کے بعد یہ سزا تو کچھ بھی نہیں تھی۔ ایک زیادتی بھری سوچ اس کی آنکھوں کی نمی کو گہرا کر رہی تھی۔

اسامہ کے لئے دودھ گلاس میں نکالتے ہوئے جانے کیسے اس کا ہاتھ بے توازن ہوا اور دودھ چھلک کر ظہیر کی بے داغ شفاف شرٹ کو دغدار کرتا چلا گیا وہ ایک پل کو تو بے طرح گھبرائی تھی پھر اس کی تھیج پیشانی پہ اندنی شکنوں کے جال کو متوحش نگاہوں سے دیکھتی بوکھلاہٹ میں اپنے دوپٹے سے ہی اس کی شرٹ صاف کرنے لگی۔

''اٹس آل رائیٹ ڈونٹ وری۔'' اس کے ہاتھ آہستگی سے دور ہٹاتا ہوا وہ یکلخت کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا لہجے کی تلخی نخوت اہانت کی بجائے نرمی شائستگی نے گویا اسے گنگ کر ڈالا۔

''کوئی بات نہیں یار اس میں اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے جاؤ اسے جا کر نئی شرٹ نکال دو۔'' اسے حیرت سے شاہینہ آپا کی آواز نے اسے نکالا تھا تب وہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی تو گویا وہ انہیں ڈائننگ روم میں آتے دیکھ چکا تھا۔ لمحہ بھر کو جو خوشی دل آنگن میں اتری تھی وہ گویا اسے اپنا مضحکہ اڑاتی محسوس ہوئی تو نظریں چراتی تیزی سے نکل کر بیڈ روم میں آئی تو ظہیر کو جھنجھلاہٹ بھرے انداز میں وارڈ روب کے سامنے کھڑے پایا۔ کچھ کپڑے نیچے کارپٹ پہ گرے تھے کچھ آدھے لٹکے ہوئے تھے۔

''ہٹیں میں نکال دیتی ہوں۔'' وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی۔

''اپنی حدود میں رہو سمجھیں۔'' سرد پھنکارتی ہوئی آواز اہانت کے احساس سے بھرپور تھی وہ جیسے اپنی جگہ سکتے کے عالم میں کھڑی رہ گئی۔ جب کہ وہ نفرت بھری نگاہ اس کے دھواں ہوتے چہرے پہ پھینک کر پھر سے شرٹ ڈھونڈ مہم میں محو ہو گیا تھا۔ وہ منہ پہ ہاتھ رکھے سرعت سے واپسی بھاگی کتنی بار اس قسم کی خدمات پیش کرنے کے بعد منہ کی کھائی تھی مگر وہ جیسے مجرمانہ احساس میں گھرتی ہر بار ہی اس اہانت آمیز سلوک کو بھلا کر پیش رفعت کر جاتی جانے کتنا سخت ہو گیا تھا اس کا دل کہ پگھلتا ہی نہ تھا نہ آنسوؤں سے نہ کسی اور چیز سے۔

اپنے تئیں دونوں نے ہی بھرپور کوشش کی تھی کہ ان کے تعلقات کی سرد مہری شاہینہ آپا پہ عیاں نہ ہونے پائے مگر وہ بھی ایک کائیاں تھیں پچھلے کئی دنوں تک ان کی عقابی زیرک نگاہوں نے چپ چاپ جیسے حالات کا تجزیہ کیا تھا اور اب اس پہ گرفت کیئے بیٹھیں تھیں پچھلے ایک گھنٹے سے وہ ان کی عدالت میں پیش مجرمانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھی تھی آغاز میں تو اس نے ہر طرح سے ان کا خیال غلط ثابت کرنے کی کوشش کی تھی مگر جب وہ مان کر دینے کی بجائے باقاعدہ ثبوت پیش کرنے پہ اتریں تو ثنا نے سٹپٹا کر چپ ہونے میں ہی عافیت جانی تھی اور تب سے ہی آپا اختلاف کی وجہ پوچھ پوچھ کر ہار گئی تھیں اس کی چپ نہ توڑ سکیں جب زیادہ اصرار کیا تو تب بامشکل ضبط کیئے آنسو جیسے پلکوں کی دہلیز پھلانگتے سرعت سے گالوں کی چکنی جلد پہ پھسلتے چلے گئے تھے آپا تو بوکھلائی ہی تھیں اسی وقت ہاتھ میں بریف کیس لئے آفس سے آتا ظہیر بھی اچھا خاصا چونک گیا تھا۔

''بیٹھو یہاں تم بھی اب بتاؤ اصل وجہ کیا ہے تم نے نہیں بتایا تو کیا میں جان نہیں پائی۔'' آپا نے اسے آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے انتہائی غصے سے کہا تو ظہیر جو استفہامی نگاہوں میں الجھن سمیٹے ثنا کے جھکے سر اور بہتے آنسوؤں کو دیکھ رہا

تھا تو یوں کا رخ اپنی جانب ہوتا دیکھ کر متحیر سا ہو کر ان کی جانب پلٹا۔

''کیا ہوا آپا جان! موڈ کچھ زیادہ ہی خراب لگتا ہے کہیں نند بھاوج میں جھگڑا تو نہیں ہو گیا۔'' مسکرا کر کہتا وہ ماحول کی سنگینی کو کم کرنے کی سعی میں مصروف ہوا تھا مگر آپا کی تیز نظروں نے اسے اندر ہی اندر پریشان ضرور کر ڈالا تھا۔

''تم دونوں ایک دوسرے سے خفا ہو کوئی بات ہو گئی ہے میں تو ثنا کی اس عدم توجہی پر خود سے لاتعلقی کو کچھ کا کچھ سمجھتی رہی جب کہ میں وہ تمہارے مس بی ہیویر کی وجہ سے اپ سیٹ ہے۔'' ظہیر جو خاصے ریلیکس انداز میں بیٹھا تھا ان کے پھٹ پڑنے پہ بری طرح سے چونکتا ہوا جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا ایک انتہائی سنجیدہ سرد پھنکارتی ہوئی نگاہ آنسو پونچھتی حراساں نظر آتی ثنا پہ ڈال کر آپا کی سمت متوجہ ہوا تو وہ جو اس کی گرم نگاہ ثنا پہ اٹھتے دیکھ چکی تھیں اسی پہ گرفت کرتے ہوئے بولی تھیں۔

''اسے گھورنے کی ضرورت نہیں مجھ سے بات کرو۔''

''جی آپ سے ہی بات کر رہا ہوں۔'' سنجیدہ اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔ ثنا تیزی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے بعد دونوں بہن بھائیوں میں کیا بات ہوئی اور کتنی دیر تک ہوئی وہ بالکل نہیں جان سکی تھی کھانا ٹیبل پہ لگا کر اس نے آپا کے بچوں کے ساتھ ٹی وی کے سامنے جمے کارٹون فلم میں بری طرح منہمک اسد کو کھانا لگنے کی اطلاع کے ساتھ انہیں بلانے بھیج دیا تھا۔ کھانے کے دوران آپا کی تمام تر توجہ واقعات اسی کے لئے تھا جس نے اسے چونکایا ہی نہیں سراسیمہ بھی کر دیا۔ ایک آدھ بار چور نگاہ سمیت ظہیر کی طرف بھی دیکھا جس کا وجیہہ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ آپا اور بچوں سے بات کرتے ہوئے جو مسکراہٹ پل دو پل کو ہونٹوں پہ ٹھہر رہی تھی وہ اتنی غیر معمولی نوعیت کی تھی کہ اس کے اندر سرسراتا خوف کچھ مزید گہرا ہو گیا کھانے کے بعد دانستہ اس نے ہر کام دیر لگا کر کیا تھا۔ دودھ کا گلاس بھی خود اپنے بجائے آپا کی روشی کے ہاتھ بھجوا دیا جو یونہی واپس آیا تھا اس نے اٹھا کر فریز کر دیا اور خود برتن دھونے لگی اس کے بعد بھی وہ اس کے سونے کا یقین کر لینے کے بعد کمرے میں آئی تھی پھر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اسے کسی کتاب کے مطالعہ میں محو دیکھ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑی تھی۔ گویا وہ اس کا منتظر تھا خود کو کمپوز کرتی اسد کو لٹا کر جیسے ہی صوفے کی سمت پلٹی اس کی کلائی آہنی گرفت کے حصار میں جکڑ کر گویا وہ چیخنے کے قریب ہوئی تھی۔

''چھوڑیں پلیز۔'' وہ گویا تڑپ کر بلبلاتے ہوئے بولی۔

''چھوڑ بھی دوں گا بہت شوق ہے نا تمہیں نجات حاصل کرنے کا۔'' وہ غراہٹ زدہ لہجے میں کہہ کر جھٹکے سے اسے برابر کھینچ لایا۔ ثنا اس حملے کے لئے قطعی تیار نہ تھی سنبھلے بنا اسی کے بازوؤں کے حصار میں گرتی چلی گئی۔

''آپا کو کیا بتایا تم نے۔'' حقارت زدہ انداز میں اسے جھٹکتے ہوئے وہ بھینچے ہوئے لہجے میں بولا۔

''مم..... میں نے کچھ نہیں کہا۔'' وہ سنبھل کر فاصلہ بڑھاتی ہوئی نفی میں سر ہلا کر اپنی صفائی میں بولی۔

''تو کیا انہیں الہام ہو گیا کہ ہم دونوں کے درمیان کوئی چپقلش ہے۔'' وہ دبے لہجے میں پھنکارا تو ثنا نے ایک نظر اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں ایک بار پھر نفی کی تھی۔

''میں کہہ رہی ہوں نا کہ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا شاید انہیں شک ہو.....'' اس کی بات

مکمل نہ ہو سکی ظہیر کا ہاتھ پوری قوت سے گھوم کر اسے کے چہرے پر آ پڑا تھا۔

''جھوٹ بولتی ہو تم ضرور بکواس تم نہ ہی انہیں سب کچھ بتایا ہے۔'' بلا کی خوفناکی چہرے پہ لئے وہ سراپا غیض و غضب بنا پھنکارا تھا جب کہ وہ گال پہ ہاتھ رکھے پتھرائی ہوئی نظروں سمیت اسے دیکھتی رہ گئی اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اس پہ ہاتھ اٹھا چکا ہے جب کہ ایسی نوبت تو تب بھی نہ آئی تھی جب اس کے خیال میں وہ غلطی پہ تھی پھر اب ایسا کیا قہر ٹوٹا تھا وہ ہنوز شاکڈ کھڑی تھی۔ ظہیر نے دانت پیستے ہوئے نظر پھیر لی۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے مجھے تمہاری صورت تک سے نفرت ہے سمجھیں تم۔'' وہ رخ پھیرے غرایا اس سرد پھنکارتی آواز پہ ثنا سناٹوں کی زد سے باہر آئی تھی اور ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر آنکھوں سے آنسوؤں کی دھند ہٹاتی تیزی سے باہر آ گئی اس کے اندر ایک وحشت انگیز سناٹا تھا جو بڑھتا جا رہا تھا اور اس سناٹے کی چادر کو چاک کرتی کچھ آوازیں جو ماضی کی حقیقت کے راز فاش کر رہی تھیں۔

سب کچھ اتنا افراتفری میں اور اچانک ہوا تھا کہ وہ اپنے بکھرے حواس بھی سمیٹ نہ پائی تھی خواب سجانا اور کسی کو سوچنا تو بہت دور کی بات تھی وہ تو چھٹیوں میں چند دن کے قیام کے لئے آپا کے پاس پاکستان آئی تھی کیا خبر تھی یہی ملک اس کی مستقل رہائش بن جائے گا جانے سے پہلے شاپنگ کرنے گئی تھی کہ بوتیک کے مالک ظہیر احسان کو جانے اس میں ایسا کیا بھا گیا کہ گھر کی دہلیز ہی پکڑ لی پھر اسے اپنے نام کروا کے ہی دم لیا تھا۔

''لڑکا ہینڈسم ہے جب تم سلیکشن کر رہی تھیں کاؤنٹر کے پیچھے مسلسل تمہیں گھورتا رہا تھا اس سے پہلے کہ میں اس کی طبیعت صاف کرتی اس نے خود مجھ سے بات کر لی فون نمبر گھر کا ایڈریس میں تو مذاق ہی سمجھی مگر وہ تو اگلے دن اپنی بہن اور ماں کے ساتھ گھر آ پہنچا تو ماننا پڑا بھئی پہلی نظر کی محبت بھی کوئی چیز ہے زمانے میں۔'' آپا نے ہنستے ہوئے کہا تھا پھر جلدی ہی شادی کا دن بھی آ پہنچا تھا اس نے صرف اس کی تصویر ہی دیکھی تھی۔

شادی ہوئی اور وہ پیا دیس آ پہنچی شاندار استقبال اور مختلف رسومات کے بعد اسے حجلہ عروسی تک پہنچا دیا گیا تھا۔ بلیک سوٹ میں وہ اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت بہت شاندار نظر آ رہا تھا اس کی صورت سے بڑھ کر ثنا کو اس کی عادات کی نفاست اور سوچ کی پاکیزگی نے متاثر کیا ان سب سے بھی بڑھ کے ایک چیز تھی وہ تھی اس شخص کی محبت جو ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے لئے بڑھتی جا رہی تھی اس کی ساری فیملی یورپ میں تھی وہی یہاں تھا اسے بیرون ممالک کا طرز زندگی پسند نہیں تھا شادی کے بعد وہ لوگ ہنی مون کے لئے شمالی علاقہ جات کی طرف نکل گئے ان کی واپسی کے چند دنوں بعد ہی ظہیر کے پیرنٹس اور آپا شاہینہ واپس چلے گئے تھے زندگی اپنی ڈھب پہ آ گئی۔ وقت اس کی محبت کے سنگ بہت سہانا ہو چکا تھا ایک سال بعد جب اسد اس کی گود میں آیا تو جیسے زندگی مکمل ہو گئی اسد کے بعد ظہیر کی محبت مزید گہری ہو چکی تھی اسے اچھی طرح یاد تھا اس روز ان کی شادی کی تیسری سالگرہ تھی ظہیر بوتیک جانے سے قبل اسے اچھی طرح یاد دہانی کروا گیا تھا کہ اسے بالکل تیار رہنا ہے بھولی تو وہ بھی نہیں تھی کال بیل کی آواز پہ وہ جو تقریباً تیار ہو چکی تھی ساڑھی کا پلو شانے پہ ڈالتی دونوں ہاتھوں سے سلکی بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں جکڑتے ہوئے

دروازے تک آ گئی تھی چونکہ قوی گمان ظہیر کا تھا سو بنا پوچھے ہی دروازہ کھول دیا۔ مسٹرڈ چست جینز پہ سلیولیس لائٹ براؤن اسٹائلش شرٹ میں وہ اسمارٹ سا لڑکا ایک پل کو محض اس کی گھبراہٹ کا باعث بنا تھا۔

"ہیلو ینگ پرینٹی بھابھی۔" اپنی چوڑی شفاف ہتھیلی مصافحے کے لئے آگے بڑھاتے وہ ہشاش بشاش کھنک دار لہجے میں بولا۔ تو ثنا بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹیں۔ بغور اس کا جائزہ لینے پہ مجبور ہو گئی تھی یونانی دیوتاؤں سے نقوش سے سجا سرخ سفید مغرور چہرہ جدید اسٹائل کا ہیئر کٹ اور فریش شیو کی نیلاہٹ اس کی خوبصورتی کو مزید چار چاند لگا رہی تھی۔

"ارے کیسے دیکھ رہی ہیں بھابھی کیا واقعی نہیں پہچانا آئی ایم شجاع فرام لنڈن۔" اس کے انداز سے چونکتا ہوا وہ ہنس کر تعارف کرواتا ہوا بولا تو ثنا خجل سی ہو کر دروازے سے ہٹ گئی تھی۔

"آیئے پلیز۔"

"تھینکس فار دس آنز پہلے کیا واقعی نہیں پہچانا تھا۔" وہ آہستگی سے ہنستا ہوا بولا تو ثنا ایک بار پھر خجالت سے سرخ پڑی تھی اب وہ اسے کیا بتاتی کہ پہچان تو وہ اسے پہلی نگاہ میں گئی تھی بس اچانک خواب نگر کے باسی کو روبرو پا کے یقین نہ کر پا رہی تھی۔ آیا وہ واقعی وہی ہے۔

"بھائی جان کہاں ہیں۔" وہ چلتا ہوا اچانک تھم کر بولا تو وہ جو اپنے دھیان میں گم پیچھے چلی آ رہی تھی بے ساختہ اس سے ٹکرا گئی۔

"ارے ارے سنبھل کے بھابھی۔" وہ اسے شانوں سے تھام کر بولا جب کہ ثنا کے پورے وجود میں اس کے لمس نے جیسے شرارے بھر دیئے تھے اس کے ہاتھ جھٹکتی تیزی سے فاصلہ بڑھا گئی۔

"سوری۔" وہ اس کے بے تحاشا سرخ چہرے پہ گہری نگاہ ڈالتا ہوا بولا تو ثنا سر جھٹک کر تیزی سے اندر چلی گئی۔

ظہیر کو بھائی کی آمد بہت بھائی تھی وہ پہلے سے زیادہ خوشی اور کھلا کھلا دکھائی دینے لگا تھا اس رات انہوں نے اپنی اینوسرسری تو بھلا کر شجاع کی آؤ بھگت کی تھی اور اس سے باتوں میں وقت گزرنے کا جیسے احساس ہی نہ رہا تھا رات دو بجے جب وہ اپنے بیڈروم میں آیا تو ثنا بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اسد کو تھپک رہی تھی لبوں پہ ایک دلکش مسکان تھی جس نے اس کے پورے چہرے کو لپیٹ میں لے کر حسین تر بنا دیا تھا۔ وہ نگاہ نہ چرا سکا چلتا ہوا قریب آ گیا۔

"آئی ایم سوری فار دیٹ ثناء آئی ایم شیور کہ تم نے مائنڈ کیا ہو گا۔" اس کے پاس بیٹھتے ہوئے وہ قدرے پشیمانی سے بولا تب وہ اپنے خیالات سے چونکتے ہوئے سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"سوری فار واٹ۔"

"ہم نے آج اپنا پروگرام۔"

"اوہ کم آن ظہیر ڈونٹ مائنڈ۔" مسکرا کر کہتی وہ ظہیر کو ایک پل کو متحیر کرنے کے بعد ریلیکس کر گئی اس نے یہ نہیں سوچا تھا اپنی ذات کو ہر شے سے زیادہ اہمیت دینے والی ثنا نے اس اہم اور خاص دن پہ کیونکر اس قسم کی فیاضی کا مظاہرہ کیا۔ اگر شک کرنا اس کی فطرت میں شامل ہوتا تو شاید وہ اسی پل ٹھٹھک جاتا غور کرتا ایسا کیوں ہوا تو شاید نوبت وہاں تک نہ پہنچتی جہاں پہنچی تھی پھر ہر گزرتا دن ثنا کے مزاج میں تبدیلی لاتا چلا گیا شوخ چنچل تو وہ پہلے بھی تھی مگر ان دنوں تو گویا اس کی ہنسی کی جلترنگ سے در و دیوار گنگناتے تھے شجاع شوخ مزاج لاابالی اور کھلنڈرا نوجوان ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کا بے تکلف اور

بذلہ سنج بھی تھا ثنا کے ساتھ اس کی فرینک نیس ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہی تھی شجاع آیا تو چند دن کے قیام کے لئے تھا مگر پھر اس نے ظہیر کے ساتھ بوتیک جانا شروع کر دیا۔

''تم کب واپس جا رہے ہو؟'' اس روز صبح ناشتے کی ٹیبل پہ ظہیر نے اس سے پوچھا تھا۔

''نہیں اب نہیں جا رہا میرا دل یہاں لگ گیا ہے۔'' ثنا کے ہاتھ سے مکھن لگا سلائس لے کر بڑا سا نوالہ توڑتے ہوئے اس نے مخصوص قسم کے لاپرواہ انداز میں جواب دیا تھا۔ ظہیر نے ایک نگاہ ثنا کے مسکراتے حسین دلکش چہرے پہ ڈالی اور نگاہ پھیر لی اب اس نے ایک خاموش سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اب ثنا کی تمام تر توجہ کا مرکز شجاع ہی ہوا کرتا تھا۔ وہ سامنے ہوتے ہوئے بھی گویا سامنے نہیں ہوا کرتا تھا۔

''دل لگنے کی وجہ بھی بتا دو تا کہ ہم اسے تھرو پراپر طریقے سے گھر لے آئیں۔'' اپنے لئے خود چائے کپ میں نکال کر سپ لیتے ہوئے ایک بار پھر ثنا کو دیکھا جس کے چہرے پہ ایک تاریک سا سایہ لہرا کر معدوم ہوا تھا۔

''ارے ابھی ایسی بات نہیں ہوئی بھائی بس ہمارا دل تو اپنے کامریڈ سے لگا ہے۔'' اس نے پیار بھری نگاہ سے ثنا کی گود میں سوئے اسد پر ڈالی اور زور سے ہنس پڑا۔ ظہیر نے بغور بھائی کے خوبصورت اور وجیہہ چہرے کو دیکھا تھا اس میں ایسا کوئی غیر معمولی تاثر نہیں تھا جو اسے چونکاتا اسے اپنے شبہ پہ اپنے انداز کے مشکوک پن پہ تاسف ہوا۔ ثنا بھی بالکل نارمل تھی وہ سر جھٹکتا ہوا اٹھ گیا۔

''تو مجھے محض غلط فہمی ہوتی ہے ورنہ میرا بھائی ایسا نہیں اور ثنا وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔'' بیڈروم میں آ کر بریف کیس اٹھاتے ہوئے اس نے خود کو بے حد ریلیکس محسوس کیا ورنہ رات جب وہ ثنا کے انتظار میں جاگتا ہوا بے زار ہو چکا تھا تب ثنا نے بارہ بجنے کے بعد کمرے میں قدم رکھا تھا۔

''اوہ تھینکس فار دس آنر میم کہ آپ کو یاد تو آیا کہ آپ کا شوہر نامدار بھی آپ کا منتظر ہو سکتا ہے۔''

اس کی نازک کلائی ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ بہت فریش موڈ میں بولا تھا کچھ دیر قبل کی بے قراری اسے دیکھتے ہی غائب ہو چکی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے مکھن لگانے کی اور سوری فار دیٹ کہ اس وقت میں بہت تھکی ہوئی ہوں آپ کا دل بہلانے کی بجائے صرف سونا چاہتی ہوں۔'' اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑاتی وہ اتنی بے زاری اور رکھائی سے بولی تھی کہ ظہیر کے توہین سے سرخ چہرے پہ نگاہ ڈالے بغیر اس کے احساسات کا خیال کیئے بغیر کمبل میں چہرا چھپا گئی جب کہ ظہیر کتنی دیر تک گم صم رہا تھا ثنا کے رویئے کی اس تبدیلی کو وہ کئی دنوں سے محسوس کر رہا تھا۔ شجاع پہ وہ شک کر ہی نہیں سکتا تھا مگر ثنا کی اس پہ حد سے بڑھتی ہوئی توجہ اسے چونکا گئی تھی ایک عجیب سی توہین کا احساس اس کے اندر جاگا تھا بالکل غیر محسوس انداز میں سہی مگر وہ ثنا کے مزاج کی تبدیلیوں کو محسوس کر رہا تھا اب وہ اس سے لاتعلقی اور بے نیازی برتتی تھی نہ اب وہ اسے آفس کے لئے تیار ہونے میں مدد دیتی تھی نہ اسے چھوڑنے پورٹیکو تک جاتی وہ کیا کھاتا ہے کیا پہنتا ہے کیا کرتا ہے اسے پرواہ نہیں رہی تھی وہ شک نہیں کرتا تھا مگر اب یہ سب کچھ محسوس کر رہا تھا پھر اس وقت ثنا نے جس انداز میں اسے جھٹکا تھا جس طرح اس کی توہین کی تھی اس کے دل و دماغ میں انگارے چٹخنے لگے تھے لب بھینچے پھر جیسے کچھ سوچ کر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے

سے کمبل ہٹا دیا نائٹ بلب کی ہلکی روشنی میں بھی اس کے چہرے کے غصیلے تاثرات کو عیاں کر رہی تھی۔

''اب کیا ہے؟'' اس کا انداز بے حد عجیب تھا۔

''میرا خیال ہے موڈ اس لئے زیادہ خراب ہے کہ تم بہت تھک چکی ہو یار میں نے کہا بھی ہے نہ اتنے کام کیا کرو۔'' وہ بدمزگی نہیں چاہتا تھا جبھی نرمی سے کہا تھا۔

''تو پھر۔''

''تو پھر یہ کیا میں تمہارے لئے کل وقتی ملازمہ کا انتظام کر دیتا ہوں۔ مگر مجھے اپنی ڈیئر وائف فریش ہی نہیں خوش اخلاق اور رومینٹک موڈ کے ساتھ چاہیے اوکے۔'' پیار بھرا لہجہ ہر قسم کی ناراضگی سے پاک تھا ثنا نے ایک نگاہ اسے دیکھا تھا اور محض سر ہلا دیا تھا۔

ظہیر نے گھر کے لئے کل وقتی ملازمہ کا انتظام بھی کر دیا مگر ثنا کے موڈ میں ذرا بھی فرق نہ تھا وہ ابھی بھی ویسی ہی تھی بے زار بد لحاظ اور اکتائی ہوئی اگر وہ روٹھی ہوتی تو ظہیر اسے منا لیتا پھر ایسا ہوتا بھی تب اگر وہ شجاع کے لئے ابھی ویسی ہوتی! اس کے لئے تو وہ یکسر مختلف تھی شجاع کے گھر میں آتے ہی وہ کوئل کی طرح کوکتی تھی اس کی آنکھوں کی چمک ہونٹوں کی مسکان اور کنکھتا ہوا لہجہ اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیتا۔

''آجایئے بھائی جان! کھانا لگ گیا ہے گرما گرم چکن بریانی اور قورمہ ساتھ میں سلاد بھی ہے اور فروٹ ٹرائفل بھی۔'' شجاع چیخ چیخ کر اسے پکار رہا تھا۔

''اوہ رئیلی شکر ہے بیگم صاحبہ کو ہمارا خیال تو آیا۔'' ہاتھ دھو کر ٹاول سے صاف کرتا ہوا چاولوں کی ڈش ٹیبل پہ رکھتی ہوئی ثنا کو دیکھ کر مسکرایا۔

''آپ کی پسند جناب یہ تو خالصتاً ہمارے لئے ہے میں نے کہا تھا ثنا سے نہیں یقین تو پوچھ لیں۔'' شجاع نے شوخ سے لہجے میں جتا کر کہا تو ظہیر کے لبوں کی مسکان پل بھر میں غائب ہوئی تھی۔

پچھلے دو تین دنوں سے وہ بھی ثنا سے اسی مینو کا کہتا رہا تھا اور ثنا ہر بار مصروفیت کا بہانہ کر کے ٹال رہی تھی۔

''آپ شروع کریں نا بھائی ورنہ سب کچھ میں اور ثنا ہی چٹ کر جائیں گے۔'' وہ اپنی پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے اس کی گہری چپ کو توڑ گیا۔

''تم ثنا کو بھابھی کیوں نہیں کہتے۔'' ظہیر نے اپنی ناگواری چھپا کر نارمل لہجے میں گویا جتایا تھا۔

''میں تو بھابھی ہی کہتا تھا آپ کی بیگم کو ہی اعتراض ہوا تھا بقول ان کے میں ان سے بڑا ہوں اور مجھے ان کا نام لینا چاہیے۔'' مزے سے وجہ بتا کر وہ گویا بری الزمہ ہوتا قدرے شوخی سے بولا تھا۔

''ویسے بھائی سچ سچ بتائیں ثنا جتنی ینگ اور کم عمر نظر آتی ہے سچ مچ اتنی ہی ہے یا پھر.....'' فقرہ ادھورا چھوڑ کر وہ شوخ نگاہوں سے ثنا کو دیکھنے لگا۔ ظہیر نے خاموش نگاہ لاتعلق انداز میں بیٹھی ثنا پہ ڈالی اور کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ کھانے سے اس کا دل ایک دم اچاٹ ہوا تھا۔ شجاع اسے پکارتا رہ گیا مگر وہ اگنور کیئے اپنے کمرے میں چلا آیا۔

''آخر اس میں حرج کیا ہے۔'' ثنا کے کمرے میں آنے کے بعد اس کے اعتراض پہ ثنا ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔

''یہ اعتراض مجھے پسند نہیں اور جو مجھے پسند نہیں وہ تمہیں نہیں کرنا بھی۔'' اس کا لہجہ دو

ٹوک اور قطعیت لئے تھا۔ ثنا لب بھینچے اس کے مشتعل انداز کو دیکھتی رہی پھر جھٹکے سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

کتنے دن اس نے منہ پھلائے رکھا۔ ظہیر نے ایک دو بار پیش رفت کی بھی مگر اس کی برہمی کو دیکھتے ہوئے چپ سادھ لی۔ اگلا جھٹکا اسے اس روز لگا تھا جب اس نے ثنا کو اس جگمگاتی ہوئی گرین ساڑھی میں دیکھا۔

''ہو گئے نا مبہوت مجھے یقین تھا یہی حشر ہونے والا ہے آپ کا اسی لئے تو میں یہ ساڑھی لایا تھا ثنا کے لئے اس پہ یہ کلر سوٹ کرتا ہے آئی نو۔'' ثنا کو فل تیاری کے ساتھ دیکھ کر وہ واقعی ٹھٹھکا تھا مگر اس لئے نہیں وجہ تو کچھ اور تھی اس کی ناراضگی دور کرنے کو ہی تو وہ اس روز اپنی بوتیک کا سب سے مہنگا اور اسٹائلش ڈراک گرین سوٹ لایا تھا جس کی شرٹ پہ سلور اسٹون اور انتہائی نفیس ستاروں کا جال تھا دوپٹے کے پلوؤں پہ بھی وہی کام جھلملا رہا تھا تب ثنا نے کس قدر نخوت سے کہہ ڈالا تھا۔

''سوری یہ کلر مجھے پسند نہیں۔''

اور اب اس نے شجاع کی پسند یہ یہی کلر پہن لیا تھا اور کس قدر جچ رہی تھی بلاشبہ شادی کے بعد اور بچے کی پیدائش کے بعد وہ اور بھی زیادہ حسین ہو گئی تھی اس قدر کہ اس پہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔

''اب نظر لگائیں گے بھائی بس بھی کریں۔''

شجاع کی لطیف سی شرارت بھری ہنسی اسے سنبھلنے پہ مجبور کر گئی۔ کچھ کہے بنا وہ آگے بڑھا تھا اور صوفے پہ پڑا ریموٹ کنٹرول اٹھا کر یونہی ٹی وی آن کر دیا اس کا ذہن تناؤ کا شکار تھا وہ بے حد ڈسٹرب ہو چکا تھا۔ شجاع کی چہکاریں ثنا کی ہنسی کی آواز اس کی ذہنی کرب کو مزید بڑھاوا دے رہی تھی۔ وہ ریموٹ پھینکتا ہوا اٹھا اور تیز قدموں سے چلتا بیڈ روم میں آ گیا اس مصروف زندگی میں پہلی بار اس نے سگریٹ نوشی کی تھی۔

''دیکھا میں نے کہا تھا تم شادی کے چار چھ سال بعد بھی موٹی نہیں ہو گی ظہیر کی محبت تمہیں ہمیشہ جوان اور خوبصورت رکھے گی دراصل میرا بھائی ہے ہی اتنا ڈیسنٹ کہ تمہیں بہت سفیت کر بہت پیار سے رکھے گا۔'' آپا فون پہ اس سے مخاطب تھیں اور وہ بس مسکرائے گئی۔

''میرا بھائی اچھا ہے بلکہ بہت اچھا شجاچ البتہ بگڑا ہوا ہے ویسے میں سوچ رہی ہوں اب اس کی شادی کر دیں۔''

''ہوں۔'' اس نے بے خیالی میں ہنکارا بھرا اور مزید چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔

''کس کا تھا؟'' شجاع نے جو اسی وقت آیا تھا۔

''شاہینہ آپا کا۔''

''کیا کہہ رہی تھیں۔'' وہ جیسے یونہی بات کرنے کی غرض سے پوچھ گیا۔

''تمہاری شادی کی بات کر رہی تھیں کہ اب ہو جانی چاہیے۔'' اس کے چہرے کو بغور دیکھتی وہ گویا اس کے تاثرات نوٹ کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

''اوہ گڈ آئیڈیا شکر ہے انہوں نے سوچا تو ورنہ میں خود بات کرتا۔'' دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کر نیم دراز ہوتا ہوا وہ ثنا کو شاکڈ کر گیا۔ ورنہ اس سے قبل جب بھی اس سے شادی کی بات کی گئی تھی وہ ہمیشہ ٹال گیا تھا اور اس ٹال مٹول کو ثنا نے بہت غلط رنگ میں لیا تھا۔ جس انداز میں اور جس نگاہ سے اس نے شجاع کو دیکھا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ بھی اس کے متعلق ایسا ہو سوچتا ہو گا وہ اسے بتا رہا تھا کہ ظہیر کی طرح اسے بھی کوئی لڑکی

اچانک اتنی بھاگی ہے کہ وہ خود کو اس کے بغیر ادھورا محسوس کرنے لگا ہے اور بہت جلد شادی کا خواہاں ہے ثنا سے مزید نہیں سنا گیا بلکہ مزید کچھ سننے کی اس میں برداشت نہیں تھی وہاں سے اٹھی تو اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا۔

اگلے دو تین دن وہ بہت بری طرح سے ڈسٹرب رہی وہ بہت ڈس ہارٹ ہوئی تھی ایک شادی شدہ عورت ہوتے ہوئے بھی وہ کسی غیر مرد کی محبت میں مبتلا ہوگئی تھی یہ بات اسے زیب دیتی تھی یا نہیں اس پہ اس نے غور ہی نہیں کیا تھا اور وہ مرد بھی کوئی اور نہیں اس کے شوہر کا بھائی تھا خود کو کاموں میں الجھا کر وہ اپنے دکھ کو کم کرنے اور خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی ان دنوں ظہیر بوتیک پہ بے حد مصروف رہنے لگا تھا لیٹ نائٹ گھر آتا تھا آج بھی کال بیل کی آواز پہ وہ سستی سے دروازہ کھولنے کو اٹھی تھی اسید سو چکا تھا اور خالہ بی یقیناً اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ اس کا خیال تھا ظہیر ہوگا مگر دروازے کے باہر شجاع کو دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو چپ ہی ہوگئی کہ جب سے اس نے کسی انجان لڑکی کے متعلق اپنی شدتوں سے اسے آگاہ کیا تھا وہ اندر سے کچھ بجھ سی گئی تھی جبھی دروازہ یونہی کھلا چھوڑ کر واپس پلٹ گئی۔

''ثنا مجھے ایک گلاس پانی دو پلیز سر میں بہت درد ہے۔'' لاؤنج میں صوفے پہ گرتا ہوا وہ اسے پکار کر بولا تھا۔ ثنا نے پلٹ کر دیکھا بلیک چست جینز پہ موو کلر کی شرٹ پہنے اس کا انتہائی ڈیشنگ سراپا نگاہوں کو بے حد بھلا محسوس ہو رہا تھا۔

''تھینکس۔'' وہ پانی لے کر واپس آئی اور چپ چاپ گلاس آگے کر دیا۔ شجاع نے گلاس لیتے ہوئے بغور اسے دیکھا تھا۔ ثنا ٹھٹھک سی گئی اس گہری اندر تک اترتی ہوئی نگاہ پہ۔

''سنو۔'' وہ جیسے ہی پلٹی اس کی بھاری آواز پہ بے ساختہ رکی گلاس واپس کرتے ہوئے اس نے ثنا کا ہاتھ اپنی گرفت میں جکڑا تھا۔

''یہاں بیٹھو میرے پاس کچھ بات کرو۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے زبردستی گھسیٹ کر اسے اپنے پہلو میں گرا لیا۔

''تت..... تم نے ڈرنک کی ہے شجاع۔'' وہ جو جرأت کے اس مظاہرے پہ حواس باختہ ہوئی تھی اس کے منہ سے اٹھتے تیز بو کے بھبکے سے سراسیمگی کی انتہاؤں کو چھونے لگی۔

''تمہارے بال اتنے خوبصورت ہیں انہیں باندھا نہ کرو۔'' اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں میں جکڑا کیچر نکال کر دور اچھال دیا۔ ثنا کے لچکدار ریشمی بال پل بھر میں اس کے شانوں اور گردن کے گرد بکھر کر جھولنے لگے۔

''شجاع یہ..... یہ کیا کر رہے ہو۔'' وہ پہلے ہی گھبراہٹ کا شکار تھی اس سے اپنا آپ چھڑاتی سخت روہانسی ہوگئی۔

''تمہارے ہاتھ کتنے حسین ہیں تمہاری آنکھیں بہت قاتل ہیں۔ آج ان میں ڈوب مرنے.....''

''شجاع چپ ہو جاؤ پلیز۔'' وہ بلک اٹھی تھی مزاحمت کی کوشش میں ہار کر وہ مکمل طور پہ نشے میں دھت تھا۔

''کیوں چپ ہو جاؤں۔ کیا تم مجھے پسند نہیں کرتیں میری وجہ سے تم بھائی کو اگنور نہیں کر رہیں میرے آگے پیچھے پھرنے کا اور کیا مقصد تھا تمہارا۔'' وہ اس کے نرم و نازک سراپے کو بازوؤں کے تنگ گھیرے میں لیتے مجنونانہ انداز میں چیخا اس قدر وحشت سے کہ ثنا کو اپنی سماعتیں بے کار ہوتی محسوس ہوئیں وہ دانستہ اس کے ساتھ یہ سب کر رہا تھا اور جو کرنے جا رہا تھا وہ اتنا غلط تھا کہ ثنا کو اپنی روح حلق میں اٹکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"چھوڑ دو ورنہ ....."

"ورنہ کیا کرو گی تم کیا کر سکتی ہو۔" وہ جنونی
کی مجنونانہ انداز میں چیخا تھا۔ ثنا غم و غصے اور شدید
قسم کے رنج سے جیسے پاگل ہوتی جا رہی تھی آخری
حربے کے طور پر اس نے جھک کر اس کے بازو
میں دانت گاڑھے تھے وہ جیسے اس سے اس حملے
کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ بلبلا کر رہ گیا گرفت لمحہ بھر
کو ڈھیلی ہوئی تھی اس ایک پل کو غنیمت جانتے
ہوئے وہ پوری طاقت صرف کرتی ہوئی ماہی بے
آب کی مانند مچل کر اس کے حصار سے نکلی اور
اندھا دھند باہر کی سمت بھاگی تھی دروازے سے
نکلتے ہوئے وہ اپنی دھن میں اندر آتے ظہیر سے
بری طرح ٹکرا کر گرنے جا رہی تھی جب ظہیر نے
بڑی سرعت اسے بازوؤں میں سنبھال لیا۔ ظہیر کو
سامنے پا کر وہ خود پہ قابو نہ رکھتے ہوئے اس سے
لپٹ کر زور زور سے روتی ہوئی شجاع کا کارنامہ
سناتی چلی گئی۔ شجاع کا نشہ پل بھر میں ہرن ہوا تھا
فق ہوتے چہرے سمیت اس نے ثنا کی سمت دیکھا
تھا جو بری طرح سے بلک رہی تھی۔ ظہیر کے چہرے
پہ نگاہ ڈالتے ہی شجاع کا ذہن تاریک ہونے لگا
تھا۔

ثنا سر جھکائے ظہیر کے سامنے بیٹھی تھی اس کا
چہرہ مکمل طور پہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا جب کہ
آنکھیں بے تحاشا سرخ تھیں۔ ظہیر آج پورے
تین دن بعد کمرے سے نکلا تھا اس کی خطرناک
قسم کی خاموشی یقیناً کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ
ثابت ہونے والی تھی ثنا کو اپنا دل طوفان کی زد پہ
آئے پتے کی مانند ڈولتا کانپتا ہوا محسوس ہو رہا تھا
اور اب اسے سامنے پا کر وہی دل سکڑ سہم کر جیسے
کے کسی کونے کھدرے میں دبک کر اس طرح بیٹھا
تھا کہ دھڑکنا بھی بھول گیا تھا وہ گم ہوتے حواسوں
سمیت اپنی زندگی کا فیصلہ سننے کی منتظر جیسے سانس
روکے بیٹھی تھی پھر وہ منتظر ہی رہی تھی کہ ظہیر بنا
کچھ کہے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ ثنا کو اپنا
دل اندر گہرائیوں میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا ظہیر کا
کوئی بھی ایسا ویسا قدم اس کی زندگی کی راہوں کو
کٹھن بنا سکتا تھا۔ وہ حیران تھی وہ ایک عامیانہ
سوچ اور نفس کی غلام کب سے ہو گئی تھی کہ محض
ایک خوبصورت مردانہ وجاہت کے مالک شخص کو
دیکھ کر اس سے غلطی پہ غلطی سرزد ہوتی چلی گئی ظہیر
کی محبت اس کی اولاد اس کا گھر اور سب کچھ، کچھ
بھی اسے دکھائی نہ دیا ایک پل تھا بہکاوے کا جو
خطرناک نتیجے سمیت اس کے سامنے تھا شجاع اسی
دن سے غائب تھا اور وہ ثنا کا دل نفرت کے شدید
احساس سمیت سکڑا وہ اتنا سطحی سوچ کا مالک تھا
کہ اس حد تک جا گرا اور اس روز اگر ظہیر وقت پہ
نہ آ جاتے تو یہ تصور ہی اسے لرزا جاتا تھا ہاں
بلاشبہ غلطی پہلی اس کی تھی اس کی ذرا سی توجہ سا
التفات شجاع کو اس حد تک لے جانے میں
مددگار ثابت ہوا تھا اسے یاد آیا۔ دادو کہا کرتی
تھیں کسی مرد کی جرأت اس وقت تک کبھی نہیں
بڑھتی جب تک عورت اسے کوئی اشارہ نہ دے
عورت کو اپنے گرد ایسا نادیدہ حصار کھینچ لینا چاہیے
جو ہر مرد کو اس سے فاصلہ رکھنے اور اس کی عزت
کرنے پہ اکساتا رہے۔ قرآن حکیم میں رب تعالیٰ
نے خواتین کو غیر مردوں سے سخت لہجے میں بات
کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ مردوں کے دلوں میں
ان عورتوں کے لئے کوئی برائی پیدا نہ ہو سکے تو یہی
ہے وہ نادیدہ حصار جو عورت کی حفاظت کرتا ہے
وہ کیونکر بچپن کے پڑھائے گئے ان اسباق کو
فراموش کر گئی۔

حدیث شریف میں دیور بھابھی کے رشتے
کو آگ کی طرح خطرناک قرار دیا گیا ہے اور
جب کوئی بھی کام اللہ کی مقرر کردہ حدود سے نکل
کر ہونے لگیں تو پھر اس قسم کے نتائج سامنے آتا

کرتے ہیں اس کی آنکھ کھل تو گئی تھی مگر کچھ دیر سے اب نہ جائے اس کا انجام کیا ہونے والا تھا سارا دن وہ ظہیر کے انتظار میں بولائی ہوئی پھرتی رہی شام ڈھلے وہ واپسی آیا تو اس سے کوئی بات کیئے بغیر ایک بار پھر کمرے میں گھس گیا وہ سہمے ہوئے انداز میں وہیں لاؤنج میں بیٹھ گئی تھی کال بیل کے جواب میں دروازہ خالہ بی نے کھولا شجاع تھا اس نے نفرت کے شدید احساس سمیت منہ پھیر لیا اسد کو اٹھایا اور کمرے سے نکل آئی۔ ظہیر دروازے پہ کھڑا تھا اس کے قدم جیسے شرمندگی کے احساس سمیت من من بھر کے ہو گئے۔

''آپ نے بلایا بھائی!'' شجاع اس سے نگاہ ملائے بغیر بات کر رہا تھا۔

''یہ تمہارا ٹکٹ ہیں اور یہ پاسپورٹ اس گھر سے اپنا سامان لو اور دس منٹ کے اندر کبھی یہاں قدم نہ رکھنے کے لئے چلے جاؤ۔''

چار دنوں بعد اس گھر کے در و دیوار نے اس کی آواز سنی تو یکسر بدلی ہوئی آواز تھی بے حد سخت اور سرد سرد سی۔

''اوکے فائن آپ نہ بھی کہتے تو مجھے جانا تھا۔'' ظہیر کے پھینکے گئے پاسپورٹ اور ٹکٹ اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے وہ نارمل لہجے میں بولا تھا اس کے کسی انداز سے کسی قسم کی کوئی شرمندگی یا خجالت نہیں چھلکی تھی جو اس کی ڈھٹائی اور بے غیرتی کی مظہر تھی وہ اندر گیا تھا کچھ دیر بعد بیگ سمیت لوٹا تو ظہیر صوفے پہ بیٹھا سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔

''بھائی آپ نے کیا سوچا ہے؟''

''دس از مائی پرسنل میٹر یو گو۔'' ضبط کی سرخی سے دہکتے چہرے سمیت وہ ایک ایک لفظ چبا کر کہتا ہاتھ سے دروازے کی سمت اشارہ کر کے چٹخا تھا۔ شجاع نے ایک نگاہ اس کے بے تحاشا سرخ چہرے کو پھر ثنا کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا تھا پھر کندھے اچکا کر ایڑیوں کے بل گھومتا ہوا مضبوط قدم اٹھاتا کمرے سے نکل گیا۔ تب ظہیر جو اب بھیچے ضبط کی آخری منزل پہ تھا میز کو ٹھوکر رسید کرتا ہوا اپنے بیڈ روم میں جا گھسا اور دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا تھا۔

پھر ثنا نے ہر ممکن طریقے سے اسے منانے کی سعی کر ڈالی تھی مگر وہ اس پتھر کو موم نہیں کر سکی تو تھک ہار کر سب کچھ قسمت پہ چھوڑ کر بیٹھ گئی کہ آخری کوشش میں جب وہ اس کی پشت پہ سر ٹکا کر روتی ہوئی معافی کی طلبگار ہوئی تو ظہیر نے اسے نفرت زدہ انداز میں جھٹکتے ہوئے بھیچے ہوئے لہجے میں جو دھمکی دی تھی وہ اس قدر سنگین تھی کہ وہ دوبارہ یہ غلطی کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکی اسے آج بھی یاد تھا اس نے ہونٹ سکیڑ کر نفرت سے کہا تھا۔

''تم جیسی عورت کو اگر میں برداشت کر رہا ہوں تو صرف اس لئے کہ غلطی سے یا بدقسمتی سے تم میرے بیٹے کی ماں بن چکی ہو ورنہ جتنی نفرت مجھے تم سے ہے پہلی فرصت میں تم پہ دو حرف بھیج کر یہاں سے دفعان کرتا۔''

''مما آپ رو رہی ہیں؟'' اسد کی ننھی منھی آواز پر وہ گھبرا کر آنسو صاف کرنے لگی۔

''مما کیوں رو رہی ہیں؟'' اب وہ اس کے سامنے کھڑا اس کے آنسو پونچھ رہا تھا جانے کب وہ نیند سے اٹھ کر اس کے پیچھے تلاش کرتا ہوا یہاں آیا تھا وہ ماضی کے گرداب سے نکلتی اس کی سمت متوجہ ہو گئی۔

''کیا ہوا؟''

''مما، پاپا نے ڈانٹا ہے۔'' ثنا کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''نہیں بیٹے کچھ نہیں۔'' سر جھکا کر نفی کرتے

ہوئے اس کے اندر دکھ کر لانے لگے تھے کاش وہ لمحے وہ بغاوت کے لمحے وہ بہک جانے کی رت اس کے اندر سے کبھی نہ اٹھتی تو آج زندگی کس درجہ حسین ہوتی۔

''مما اندر چلیں نا یہاں کیسے سوئیں گے۔''

اسد اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ رہا تھا وہ بنا کوئی مزاحمت کیے کسی معمول کی طرح اس کے ساتھ اٹھ آئی تھی۔

''پاپا آپ ہمارے ساتھ نہیں چل رہے۔''

وہ بہت مگن سے انداز میں ٹائی کی ناٹ لگا رہا تھا جب اچھلتا کودتا اسد آ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹا۔

''مگر آپ کہاں جا رہے ہو مائی سن۔'' ٹائی پن سیٹ کر کے وہ مسکراتا ہوا اسد کی سمت متوجہ ہو گیا تھا۔

''نانو کے پاس، مما کہہ رہی ہیں بو کے ساتھ ہی جائیں گے پھر وہیں سے نانو کے ہاں۔ آپ بتائیے نا آپ چلیں گے۔'' اسد نے تفصیل سے آگاہ کرنے کے ساتھ ہی سوال دہرایا تھا وہ جو کچھ متحیر سا ہو کر خالی الذہنی کی کیفیت میں اسد کو دیکھنے لگا تھا۔ زہر خند سے ہنس پڑا۔

''تو گویا محترمہ اب فرار کے راستے اختیار کر رہی ہیں ڈیٹس گڈ۔'' برش ڈریسنگ ٹیبل پہ اچھال کر وہ اسد کا ہاتھ پکڑے باہر آ گیا۔

''آپ واپس جا رہی ہیں آپا اور مجھے بتایا تک نہیں۔'' ایک گہری نگاہ ثنا کے ستے ہوئے چہرے پہ ڈال کر وہ آپا کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

جو پتہ نہیں واقعی اخبار بینی کر رہی تھی یا پھر اسے دیکھ کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ وہ اخبار پڑھ رہی ہیں۔

''ہوں جا رہی ہوں اب تو پتہ چل گیا نا۔''

ان کی بے نیازی نقطہ عروج پہ تھی گویا ناراضگی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔

''رکیں نہ ابھی تو ہم نے آپ کو منایا پھر اور بھی نہیں میں بو تیک سے چھٹیاں.....''

''اس کی ضرورت نہیں مجھے خوش کرنے کی بجائے اگر تم اپنے گھر اور گھر والی کو راضی رکھنے کی کوشش کرتے تو آج ثنا.....''

''آپا!'' وہ ہاتھ اٹھا کر فی الفور انہیں ٹوک گیا۔

''کبھی بھی کسی ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہیں دینا چاہیے آپ کو کچھ پتہ نہیں ہے۔''

اس کا لہجہ آپ ہی آپ احتجاجی ہو گیا تھا۔

''ہاں تو تم ہمیں اس قابل بھی سمجھو ثنا بیچاری.....''

''کوئی بیچاری نہیں ہے یہ آپ کو کیا پتہ کہ.....''

معاً اس کی نگاہ ثنا کے خطرناک حد تک سفید پڑتے چہرے پہ اٹھی تو لب بھینچتا ہوا بالکل خاموش ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ جھٹکے سے اٹھا تھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ بیڈروم میں آ کر بریف کیس موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھا کر اس جارحانہ موڈ میں پلٹا تو ثنا کے لرزتے کانپتے وجود سے ٹکرا گیا۔ اس نے جلتی نظروں سمیت اسے گھورا تھا۔

''ظہیر فار گاڈ سیک آپا کو کچھ نہیں بتائیں پلیز مم..... میں جا رہی ہوں نا اپنی تمام تر نحوست اور نافرمانی سمیت، ہاں مجھے اعتراف ہے کہ وہ ایک پل میری زندگی پہ سیاہی پھیر چکا ہے۔ مگر مزید ذلت سے مجھے بچائیں میں چلی جاؤں گی۔''

''اس جذباتی تقریر کی ضرورت نہیں اپنی تیاری کر رکھنا میں خود تمہیں ائیر پورٹ چھوڑ آؤں گا دفع ہو جانا یہاں سے میں خود اس روز روز کی ڈرامہ بازی سے تنگ آ گیا ہوں۔'' اس کے بندھے ہوئے ہاتھ بارش کی مانند برستی آنکھوں کی پرواہ کیئے بغیر وہ تندیں سے کہتا تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔ ثنا وہیں سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔

آپا رات کی فلائیٹ سے جا چکی تھیں انہوں

نے جاتے ہوئے کہا تھا۔
''مجھے نہیں پتہ کہ ظہیر کو کیا ہوا ہے اتنی محبت اور چاؤ سے تمہیں بیاہ لایا تھا اب تو ایسا پتھر ہوا ہے کہ کچھ سنتا ہی نہیں میں دعا کروں گی تمہارا گھر نہ اجڑے تم بھی دعا کرنا بہر حال جو خدا کرے بہتر کرے گا مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ اپنی آنکھوں سے تمہارا آشیانہ بکھیرتے دیکھوں۔'' اور حوصلہ تو اس میں بھی نہیں تھا۔ اس نے کچھ بھی نہیں سمیٹا تھا اسے کچھ بھی لے جانے کی ضرورت نہیں تھی اس کی غلطی کا خمیازہ عمر بھر اس کے ساتھ رہنے والا تھا اس نے محض پھینچ کیا تھا اور اسد کو نہلا کر کپڑے بدلوا دیئے تھے وہ ظہیر کی منتظر تھی آ کر جسے ہمیشہ کے لئے اس گھر سے نکال دینا تھا اور در و دیوار پہ حسرت زدہ نگاہ ڈالتی وہ ضبط کھو رہی تھی۔

صبح سے شام، شام سے رات ڈھل گئی ظہیر لوٹ کر نہ آیا اور جب وہ خوش فہمی میں گھر نے جا رہی تھی وہ چلا آیا۔ آتے ہی اسے آ کر گاڑی میں بیٹھنے کا کہا تھا اسے لگا جیسے وہ بیہوش ہو کر گر پڑے گی تو گویا وہ اسے معاف نہیں کر پایا اپنے ڈولتے وجود سمیت وہ آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ ظہیر نے اسے نہیں دیکھا وہ شاید اسے دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا وہ چپ چاپ آنسو بہاتی رہی ابھی کچھ دیر میں گاڑی ائیر پورٹ کی عمارت کے سامنے رکتی اور وہ طلاق نامہ اس کے ہاتھ تھما کر ہمیشہ کے لئے اس سے قطع تعلق کر لیتا اس کا دل ٹوٹ کر بکھر رہا تھا اس سے دائمی جدائی کا احساس اس کی آنکھوں سے زندگی کھینچ رہا تھا اس نے زندگی میں پہلی بار پوری شدتوں سمیت اس سفر کے کبھی نہ ختم ہونے کی دعا کی مگر اس کی یہ دعا بھی باقی تمام دعاؤں کی طرح آسمان پہ پہنچنے میں ناکام رہی گاڑی رک چکی تھی وہ اسے باہر آنے کا کہہ رہا تھا اور پھر سب کچھ ختم ہو جاتا اس کا جی چاہا وہ مر جائے کیا وہ ظہیر کے بغیر خوش رہ پائے گی۔ ظہیر کو شاید زیادہ ہی جلدی تھی جبھی تو اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے باہر نکال دیا تھا یقیناً وہ اس سے جلد از جلد نجات چاہ رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی اتنی دھند تھی کہ وہ کچھ دیکھ نہ سکی سب کچھ انا اور نفرت ہی نہیں ہوتی بلکہ نفرت اور انا جہاں ہو وہاں خوف خدا اور محبت نہیں ہوتی درگزر معاف کرنے کی خوبی بھی وہاں نہیں رہتی۔

''مجھے بہت غصہ تھا نفرت تھی تم سے مگر پھر میرے خدا نے مجھے ایک راستہ دکھایا معافی کا راستہ اعلیٰ ظرفی کا راستہ جس پہ چل کر میں اپنے آپ کو اپنے گھر اور بچے کو بچا سکتا تھا اپنے رب کو راضی کر سکتا تھا کیونکہ اسے معاف کرنے والے پسند ہیں گو کہ یہ بہت ہمت حوصلے اور ضبط کا کام تھا مگر جب چاہے تو ہر منزل آسان ہو جاتی ہے میں نے بھی تمہیں معاف کیا ہے اسی رب کی وجہ سے جو چاہے تو دلوں میں وسعت ڈال دے آؤ تم ائیر پورٹ نہیں اپنے گھر پہنچی ہو یعنی اپنی صحیح منزل پہ۔'' اس کا ہاتھ پکڑے جھک کر سرگوشی کرتا ہوا وہ اسے صبح سے یکسر مختلف روپ میں نظر آیا اس پہ غیر یقین اور تحیر نے غلبہ پایا تھا وہ اس کے بازو سے لگ کر سسک اٹھی تھی۔ ظہیر کا ہاتھ جو اس کی کمر کے گرد حمائل تھا اس کے سر پہ تسلی کے انداز میں آن ٹھہرا طوفان کی زد پہ ہچکولے کھاتی ہوئی ناؤ کو بلا آخر کنارہ مل گیا تھا اور کنارے لگانے والی جو پاک ذات تھی ابھی اسے اس کے حضور شکرانہ ادا کرنا تھا اور ساتھ ہی عمر بھر کے لئے ہدایت کی دعا بھی جو اس نے ابھی تک نہ مانگی تھی حالانکہ ہمیں اپنی بھلائی کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی اپنی دعاؤں میں شامل کرنا چاہیے جس کا احساس ابھی ہمیں نہیں ہے ضروری ہے کہ ہم ٹھوکر کھا کر سنبھلیں ہمیں تجربے نہیں مشاہدے سے ہی سیکھنا ہے کہ اس میں ہی ہماری بقا ہے۔

☆☆☆

دعا کا کرشمہ

فرحت شوکت

"مجھے دعاؤں پر بالکل یقین نہیں ہے۔"
اس نے انتہائی تفاخر کے انداز میں شولڈر پر آئے بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے کہا تو وہ حیران کن نظروں سے اس کے حسین چہرے کو دیکھنے لگا۔

"یہ بھی کوئی بات ہے بھلا کہ ہر وقت ہاتھ پھیلائے انسان بس دعائیں مانگتا رہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ انسان اس قدر کمزور ہے کہ اسے اپنی ضرورتوں اور خواہشوں کی تکمیل کے لئے دعاؤں جیسے ان دیکھے وجود کا سہارا لینا پڑے۔ کسی بھی انسان کو کم از کم اتنا مضبوط ضرور ہونا چاہیے کہ وہ اپنی محنت اور عقل کی بناء پہ وہ سب کچھ حاصل کر سکے جو وہ چاہتا ہے۔"

"آر یو مسلم آہنہ؟" اس کے لہجے میں حیرت واضح تھی وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ دعا کے متعلق ایسے جذبات رکھتی ہے۔

"آف کورس۔" اس کے سوال پر اس نے فخریہ انداز میں اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلایا۔

"لیکن تم ایسا سب کیسے کہہ سکتی ہو جب کہ دعا تو مسلمان کے لئے ایک ایسی کڑی ہے جو اس کو اللہ سے قریب تر کر دیتی ہے۔"

"جب بن مانگے سب کچھ مل جاتا ہے سمعان تو کیا ضرورت ہے کچھ مانگنے کی، وہ بھی ہاتھ پھیلا کر۔"

اس کی بات پر اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا مگر وہ ضبط کر گیا اور تاسف سے سر ہلا کر بولا۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ آہنہ تم، تم مذہب کے بارے میں اتنا کمزور عقیدہ رکھتی ہو۔"

"میں نے مذہب کو تو کچھ نہیں کہا سمعان!" وہ عام سے انداز میں بولی۔

"دعا ہر مذہب کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے آہنہ۔"

وہ سمجھانے والے انداز میں بولا تو وہ اسے اکتا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

وہ اس کی اپنی جانب توجہ نہ پا کر مزید کچھ نہ کہہ سکا۔

"سمعان میں نے ماما سے تمہارا ذکر کیا تھا وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں۔" تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"پھر کب چلنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آج ہی گھر آ جاؤ ناں۔"

اس کے کہنے پر اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی۔ اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ اسے ابھی ایک ضروری کام کے سلسلے میں ارباز انکل کی طرف جانا تھا۔

"میں رات آٹھ بجے تک تمہارے گھر آ جاؤں گا۔" اس نے بتایا۔

"اوکے میں انتظار کروں گی۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"سمعان تم پاکستان جا رہے ہو؟"

جب سے اسے پتہ چلا تھا کہ وہ کل کی فلائٹ سے پاکستان جا رہا ہے اسے ایک لمحے کے لئے بھی چین نہیں آ رہا تھا اور اسی پریشانی کے عالم میں وہ اس کے فلیٹ آ پہنچی تھی۔

"ہاں آہنہ! کہ امی کی طبیعت بہت سیریس ہے اور وہ مجھے دیکھنا چاہتی ہیں۔" اس نے مزید بتایا۔

"ارباز انکل نے ہی میری سیٹ کنفرم کرائی ہے اور اب کل کی فلائیٹ سے مجھے پاکستان جانا ہے۔"

اس کی بات سن کر وہ ایکدم اداس دکھائی دینے لگی تھی۔

''میں تمہارے بغیر اتنے دن کیسے رہوں گی سمعان۔'' اس کی آواز میں واضح کپکپاہٹ تھی۔
اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔
''تم میری بہت اچھی دوست ہو اور یہ میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ ویسے بھی میں میرے سمسٹر شروع ہونے والے ہیں میں جلد آنے کی کوشش کروں گا۔''
اس کی بات پر وہ بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگی جسے کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہو۔ مگر اس کے چہرے پر ایک پرخلوص مسکراہٹ کے سوا وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکی۔

''تمہیں دیکھنے کو میری آنکھیں ترس گئی تھیں۔''
وہ جب سے پاکستان آیا تھا نجانے کتنی بار امی نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تھا اور وہ ان کی اس بات کے ردعمل کے طور پہ محض مسکرا کر رہ جاتا۔
''آپ کا فون ہے۔'' سامعہ نے فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
وہ فون لے کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔
''ہائے سمعان کیسے ہو؟'' اس کی آواز سنتے ہی اس نے فوراً پوچھا۔
''بالکل ٹھیک آہنہ تم سناؤ یونیورسٹی جا رہی ہو یا نہیں۔'' اس نے سوال کیا۔
''نہیں۔''
''کیوں؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔
''میرا دل نہیں چاہتا۔'' اس نے بیزاری کے عالم میں کہا۔
''لیکن تم تو بہت کم یونیورسٹی سے چھٹیاں کرتی ہو پھر.....''
''تم جلدی سے آ جاؤ سمعان۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر التجائیہ انداز میں بولی۔
''میرا یہاں بالکل دل نہیں لگتا اور اب میں تمہارے آنے پر ہی یونیورسٹی جاؤں گی۔''
''واٹ نان سینس آہنہ۔'' وہ اس کی بیوقوفی پر قدرے تیز آواز میں بولا۔
''تمہارا بہت حرج ہو گا کل تم یونیورسٹی لازمی جاؤ گی اوکے اور.....'' اس نے اس کی پوری بات سنے بغیر غصے سے فون بند کر دیا تو وہ کندھے اچکاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

اسے پہلی بار زندگی میں تنہائی کا شدت سے احساس ہوا تھا، ایک کمی سی تھی جس کے حصار سے وہ خود کو باہر نکال ہی نہیں پا رہی تھی۔
وہ اپنے کمرے سے نکلی اور ایک بھرپور نظر اپنے عالیشان گھر پہ ڈال کر قدم قدم پر سلیقے سے رکھی گئیں قیمتی اشیاء کو بغور دیکھتے ہوئے قریب ہی صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔
''ہنی بیٹا میں آفس جا رہی ہوں آج میری بہت اہم میٹنگ ہے میں رات دیر سے گھر آؤں گی تم میرا ویٹ مت کرنا۔''
وہ مصروف سے انداز میں اپنا پرس اور موبائل سنبھالتی ہوئی بولیں۔ جب کہ وہ غائب دماغی سے سر ہلا کر رہ گئی۔
''ایک منٹ ماما۔''
انہیں باہر نکلتا دیکھ کر وہ چونک کر ان کی طرف لپکی۔
''ماما مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ کچھ الجھی الجھی سی دکھائی دے رہی تھی۔
''کیا ہوا ڈیئر؟'' انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔
''ماما میں خود کو بہت اکیلا محسوس کرتی ہوں

میرا کہیں بھی دل نہیں لگتا۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔

"تم اپنی فرینڈز کی طرف چلی جایا کرو ناں اور تم نے یونیورسٹی بھی جانا بند کیا ہوا ہے۔ گھر میں رہ کر تو تم اپنے آپ کو ایسے....."

"نو ماما یہ بات نہیں ہے میں....."

"اچھا ٹھیک ہے تم ایک کام کرو تم تیار ہو کر یونیورسٹی جاؤ۔ مجھے بھی بہت دیر ہو رہی ہے میں بعد میں تم سے بات کروں گی اوکے۔"

وہ اس کے گال تھپتھپا کر آگے بڑھ گئیں تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ انہیں دونوں بازوؤں سے پکڑ کر روک لے اور چیخ چیخ کر بتائے کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے آج سے پہلے خود کو کبھی اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔

نجانے کتنے دن مزید وہ یونہی بیزار بیزار سی رہتی کہ اچانک اپنے سامنے سمعان کو دیکھ کر اس کی ساری کلفت دور ہو گئی۔

"مجھے یقین ہی نہیں آ رہا کہ تم آ چکے ہو سمعان۔"

اس کے چہرے اور لہجے سے چھلکتی خوشی کو دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"کہیں چلیں۔"

وہ جوش سے بولی تو اس نے آگے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

"سمعان میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

خوبصورت سے پارک کے ایک کونے میں رکھے سنگی بینچ پر بیٹھتے ہوئے وہ ایک جذب کے عالم میں بول رہی تھی۔

"میں تمہیں بہت چاہتی ہوں اور ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنے کی متمنی ہوں۔"

اس کی بات پر اس نے ایک نظر اس کی طرف تعجب سے دیکھا۔

اس کے چہرے پر قوس قزح کے رنگ بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں ایک الوہی جذبے سے چمک رہی تھیں وہ مزید اس کی طرف نہ دیکھ سکا اور نظر ہٹا لی۔

"بتاؤ سمعان تم بھی میرے لئے ایسے ہی جذبات رکھتے ہو ناں؟" اس نے ایک آس سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں آہنہ! میرے دل میں تمہارے لئے ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

اس کے الفاظ اس کے لئے بالکل اجنبی تھے۔ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر میری طرف سے تمہاری کوئی دل آزاری ہوئی ہے تو اس کے لئے میں بہت معذرت خواہ ہوں مجھے نہیں یاد کہ میں نے کبھی اپنی باتوں یا اپنے کسی انداز سے تم پر یہ واضح کرنا چاہا ہو کہ ہمارے درمیان دوستی سے بھی آگے کوئی رشتہ ہے۔" وہ انتہائی دھیرے دھیرے سے بول رہا تھا۔

"اٹس، اٹس اوکے سمعان۔" وہ اپنی آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"مگر اب تو تم میرے بارے میں سوچ سکتے ہو ناں۔"

"سوری آہنہ!" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

"میرا نکاح ہو چکا ہے میری کزن سے اور میں سمسٹر سے فارغ ہو کر ہمیشہ کے لئے پاکستان شفٹ ہو جاؤں۔"

"اسٹاپ دس نان سینس سمعان۔"

وہ مزید کچھ بولنے والا تھا کہ وہ چیخ پڑی۔

"میں نے تمہیں چاہا ہے سمعان عزیز اور آج تک میں نے جس چیز کی خواہش کی ہے وہ خود بخود میری دسترس میں آئی ہے تو ایسا کیسے ہو

سکتا ہے کہ تم مجھے نہ مل سکو۔"

"یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو آہنہ! ضروری تو نہیں ہے کہ انسان جو کچھ چاہے وہ اسے مل بھی جائے۔" وہ قدرے نرم لہجے میں بولا۔

"ضروری ہے، میرے لئے ضروری ہے کہ میں جو چاہوں وہ مجھے ملے اور تم، تم سمعان، تم بھی مجھے ملو گے میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ جب کہ اس کی بات سن کر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"تمہیں پتہ ہے آہنہ کہ سامعہ مجھے سے کتنے برسوں سے محبت کرتی تھی۔ میں بھی تمہیں جانتا تھا اور جب اس نے مجھے بتایا کہ اس نے اپنی دعاؤں میں اپنے رب سے مجھے کتنا مانگا ہے تو مجھے اتنا اچھا لگا کہ میں بتا نہیں سکتا اور پتہ ہے آہنہ میں سامعہ کو یا کہ کتنا خوش اور مطمئن ہوں کیونکہ میں نے اللہ سے ہمیشہ یہی دعا مانگی تھی کہ اگر میرے نصیب میں کسی کی ہمراہی ہے تو وہ اس کی ملے جس کی دعاؤں میں میرا ذکر ہوتا ہو اور تمہیں تو پتہ ہے آہنہ کہ میرا دعاؤں پہ کس قدر پختہ یقین ہے۔ میری بھی دعا پوری ہوئی ہے اور سامعہ کی بھی۔"

وہ تھوڑی دیر رکا پھر دوبارہ گویا ہوا۔

"چاہنے میں اور اللہ سے مانگنے میں بہت فرق ہے آہنہ اور یہ فرق تم نے کبھی نہیں سمجھا سب کچھ اگر بن مانگے مل جاتا ہے تو کچھ ایسا ضرور ہوتا ہے جو صرف مانگنے سے ملتا ہے۔ دعا ان دیکھا وجود تو ہے مگر جب قبول ہوتی ہے تو ایک ایسا انقلاب لاتی ہے کہ ہمارے وجود جو نظر آتے ہیں بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں اور آہنہ انسان بہت کمزور ہے دعا کے سامنے تو بالکل کمزور ہے جو چیز انسان کو مضبوط بناتی ہے وہ دعا ہے جس کو مانگنے کے بعد وہ خود کو اس قدر ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے کہ سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔"

"تم سامعہ کو پسند کرتے ہو؟"

وہ شاید اس کی باتیں غور سے نہیں سن رہی تھی تب ہی بے خیالی میں سوال کرنے لگی۔

"اور کب سے جانتے ہو اسے؟"

"وہ اب میری بیوی ہے اور میں اسے پسند کرنے لگا ہوں اور کب سے جانتا ہوں یہ مجھے نہیں معلوم کیونکہ میری اس سے بہت کم ملاقات ہوئی ہے۔ وہ اسلام آباد رہتی تھی اور میں لاہور، اس لئے بہت کم آنا جانا تھا لیکن وہ کہتی ہے کہ وہ مجھے اس وقت سے پسند کرنے لگی تھی جب وہ پہلی بار کالج سے چھٹیاں ملنے پر ہمارے گھر آئی تھی۔ لیکن میرے لئے وہ محض ایک کزن کی حیثیت ہی رکھتی تھی۔ اس کے والد یعنی میرے خالو بہت امیر آدمی تھے وہ چاہتے تھے کہ اپنی اکلوتی بیٹی جیسی اپنی حیثیت والوں میں ہی بیاہیں جب کہ سامعہ ان کی خواہش پر خاموش رہی اور اللہ سے مجھے مانگنے لگی۔ تب ہی میں ارباز انکل کی خواہش پر یہاں اسٹڈی کرنے آ گیا اور وہاں خالو کی اچانک ڈیتھ کے باعث وہ تنہا رہ گئی اور امی اسے اپنے ساتھ لے آئیں اور جب میں پاکستان گیا تو امی کی خواہش تھی کہ میں سامعہ سے نکاح کر لوں تاکہ اسے تحفظ مل سکے۔"

وہ غائب دماغی سے اس کی باتیں سن رہی تھی جب اچانک اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"سمعان پلیز ایسا مت کرو میں، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی میں مر جاؤں گی۔ میں تم سے تمہاری تھوڑی سی محبت مانگتی ہوں پلیز مجھے....."

"سب کچھ مانگنے سے ملتا ہے آہنہ اور ہو سکتا تھا کہ تم اللہ سے میری محبت کی طلبگار ہوتیں تو شاید، خیر کچھ دنوں بعد میرے ایگزامز شروع ہو رہے ہیں اور ایگزامز کے فوراً بعد میں پاکستان

چلا جاؤں گا لیکن تمہیں کبھی بھول نہیں پاؤں گا کیونکہ تم میری بہت اچھی دوست ہو اور ہمیشہ رہو گی۔"

اتنا کہنے کے بعد وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو آہنہ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔"

اس نے آفر کی مگر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں میں خود چلی جاؤں گی۔"

وہ آہستہ آواز میں سر جھکائے بولی۔

اس کی حالت کے پیش نظر وہ مزید اصرار نہ کر سکا اور پلٹ گیا مگر پلٹنے سے پہلے اس کی نظر سے اس کی آنکھوں سے گرتے آنسو جو اس کی ہتھیلی کو بھگو رہے پوشیدہ نہ رہ سکے مگر وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

"سمعان مجھے کبھی بھولو گے تو نہیں؟" اسے اپنی پشت پر اس کی بھیگی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں آہنہ میں تمہیں کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

آج صبح سے ہی موسم بہت خراب تھا ہلکی ہلکی برف باری کے باعث سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ درختوں پہ جمی برف ماحول کو عجیب پراسرار سا بنا رہی تھی۔

وہ کب سے گلاس ڈور سے باہر اس خوب صورت سے منظر کو آنکھوں میں سموئے ہر خیال سے بے نیاز کھڑی تھی۔

"اے آہنہ!" جولیا کے پکارنے پر وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آہنہ واٹس رانگ ود یو؟"

جولیا اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے اور یہ کیا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر انگلینڈ جانا چاہ رہی ہو؟" وہ بہت سنجیدہ سی تھی۔

"ہاں میں انگلینڈ جا رہی ہوں ماما بتا رہی تھیں کہ وہاں بھی ان کا بزنس بہت پروگریس کر رہا ہے وہ دونوں جگہ ٹائم نہیں دے پائیں۔" اس نے بتایا۔

"اور تم نے شادی کب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" جولیا کے اس سوال پر اس نے دوبارہ کھڑکی کی طرف رخ پھیر لیا۔

"میرا ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

تو جولیا نے مزید کچھ نہ کہا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔

تھوڑے ہی دنوں بعد وہ انگلینڈ کے لئے روانہ ہو گی۔ انگلینڈ پہنچ کر سب سے پہلے اس نے اپنے فلیٹ کا جائزہ لیا۔ جو ایک خوبصورت علاقے میں واقع تھا۔

وہ اپنا سامان رکھ کر ٹیرس پہ آ کھڑی ہوئی اور سرد ہوا کو محسوس کرنے لگی۔ تب ہی اسے کافی کی شدید طلب ہوئی۔ وہ کافی بنانے کی غرض سے کچن میں گئی اور کیبنٹ کھول کر کافی کا ڈبہ باہر نکالا مگر وہ خالی تھا۔

"اوہ شٹ۔" اسے خود پر غصہ آ گیا۔

"میں مارکیٹ سے کافی لینا کیسے بھول گئی۔" اس وقت رات کا ایک بجا تھا اور مارکیٹ کا فاصلہ یہاں سے بہت زیادہ نہ تھا۔

وہ کچھ سوچ کر بلڈنگ سے باہر نکل آئی اور گاڑی کا رخ مارکیٹ کی طرف کر دیا۔

وہ سست رفتاری سے گاڑی کا ڈرائیو کر رہی تھی۔ جب اس نے چند منٹ کے فاصلے پر دو تین لڑکوں کو ایک شخص سے اس کی تمام اشیاء چھینتے اور اس پر فائر کرتے دیکھا۔

یہ سارا منظر دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو

گئے۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں گاڑی پورس کرنا چاہی مگر تب تک وہ تمام لڑکے اس شخص کو زمین پر پڑا چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔

اس نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی اور اس شخص کی طرف بڑھا دی۔

اسٹریٹ کرائم یہاں عام تھے مگر اس نے پہلی بار یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

وہ آہستگی سے گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

وہ شخص بری طرح تڑپ رہا تھا۔ گولی اس کے بازو کو چھو کر گزری تھی اور اس کا پورا بازو خون میں تر ہو گیا تھا۔ وہ اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کو سیدھا کیا اور پھر..... ساکت نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

اسے پتہ ہی نہ چلا کب اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھریں اور اس کے پورے چہرے کو بھگو گئیں وہ یک ٹک اس شخص کو کھلتی بند ہوتی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''سمعان۔''

کتنی دقت اور کرب سے اس کے ہونٹوں پر یہ نام آیا تھا اس کا اندازہ شاید وہ کبھی نہ لگا سکتی تھی۔

وہ پچھلے ایک ہفتہ سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھا اور وہ صبح شام اس کے پاس ضرور آتی اس کے لئے اسے اپنی امپورٹنٹ میٹنگز بھی کینسل کرنا پڑتیں تو وہ بالکل گریز نہ کرتی۔

''آج تم ڈسچارج ہو رہے ہو۔''

اس نے اسے اطلاع دیتے ہوئے بتایا۔

''تھینک یو آہنہ۔'' اس نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

''دوستوں کو تھینکس نہیں بولتے یہ تم ہی نے ایک بار مجھ سے کہا تھا۔'' اس کی بات پر وہ مسکرا کر رہ گیا۔

''تم انگلینڈ کب آئے؟'' وہ گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی جب اس نے اچانک سوال کیا۔

اس نے مڑ کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔

''پچھلے سالوں سے یہیں جاب کر رہا ہوں۔''

''کیوں؟ میرا مطلب ہے تم پاکستان شفٹ ہو گئے تھے ناں۔'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں۔''

''پھر؟''

اس کے پوچھنے پر وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گیا اور کچھ نہ بول پایا۔

''مجھ سے اپنی باتیں شیئر نہیں کرنا چاہتے۔'' وہ اس کی خاموشی کو محسوس کر کے بولی تو اس نے فوراً اس کے خیال کی نفی کر دی۔

''نہیں آہنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ ایسا کچھ ہے ہی نہیں خیر تم میرے گھر چلو میں تمہارے لئے بہترین سی کافی بناؤں گا اور.....''

''تم کافی بناؤ گے۔'' اس نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

''آئی مین تمہاری بیوی!'' اس کی بات پر ایک گہرا سایہ اس کے چہرے کو چھو گیا۔

اس نے رخ کھڑکی کی طرف کر لیا اور گویا ہوا۔

''شادی کے ڈیڑھ سال بعد اس کی پریگنینسی کیس میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔''

''اوہ نو۔'' یہ جان کر اسے حقیقتاً بہت دکھ ہوا تھا۔ اس کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے کہ وہ اسے مزید کچھ کہہ پاتی۔

''اور، اور آنٹی۔''

''وہ آج کل نعمان بھائی کے پاس رہ رہی ہیں سعودی عرب میں۔'' اس نے بتایا۔

نجانے کتنی دیر گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔

''بس یہیں روک دو۔''

سرخ اینٹوں سے بنے ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے گاڑی رکواتے ہوئے اس نے کہا۔

''یہ میرا گھر ہے۔''

وہ خاموشی سے اتری اور اس کا سامان نکالنے لگی۔

''تم رہنے دو آہنہ میں خود.....''

''نہیں تمہارے ہاتھ میں دوبارہ تکلیف شروع ہو جائے گی۔''

وہ بڑے مصروف سے انداز میں اس کی تمام چیزیں اندر رکھ کر آ رہی تھی۔ جب اس نے ایک نظر بغور اس کی جانب دیکھا۔

ربر بینڈ میں قید بال، آنکھوں میں پھیلی اداسی اور ہونٹوں پر چھائی خاموشی کرنے اس کی پوری شخصیت کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

''او کے سمعان! میں اب چلوں گی۔'' اس نے عین اس کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب نظروں سے اس کی جانب دیکھ کر کہا۔

''تم اندر نہیں آؤ گی؟''

''نہیں۔''

اتنا کہہ کہ وہ گاڑی کی جانب بڑھ گئی اور سست روی سے ڈرائیو کرنے لگی۔

آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ شاید وہ خود بھی رونا چاہ رہی تھی۔

''میں نے تم سے بہت محبت کی ہے سمعان عزیز۔'' وہ ایک ہاتھ کی پشت پر سے چہرے پر آئے آنسوؤں کو رگڑتے ہوئے زیر لب بول رہی تھی۔

''میں نے اللہ سے دعا مانگنا سیکھ لیا ہے اور تمہیں کیا معلوم میں نے اپنی تمام دعاؤں میں تمہیں کتنا مانگا ہے، کس قدر مانگا ہے، کہنے کو تو میں آج بھی کہہ سکتی تھی کہ اپنی تھوڑی سی محبت مجھے دے دو مگر مجھے اللہ پر اور اپنی دعاؤں پر بہت بھروسہ ہے اور پھر.....''

وہ گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کر کے اسٹیئرنگ پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور مزید بولی۔

''اور پھر جب میں نے جانے کی اجازت مانگی تو اس لمحے میرا کتنا دل چاہا تھا کہ تم مجھے روک لو، مجھ سے کہو کہ تم میرے ساتھ اپنی باقی زندگی گزارنا چاہتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ میں، میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں سمعان۔'' روتے روتے اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

آج وہ کتنے دنوں بعد کھل کر روئی تھی۔ اس نے اسٹیئرنگ پر سے سر اٹھایا اور سیٹ کی پشت پر گرا دیا۔

اس کی موبائل کب سے بج رہا تھا مگر اس وقت وہ کسی سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اس نے ڈیش بورڈ پر سے موبائل اٹھا کر آف کرنا چاہا مگر سمعان کا نمبر دیکھ کر فوراً کانوں سے لگا لیا۔

''آہنہ! شادی کرو گی مجھ سے؟'' سمعان کی گمبھیر آواز پر اس کا دل بری طرح سے دھڑک اٹھا۔

اس نے کانپتی انگلیوں سے فون آف کیا اور گاڑی ریورس پر ڈال دی۔

وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا جہاں وہ اسے کچھ دیر پہلے چھوڑ کر گئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں اپنے لئے انتظار کی ہلکی سی رمق دیکھ کر وہ اندر تک سرشار ہو گئی۔

بہت زیادہ رونے کے باعث اس کی

آنکھیں سرخ اور چہرہ متورم ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں لرزش واضح تھی جسے دیکھ کر وہ مسکرا کر بولا۔

''دعا کے لئے اٹھنے والے ہاتھوں میں اکثر لرزش ہوتی ہے۔'' اس کی بات پر اس نے حیران حیران نظروں سے دیکھا۔

''بہت زیادہ مانگتی ہو دعائیں؟'' اس کے لہجے میں محبت کی ایک عجیب سی جھلک نمایاں تھی۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''دعاؤں میں میرا ذکر بھی ہوتا ہے ناں۔'' اس نے مسکرا کر پوچھا تو وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''آہنہ پلیز روؤ مت۔'' اس نے التجائیہ انداز میں اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا تو وہ فوراً چپ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں آتش دان کے پاس رکھی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

''میں تمہارے لئے کافی بناتا ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''لگتا ہے تم کچھ زیادہ ہی اچھی کافی بنا لیتے ہو؟'' اس کے کہنے پر وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب؟''

''پچھلے ایک گھنٹہ سے تم مجھے صرف کافی ہی بنا کر پلا رہے ہو۔'' اس نے شکایتی انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ فلک شگاف قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور کچن کی طرف مڑ گیا۔

کتنا اچھا لگ رہا تھا سب کچھ، اس نے اپنے اردگرد پھیلی محبت کو دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آپس میں دعائیہ انداز میں جوڑے ہمیشہ رہنے والی محبت اور خوشیوں کی دعا مانگنے لگی۔

بے اختیار اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں اس نے تشکر آمیز نظروں سے آسمان کی جانب دیکھا پھر دھیرے سے مسکرا دی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔''

نجانے وہ کب وہاں آیا تھا اور اس کے ہنستے روتے چہرے کو اپنی آنکھوں میں جذب کرنے لگا تھا۔

اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا وہ کافی کے دو مگ ہاتھ میں لیئے کھڑا تھا۔

''سکون ملتا ہے ناں؟''

وہ ایک مگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے محبت سے گویا ہوا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کس چیز کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ اس نے ایک نظر اپنے دونوں ہاتھوں کی طرف دیکھا جو اب بھی دعائیہ انداز میں کھلے ہوئے تھے۔

اس نے طمانیت سے اس کی جانب دیکھا اور مگ تھام کر کافی پینے لگی۔

☆☆☆

مشہور مزاح نگار ابنِ انشاء
کی تازہ ترین کتاب
نگری نگری پھرا مسافر
قیمت 200
شائع ہو گئی ہے۔
قریبی بک سٹال سے خرید یں
یا ہم سے طلب فرمائیں
لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

نازیہ ضیا

''جلدی جلدی کھانا کھالو بھائی۔'' حسنین نے اک بڑا سا نوالہ اپنے منہ میں رکھتے ہوئے ذوالنورین سے کہا۔

''بیٹا بڑے بڑے نوالے مت منہ میں ڈالو، اطمینان سے کھاؤ اور یوں منہ بھر کر مت بولو۔'' میں بھی حسنین اور ذوالنورین کے ساتھ ہی دستر خوان پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ ان کو یوں جلدی جلدی کھاتے اور بولتے دیکھ کر رہا نہ گیا تو ٹوک بیٹھی۔

اتنے میں عائشہ کچن سے پانی کا جگ ہاتھ میں تھامے باہر آئی۔ دستر خوان پہ جگ رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

''حسنین بیٹا! ہاتھ کیوں سالن سے بھرے ہیں۔'' عائشہ نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

''م اں ماں۔'' منہ نوالے سے بھرا تھا اس لئے صحیح طور پر ماما کی ادائیگی بھی نہ ہو پائی۔

''وہ..... ابھی..... پرتھوی راج جہاں لگتا ہے ناں.....'' ایک مرتبہ پھر تیز اور جلدی کھانے کی کوشش میں جواب آیا۔

''ہی ہی، پرتھوی راج چوہان ہے ڈرامے کا نام، ہے ناں ماما۔'' ذوالنورین نے پانی کا گھونٹ نگلتے ہوئے کہا۔

''جی بیٹا! آرام سے کھاؤ، ابھی دس منٹ ہیں پھر دیکھ لینا۔'' عائشہ نے میٹھی نظروں سے ذوالنورین کو دیکھا۔

دستر خوان پر بیٹھے طارق احمد کی طرف داد طلب نظروں سے دیکھا۔ جو آرام سے صرف کھانا کھا رہے تھے ہاں وقتاً فوقتاً ان کی نظریں بچوں پہ عائشہ پہ اور اماں کی طرف پڑ رہی تھیں۔

''ماما ہم نے کھالیا ہم جا رہے ہیں ٹی وی لگانے۔'' دونوں بچے اعلان کرتے ہوئے بھاگے۔

''دیکھا آپ نے، ذوالنورین کتنا ذہین اور شارپ بچہ ہے۔ حسنین کی کیسے تصحیح کر رہا تھا ہر لفظ اور ہر سین اس کو یاد ہوتا ہے ڈرامے کا۔'' عائشہ نے لہجہ میں فخر بھرتے ہوئے طارق احمد سے کہا۔

''ہاں۔'' طارق احمد نے بھی تابعداری سے سر ہلایا۔

میں نے ایک نظر اپنے بیٹے طارق احمد پر ڈالی اور دوسری نظر فخر سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اپنی بہو عائشہ پہ اور پھر سر جھکا لیا۔

میں اس دس مرلہ گھر میں اپنے بیٹے طارق بہو عائشہ اور دو پیارے پیارے پوتے، ذوالنورین اور حسنین کے ساتھ رہتی ہوں۔ میرے مجازی خدا، طارق کے ابا دس سال ہوئے دنیا سے گزر چکے ہیں، بس طارق کی شادی ہی کر پائے تھے کہ آنگن میں کھیلتے بچے دیکھنا ان کی قسمت میں نہ تھا۔ حالانکہ انہیں بچوں سے بہت پیار تھا لیکن خدا نے مجھے بھی ایک ہی بیٹا دیا کہ وہ اپنے بچوں سے ہی دل بھر کے کھیل پاتے۔ میرا بیٹا طارق بہت اچھا اور کامیاب بزنس مین ہے۔ یوں سمجھیں مٹی کو ہاتھ لگائے تو سونا بن جانے والی بات اس پر صادق آتی ہے۔ بہت مرتبہ مجھے یہ گھر چھوڑنے کو کہہ چکا ہے مگر میں یہ گھر چھوڑنا نہیں چاہتی کہ بہت سی یادیں اس سے جڑی ہیں۔

میری بیوی عائشہ اچھی بہو ہے۔ کیونکہ جیسی بہویں میرے اردگرد ہیں وہ ان کی طرح زبان

دراز، بات بات پر جھگڑنا اور کیڑے نکالنے والی نہیں۔ گھر کے کام احسن طریقے سے سنبھالتی ہے گو کہ گھر اوپر کا کام کرنے کے لئے زبیدہ آتی ہے لیکن پھر بھی میں یہ مانتی ہوں کہ کام والیوں سے کام نکلوانا اور کروانا بھی ایک آرٹ ہے جو کہ میری بہو کو بہت اچھا آتا ہے۔

ذوالنورین سات سال جب کہ حسنین پانچ سال کا ہے۔

یہ ہے میری کل کائنات۔

''ماما جلدی کریں، دادو جلدی آئیں، پاپا نے گاڑی سٹارٹ کر لی ہے۔'' ہم سب Humpty Dumpty جا رہے تھے بچوں کو ویسیر کروانے اس لئے بچے بہت ایکسائیٹڈ ہو رہے تھے اور گیراج میں کھڑے مجھے اور اپنی ماما کو بیقراری سے آوازیں دے رہے تھے۔

''آ رہی ہوں۔'' عائشہ نے بلند آواز میں قریباً چیختے ہوئے جواب دیا اور دوپٹہ گلے میں لٹکائے بھاگی چلی آئی۔

یوں تو عائشہ اچھی بہو اور اچھے طریقے سے گھر چلا رہی تھی مگر گزشتہ کچھ دنوں سے مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کمی ہے۔

یا پھر میں ہی زود رنج ہو چکی تھی چھوٹی چھوٹی بات دل پہ لے رہی تھی۔ صبح فجر کے وقت عائشہ بستر چھوڑ دیتی تھی۔ نماز اور قرآن مجید پڑھنے کے بعد بچوں کو بھی جگا دیتی۔ صبح چھ بجے ہی بچے سارے گھر میں چاک و چوبند پھر رہے ہوتے۔

میں اپنے کمرے میں ہی بیٹھی تسبیح اور دیگر وظائف میں مصروف رہتی۔ بچے شرارتیں کرتے کبھی ادھر بھاگتے کبھی ادھر، سارے گھر میں مانو جیسے جان پڑ جاتی۔ عائشہ ان کو ایک جگہ بیٹھانے کے لئے اب اکثر ٹی وی آن کر دیتی۔ کبھی بچے کارٹون دیکھتے اور کبھی کچھ اور تب سے ہی مجھے کچھ غلط ہوتا محسوس ہونا شروع ہوا تھا۔

بچوں کے شعور اور ذرا پختہ ہونے سے پہلے تک مجھے عائشہ سے کوئی گلہ نہ تھا۔ وقت پہ دوپہر کا کھانا تیار ہوتا۔ صبح کا ناشتہ بھی جوس سمیت مجھے مناسب اور بروقت مل جاتا۔ کپڑے دھونے اور صفائی کرنے ملازمہ آتی تھی لیکن عائشہ کچن کا سارا کام خود سنبھالتی تھی اور بہت خوب سنبھال رہی تھی۔ بچے چھوٹے تھے ان کا دھیان بھی رکھتی تھی۔ طارق کا ہر کام وقت پہ ہوتا تھا۔

لیکن یہ محسوس کر رہی تھی کہ کام نپٹاتے عائشہ بچوں کے ساتھ کبھی کبھی بہت برے لہجے میں بولتی تھی۔ عائشہ بی اے تھی لیکن اس وقت بالکل جاہل، ان پڑھ، ماؤں والا سلوک اپناتی۔

میں آپ کو بتاتی ہوں کہ میں کیوں سوچتی ہوں گم ہوتی جا رہی ہوں اور میں کیوں کڑھنے لگی ہوں، ایسا ہی ایک دن تھا جب بچے سکول جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ یونیفارم پہن لی تھی لیکن ناشتہ ابھی تیار نہ ہوا تھا۔ عائشہ جلدی جلدی ہاتھ چلاتے ہوئے توس سینک رہی تھی اور انڈے فرائی کر رہی تھی۔

''ماما! جلدی کریں دیر ہو رہی ہے۔'' ذوالنورین چلایا۔

''چلاؤ مت، جلدی تو کر رہی ہوں، اب تمہارے باپ نے کوئی نوکر تو رکھا نہیں ہوا اور مشین میں ہوں نہیں، اب جب ناشتہ بنے گا تو تبھی لاؤں گی ناں، ٹی وی لگا لو، کارٹون نیٹ ورک لگا ہوگا، اتنی دیر کارٹون دیکھ لو میری جان چھوڑو۔'' عائشہ نے بھی سخت اور جاہلانہ لہجے میں جواب دیا۔

میں اپنے کمرے میں بیٹھی یہ سب سن رہی تھی۔ میں نے تسبیح رکھی اور باہر لاؤنج کی طرف آ گئی کہ ساتھ ہاتھ بٹا دوں کہیں دیر نہ ہو جائے۔

طارق تھکا ہارا رات دیر سے آیا تھا اور سو رہا تھا اور بچوں کی سکول وین آنے والی تھی۔ اس ساری افراتفری میں، میں بھی عائشہ کے تلخ لہجے کی وجہ سے باہر آ گئی۔ لیکن بچے کارٹون لگا چکے تھے اور اس میں مگن تھے۔

میری نگاہ ٹی وی کی سکرین پر پڑی اور پھر جیسے وہیں جم کر رہ گئی۔ ایک نہایت خوبصورت لمبی لمبی پلکوں، موٹی موٹی آنکھوں اور نہایت نمایاں پیچ و خم رکھنے والی لڑکی سڑک پہ کھڑی تھی اور پاس ہی ایک لڑکا اس کو فلائنگ کس کر رہا تھا۔ میں نے فوراً آگے بڑھ کر ٹی وی آف کرنا چاہا تو حسنین نے کہا۔

''دادو رہنے دیں اتنے اچھے جانی برادو

کارٹون آرہے ہیں۔"
"دادو یہ جانی ہر لڑکی کو لفٹ کراتا ہے اور اسے ہر لڑکی سے مار پڑتی ہے۔" ذوالنورین نے بھی بات آگے بڑھائی۔
"بے وقوف، وہ اپنے آپ کو ہیرو سمجھتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔" حسنین نے ذوالنورین کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"میں بھی ہیرو ہوں، جانی براوو جیسا نہیں، صحیح ہیرو، مجھے لڑکیاں نہیں ماریں گی، ہے ناں دادو میں تو اتنا پیارا ہوں۔" حسنین نے بھولپن سے کہتے ہوئے میری طرف دیکھا۔
لیکن میں جو جیسے ٹی وی کی سکرین پہ آتا منظر دیکھ کر ہی چپ تھی۔ اب بچوں کی باتیں سن کر ذہن مفلوج ہو رہا تھا۔
تبھی عائشہ ناشتے کی ٹرے لے آئی اور ان کو ناشتہ کروانے بیٹھ گئی ساتھ ساتھ ٹی وی پر تبصرہ ساتھ ساتھ ناشتہ اور میں ذرا پرے بیٹھی سارے منظر کو دیکھ رہی تھی۔
جاگتی آنکھیں، سن دماغ، یہ کیا ہو رہا ہے۔
چھوٹے چھوٹے ننھے ننھے ذہن کس نہج پہ پروان چڑھ رہے ہیں۔
ان بچوں کو اپنا اپنے ملک اور تاریخ کا پتہ نہیں لیکن یہ پتہ ہے کہ پرتھوی راج چوہان بہت بہادر تھا اور تلوار سے سب کے سر قلم کر دیتا تھا یہ نہیں جانتے تھے کہ پرتھوی راج چوہان کو شکست کا ذائقہ چکھانے والا شہاب الدین غوری کون ہے۔ بچے وکرال گبرال کے متعلق جانتے تھے اور انہی کو آئیڈیلائز کر رہے تھے اور تو اور Tom and Jarry جیسے معصوم کارٹونز میں بھی بیہودگی اور لچر پن شامل ہو چکا تھا۔ کارٹونز میں لڑکیوں کے لباس شارٹ اسکرٹ اور سڈول پنڈلیاں اور اس پہ ستم کہ ان پہ اردو ڈبنگ کی گئی تھی کہ بچے با آسانی سن اور سمجھ لیتے تھے۔
"اے خدایا! کیا بنے گا اس قوم کا، یہ ننھے پودے کس طرح تناور درخت بنیں گے چھتنار سایہ دینے والے۔"
آج بچوں کو سکول بھیجنے کے بعد عائشہ کو ضرور کہوں گی۔ میں نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا۔ میری اسی ادھیڑ بن میں سکول وین کا ہارن ہوا۔ دونوں بچوں نے بیگ اٹھائے اور باہر کی طرف بھاگے۔ عائشہ کو کچن کے دروازے سے ہی ایک فلائنگ کس کا اشارہ حسنین نے کیا اور اور باہر نکل گیا۔ ذوالنورین نے بھی ہاتھ کو ہونٹوں سے چوم کر ماں کی طرف اڑانے کا اشارہ کیا اور بھاگ گیا۔ عائشہ ان دونوں کی حرکات سے بہت محظوظ ہو رہی تھی اور کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔
"توبہ کتنے شرارتی ہو گئے ہیں۔" عائشہ نے میری طرف تائید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"یہی درست موقع ہے۔" میں نے دل میں سوچا۔
"دیکھو عائشہ! میرے پاس آ کر بیٹھو، میری بات سنو۔" میرے سنجیدہ لہجے پر عائشہ ٹھٹھکی اور سوچتے ہوئے میرے پاس آ بیٹھی۔
"دیکھو عائشہ!" میں نے بات کا آغاز گلا کھنکھارتے ہوئے کیا۔
"تم بہت اچھی ہو، گھر تم احسن طریقے سے چلا رہی ہو۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔" میں نے لمحے کا توقف کیا۔ عائشہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔
"کیا تمہیں نہیں لگتا کہ بچوں کی تربیت کچھ غلط ڈھنگ سے ہو رہی ہے۔ تم بچوں کی ٹی وی کے آگے بٹھا دیتی ہو وہ جو غلط سلط دیکھیں تمہیں پتہ نہیں چلتا۔"
"کیا ہے امی! بچوں نے کیا دیکھا۔" عائشہ نے یکدم میری بات کاٹی۔
"دیکھو بیٹا! یہی جو بچے کارٹون اور پرتھوی راج اور نہ جانے کیا کیا دیکھتے رہتے ہیں کیا تم

نے کبھی سوچا کہ ان کے کچے ذہن یہ دیکھ کر کس بری طرح متاثر ہو رہے ہوں گے۔"

اسی وقت بیڈ روم سے طارق نے عائشہ کو پکارا اور عائشہ نے ہنستے ہوئے سینے سے ایک لمبی سانس آزاد کی اور بولی۔

"امی! آپ بھی نہ ڈرا کر رکھ دیتی ہیں۔ میں نے سوچا پتہ نہیں مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی یا طارق نے کچھ کہہ دیا۔ بچے ہیں، آپ دیکھتی تو ہیں کتنے شرارتی ہیں اور کیسے نچا کے رکھ دیتے ہیں ایسے میں ٹی وی کے آگے ہی وہ سکون سے بیٹھے ہیں۔" عائشہ یہ کہتے ہوئے اندر طارق کی جانب بڑھ گئی اور میں وہیں بیٹھی رہ گئی۔

یہ نہ تھا کہ میں بہت زیادہ مذہبی اور بہت روک ٹوک کرنے والی تھی میں خود بھی بچوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھا کرتی تھی لیکن جب میرا طارق چھوٹا تھا تو صرف پی ٹی وی ایک ہی سٹیشن آتا تھا۔ صاف ستھرے پروگرام، مہذب گفتگو، شائستہ مذاق، باذوق لباس قرض ہر پہلو مکمل ہوتا تھا۔ کبھی بھی طارق کے ساتھ بیٹھے پروگرام دیکھتے ہوئے مجھے شرمندگی نہ ہوئی تھی لیکن اب تو کیبل کے آنے سے جیسے سارے ماحول میں ایک عجیب سی افراتفری پھیل گئی تھی۔ کبھی بازار جاؤ تو دکانوں پر کپڑوں کے پرنٹ بھی عجیب سے اور دکاندار بھی آواز لگاتے۔

"کم کم کی ساڑھی ہے جی۔ نیا ڈیزائن لے لیں۔" کپڑوں والا کہتا۔

"پاروتی کی جیولری ہماری دکان پہ۔" جیولری والا آواز دیتا۔

"دیس میں نکلا ہو گا چاند۔" کی پمی کے ڈیزائن والے بلاوز دستیاب ہیں۔ درزی کے بورڈ پہ آویزاں۔

"یا خدا، یہ کہاں اور کس دیس میں ہم لوگ رہ رہے ہیں۔" میں نے اپنا سر تھام لیا۔

حتیٰ کہ ایک دن زبیدہ ہماری کام کرنے والی آئی تو عائشہ نے اسے کہا۔

"اماں زبیدہ کل آؤ تو ساتھ فائزہ کو لیتی آنا، میں نے گرمیوں کے کپڑے سلوانے ہیں۔ گھر پہننے کے لئے۔ فائزہ آ کر ڈیزائن بھی سمجھ لے۔"

"اچھا عائشہ بٹی!" اماں زبیدہ نے جواب دیا۔ فائزہ، زبیدہ کی بیٹی تھی اور کپڑوں کی سلائی کرتی تھی۔

"زبیدہ! فائزہ کے سسرال والے کب تک شادی کا کہہ رہے ہیں۔" میں نے زبیدہ سے پوچھا۔

"بس آپا جی!" زبیدہ نے آہ بھری ہاتھ سے ڈسٹر رکھا۔ میرے صوفے کے قریب بیٹھی۔

"کچھ جمع جتھا کر لوں تو پھر ہی ان سے پوچھوں گی۔" زبیدہ بولی۔

"اپنے پلے کچھ ہو اور ان کو زور دوں تو کل کو اپنی ہی بچی کو طعنے ماریں گے ناں۔ کچھ میں کر لیتی ہوں، کچھ فائزہ محنت کر لیتی ہے۔ سلائی سے کافی بچت ہو جاتی ہے۔ کچھ آپ جیسے مہربان، تو بس اللہ کرے تو عید کے چاند ان سے شادی کا پوچھوں گی۔" زبیدہ نے آس بھری نظروں اور لگاوٹ بھرے لہجے سے مجھے کہا۔

"ہاں زبیدہ وقت آئے گا تو اللہ بہتر کرے گا۔ اللہ سب کا رازق مالک ہے۔ تم فکر نہ کرو۔" میں نے زبیدہ کو تسلی دی اور زبیدہ اٹھ کر باقی کام نپٹانے لگی۔

اگلے دن صبح زبیدہ کے ساتھ فائزہ بھی آئی۔ فائزہ چھبیس، ستائیس سال کی تھی۔ سانولا رنگ، سلم بدن لیکن ذرا شوخ سی محسوس ہوتی تھی۔ گہرے رنگوں کی چادر لپیٹے ماں کے ساتھ آئی اور سلام کر کے وہیں لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

"عائشہ باجی، سلام، کیا حال ہیں۔" فائزہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں فائزہ کبھی کام کے بغیر بھی چکر لگا لیا کرو۔'' عائشہ نے چائے کا کپ اسے دیتے ہوئے کہا۔

''بس باجی گھر میں سلائی کا کام ہی اتنا ہوتا ہے کہ کہیں آنا جانا ہی نہیں ہوتا۔'' فائزہ نے جواب دیا۔

عائشہ کمرے میں سے کپڑوں کا شاپر اٹھا لائی اور اسے کپڑے دکھانے لگی اور ان کے ڈیزائن کے متعلق بتانے لگی۔ میں ساتھ والے صوفے پہ بیٹھی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ایمان سے باجی! اس سوٹ کا گلا پیچھے سے گہرا گول بنا کر اوپر ڈوری سے باندھنے والا بنا دوں گی۔ سچی باجی آپ تو اتنی سمارٹ ہو بڑا اچھا لگے گا یہ گلا، یا رونی جیسا، شرٹی والی بنا دوں شلوار، سچی آپ تو بالکل ان جیسی ہی ہیروئن لگو گی پہن کے۔'' فائزہ نے بڑے جوش سے عائشہ کو مشورہ دیا۔

''ہاں بنا دینا، میں نے دیکھا تھا ٹی وی میں ''گھر گھر کی کہانی'' ہے ناں بڑا اچھا ڈرامہ ہے اور یہ رنگ بھی میں اسی لئے لائی تھی اس سوٹ کو دیکھ کر۔'' عائشہ کا جوش دیدنی تھا۔

میں پاس بیٹھی تو تھی لیکن ان کی یہ باتیں سن کر میں حیران ہو رہی تھی۔ عائشہ کپڑے پہننے کے لئے بھی لاشعوری طور پر ان کی نقل کر رہی تھی۔

''یا خدا!'' میں نے اپنے چکراتے سر کو پکڑا۔

میں تو اپنی آنے والی نسل اپنے نئے پودوں کو صحیح تربیت اچھا پروان چڑھنے پہ پریشان ہو رہی تھی اور یہاں میرے ملک کے معمار، یہ جوان جو ملک کا اثاثہ ہیں ان پہ دوہری ذمہ داری ہے۔ خود ملک چلانا ہے اور اگلی نسل کی آبیاری کرنا ہے وہ بھی۔ یہ نسل بھی اپنا تشخص، اپنا کلچر بھول رہی تھی۔

''یا اللہ کیا کروں۔'' میں نے ہولتے دل سے سوچا۔

فائزہ کے جانے کے بعد میں نے عائشہ کو پاس بلایا۔

''عائشہ میری بات سنو۔'' میں نے بلند آواز میں پکارا۔

''جی امی آئی، زبیدہ تم باقی سارا کام دھیان سے کرو۔ میں نے کچن فارغ کر دیا ہے، میں اب دوپہر کا کھانا بعد میں بناؤں گی پہلے تم سارا کام سمیٹ لو اور جلدی کرو۔'' مجھے جواب دیتے میرے پاس آتے آتے وہ زبیدہ کو بھی ہدایات دے رہی تھی۔ میرے پاس آ کر بیٹھنے سے پہلے اس نے ٹی وی آن کیا اور ریموٹ ہاتھ میں پکڑے میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''جی امی اب بتائیں۔'' کہہ وہ مجھے رہی تھی لیکن نظریں ٹی وی سکرین پر تھیں۔ جہاں کوئی ڈرامہ شروع ہونے والا تھا۔ اس کا ٹائٹل سونگ چل رہا تھا۔ (میری آواز کو مل گئی روشنی) عائشہ بھی زیر لب گنگنا رہی تھی۔

''عائشہ میری بات دھیان سے سنو۔'' میں نے اپنے لہجے میں اصرار بھرتے ہوئے کہا۔

''جی امی سن تو رہی ہوں۔'' نگاہیں ایک لمحے کو میرے چہرے پر ٹھہریں اور پھر میری سنجیدگی کا خیال کرتے ہوئے صوفے پہ ایک ٹانگ موڑ کر میری طرف رخ کرتے ہوئے متوجہ ہوئی۔

''دیکھو عائشہ تمہیں میں نے ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا، بہو کے طور پہ کبھی تمہیں نہیں سمجھا۔ میرے گھر کو آ کر تم نے مکمل کیا۔ یہ میں جانتی ہوں کہ تم مجھے کتنی پیاری ہو اور یہ سچ تھا کہ مجھے عائشہ سے کبھی کوئی روایتی ساسوں والا کوئی گلہ نہ ہوا تھا۔''

''بیٹا!'' میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''تم خود اپنے آپ کو دیکھو کس راہ پہ جا رہی

ہو۔ نامحسوس طریقے سے تم ان لوگوں کی تقلید کر رہی ہو کہ جن سے جدا ہونے اور اپنا ایک الگ وطن لینے کے لئے ہم نے جانوں اور عزتوں کا نذرانہ دیا۔ بیٹا ہمارا مذہب اور ہمارا معاشرہ ہمیں عورتوں کی عزت، احترام سکھاتا ہے نہ کہ نمائش اور دل لبھانے کے لئے کوئی چیز۔ بیٹا تم جو یہ ڈرامے اور ان کے کرداروں سے متاثر ہو کر ظاہری طور پہ ان کی طرح بننا چاہتی ہو تو تم یہ دیکھو کہ ان کے یہ کردار کس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان کا ماحول ان کا مذہب اور کلچر ان کو اس کی اجازت دے تو دے کیا ہمارے یہاں یہ ممکن ہے؟''

''لیکن امی! یہ تو معمولی سا ڈیزائن بنوایا ہے گلے کا اور کپڑوں کا اس میں ان کے جیسا میں کیسے ہو گئی۔ امی دیکھیں یہ تو معمولی سی بات ہے آپ اسے اتنی سنجیدگی سے لے رہی ہیں۔'' عائشہ نے بے پروائی سے کہا۔

''نہیں عائشہ، آج تم اس طرح کے کپڑے پہن کر جب طارق اور اپنے ماں باپ بہن بھائیوں کے سامنے پھرو گی تو ایک طرح سے تم ان کو پرموٹ کرو گی۔ تمہارے بچے تمہیں ان کے تناظر میں دیکھیں گے۔ تم نے کبھی ان کے سامنے یہ کہا کہ میں نے آج پانچ نمازیں پوری پڑھ لی ہیں اس لئے میں بہت خوش ہوں۔ یا پھر فلاں کی مدد کی اللہ مجھ سے خوش ہوئے۔ بچو تم بھی دوسروں کی مدد کرو تو اللہ خوش ہو کر انعام میں آپ کو امتحان میں پوزیشن دے گا۔ بیٹا بالکل لاشعوری طور پہ تم سب اسی دلدل میں گر رہے ہو۔ تم خود سوچو اچھی بھلی عاقل بالغ ہو کر تم اکثر مجھے ساسو ماں اور طارق کو پتی دیو کہہ جاتی ہو۔ بالکل نامحسوس طریقے سے ہندوؤں کا کلچر اور زبان ہمارے اندر رس بس رہا ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے مرزا صاحب کے بیٹے کی مہندی پہ جو کچھ ہوا کیا ہمارا معاشرہ اس کی اجازت دیتا ہے۔ سبھی نے منہ میں انگلیاں ڈالی تھیں ان کی بچیوں کے لباس اور ڈانس دیکھ کر۔''

''بازار جاؤ تو وہاں بھی سارا یہی بکھیڑا ہے۔ چند دن پہلے میں نے اخبار میں تصویر دیکھی میڈیکل کالج کی ایک لڑکی لڑکے کو راکھی باندھ رہی تھی۔'' میں نے دکھی لہجے میں کہا۔

''ہاں تو امی اب کیا بازار میں دکانداروں کو کالج میں لڑکیوں کو یا باقی سارا کچھ میں تو نہیں کہتی نا۔ میرا کیا قصور، میں نے تو معمولی ایک لباس کا ڈیزائن کہا تو آپ برا مان گئیں۔ اب یہی دیکھیں کہ باقی سب کیا کر رہے ہیں اور ویسے بھی امی جان میں نہیں سمجھتی کہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہم متزلزل ہو جائیں یہ تو بس وقتی طور پہ زندگی میں ہلا گلا کرنے والی باتیں ہیں ہم کون سا خدانہ کرے ہندو ہو چلے ہیں یا پھر ان کے ساتھ مل رہے ہیں۔''

''امی جان آخر ہم ان کی نقالی کو ہی سنجیدگی سے کیوں لیتے ہیں۔ آپ یہ دیکھیں کہ ہمارے اداروں میں انگریزی کی اہمیت کیا ہے اور اسی زبان کو پرموٹ کیا جا رہا ہے۔ ہر کوئی اپنی اپنی سطح پہ اسی تگ و دو میں ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ماڈرن ہو جائے لباس اور زبان دونوں کے اعتبار سے تو ہم نے کبھی ان گوروں کے خلاف تو دل میں ملال نہیں رکھا۔ کہیں نظر آ جائیں تو الٹا انہیں مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں۔ ہمارے عوام و خواص ان کی امداد پہ پل رہے ہیں اور ان کے پیچھے بھاگنے میں ہلکان ہو رہے ہیں۔'' عائشہ مجھے دلائل دیتے ہوئے بولی۔

''امی جان! کیا ہمارا ایمان اور ہماری ذات اتنی کمزور ہے کہ گھنٹہ دو گھنٹے ٹی وی دیکھنے یا ان کے جیسے کپڑے پہننے سے ہم بدل جائیں گے نہیں امی جان! یہ ہماری سوچ ہے جو ہمیں ان سے مختلف کرتی ہے۔ ہمارا ایمان ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا!'' میں نے عائشہ

سے کہا۔

''لیکن بیٹا تم خود سوچو کہ جن رنگوں میں تم یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے گھر رہی ہو تمہیں شعور ہے ادراک ہے غلط اور درست کا۔ پھر بھی تم اس کو موج مستی اور ہلا گلا کا نام دے کر اپنا رہی ہو۔ وقتی ہی سہی لیکن ان کی تقلید کر رہی ہو۔''

''گوروں کا بھی جو تم نے حوالہ دیا یا پھر انگلش بولنے کا کہا۔ تو عائشہ گوروں نے بھی ہم پہ ایک لمبا عرصہ حکومت کی ہے۔ ہم لوگ غلام تھے وہ لوگ خود تو چلے گئے لیکن یہاں کے عوام نہ چاہتے ہوئے بھی ان سے متاثر تھے۔ ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو کہ ان جیسے لباس پہننے کو غلط کہتا تھا لیکن وہیں ایک طبقہ ایسا تھا جو کہ اس کو جائز سمجھتا تھا۔ تو بیٹا ہوتے ہوتے ان کا لباس اور یہ زبان ہمارے لئے ناگزیر ہو گئی۔ اسی طرح اب مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں ہوتے ہوتے یہ سب بھی ہمارے معاشرے کا حصہ نہ بن جائے۔ ہمارے بچوں کے ذہنوں میں ابھی سے ان کا آئیڈیلزم بھرا جا رہا ہے۔ شعور کی حدوں کو چھونے تک وہ تمہارے جتنا بھی نہ سوچ پائیں گے۔'' میں نے آزردگی سے کہا۔

''اور سب سے بڑا خطرہ مجھے یہ ہے کہ ان کچے ذہنوں میں شرم و حیا کا تصور بھی نہیں رہا۔ وقت سے پہلے بچوں کو ان کے ذہنوں کو بالغ کیا جا رہا ہے۔ جو چیزیں پردے میں ہوں انہیں پردے میں ہی رہنا چاہیے۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''عائشہ تم سوچو۔ ان لوگوں نے عورت کو کیا مقام دے ڈالا ہے۔ ہمارے لئے عورت ماں ہے تو جنت اس کے قدموں میں ہے۔ بیٹی ہے تو رحمت ہے، بہن ہے تو غیرت ہے، لیکن مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ یہ سارے پروگرام اور میڈیا عورت کو صرف ایک ڈیکوریشن پیس بنا کر پیش کر رہا ہے۔ رنگ برنگے ریپر میں آدھ لپٹی، کشش، ہیجان برپا کرنے والی ایک چیز۔ کیا مرد و زن کا آپس میں یہی اک تعلق ہے کہ دیکھ کر سیٹیاں بجانا۔ یا عورت پھر اپنے جسم کے سربستہ رازوں کو سب پہ عیاں کرتی پھرے۔'' میں نے ناگواری سے کہا۔

''عائشہ باجی کچن صاف ہو گیا ہے۔'' تبھی زبیدہ نے آ کر اطلاع دی۔

''اچھا امی جی میں کھانے کی تیاری کر لوں۔'' عائشہ ن میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا بیٹا جاؤ اور سوچو۔'' میں نے عائشہ کو کہا۔ جاتے ہوئے عائشہ نے ٹی وی آف کیا اور چلی گئی۔

''امی جان!'' طارق مجھے آوازیں دیتا میرے کمرے میں آیا۔

''جی بیٹا! کیا بات ہے۔'' میں جو بستر پہ نیم دراز تھی اٹھ کر پوچھا۔

''وہ امی آج شام عدنان ہے ناں میرا دوست، اس نے پارٹی دی ہے۔ چیمبر کے الیکشن جیتنے پر ہم سب کو بلایا ہے آپ بھی تیار رہیے گا۔''

''بیٹا تم لوگ چلے جانا، میں یہ رات کے فنکشن اب اٹینڈ نہیں کر سکتی۔'' میں نے طارق سے کہا۔

''امی جان! آپ کو لانے کے لئے عدنان نے تاکید کی ہے اور ویسے بھی کبھار جانے میں تو کوئی حرج نہیں۔'' طارق نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا بیٹا! لیکن میں جلدی آ جاؤں گی واپس تم لوگ انجوائے کرنا۔'' میں نے طارق سے جواباً کہا۔

''جی امی جان! جیسے آپ کی مرضی۔''

شام کو سب بڑے زور شور سے تیار ہو رہے تھے۔ عدنان، طارق کا بہت اچھا دوست تھا۔ اکثر گھر بھی آتا رہتا تھا۔ اس لئے بچے بھی اس سے

مانوس تھے۔
حسنین اور ذوالنورین دونوں تیار باہر صوفے پر بیٹھے تھے۔ میں بھی تیار تھی۔ طارق بھی اپنے کمرے سے نکلا۔ گاڑی کی چابی موبائل ہاتھ میں پکڑے اور عائشہ کو آواز دے رہا تھا کہ جلدی آجاؤ۔
عائشہ جب اپنے کمرے سے باہر نکلی تو حسنین اور ذوالنورین دونوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔
''ماما! آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں بالکل ملکہ شراوت جیسی۔'' عائشہ نے ایک لمحے کو میری جانب دیکھا اور پھر بولی۔
''بس اب چپ کرو، جب بولو گے فضول ہی بولنا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کچھ شرمندہ بھی نظر آ رہی تھی۔
ہم سب پارٹی میں چلے گئے۔ پارٹی واقعی بہت زبردست تھی۔ انتظام، کھانا غرض ہر چیز بہت اچھی تھی۔ رات گئے ہماری واپسی ہوئی اور اپنے اپنے کمروں میں ہم سب سونے چلے گئے۔
اگلا دن اتوار تھا یعنی چھٹی اور عموماً ہمارے گھر صبح گیارہ بجے تک سب سوئے رہتے تھے۔
لیکن نو بجے کے قریب مجھے یوں لگا جیسے باہر لاؤنج میں کوئی چل پھر رہا ہے۔ باہر نکلی تو دیکھا عائشہ سر پکڑے صوفے پر بیٹھی تھی۔
''کیا ہوا عائشہ!'' میں نے یکدم تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔
''پتہ نہیں امی طبیعت اتنی خراب ہو رہی ہے۔ لگتا ہے رات کو کھانے میں کچھ الٹا سیدھا کھا لیا اور کھا کر ساتھ ہی سو گئی بس عجیب سی متلی ہو رہی ہے۔ مسلسل وومٹنگ ہو رہی ہے۔'' عائشہ نے نقاہت زدہ لہجے میں کہا۔
''بیٹا میں ابھی تمہیں پودینے والا پانی ابال کر دیتی ہوں اور طارق کو کہتی ہوں تمہیں ڈاکٹر کو دکھا لائے۔'' میں نے جلدی جلدی طارق کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔
میرے آواز دینے پہ طارق اور بچے بھی کمروں سے باہر نکل آئے۔
''طارق جلدی گاڑی نکالو۔ دیکھو عائشہ بیچاری کی طبیعت خراب ہے اور تم اندر پڑے سو رہے ہو۔ جاؤ جلدی کرو۔'' میں نے طارق کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔
''دادو! ماما کو کیا ہوا ہے؟'' حسنین نے جمائی روکتے ہوئے پریشان لہجے میں کہا۔
مجھے اپنے پوتے پہ بے تحاشا پیار آیا۔ اسے اپنے ساتھ لپٹایا اور کہا۔
''کچھ نہیں میری جان! پریشان نہ ہو ماما کو قے ہو رہی ہے ابھی پاپا دوائی لائیں گے تو ٹھیک ہو جائیں گی۔'' میں نے دلار سے اس کے گال کو چوما۔
تبھی سات سالہ ذوالنورین آگے بڑھا۔ عائشہ کی قمیض کا دامن پکڑا اور بولا۔
''ماما! آپ ڈر گئیں ہیں۔'' اس نے ماں کو مخاطب کر کے کہا۔
''پاپا! کوئی بات نہیں، ماما! ہمارے لئے بہن لانے والی ہیں، آپ کو یہ بھی نہیں پتہ چلا۔'' وہ باپ کی طرف منہ کر کے بولا۔
ڈرائینگ روم کے دروازے میں موجود طارق ساکت اور عائشہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

حاصلِ مطالعہ

حب اللہ کا مرتبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید پھر بھی انبیاء اور شہداء قیامت کے دن ان کے مرتبہ پر رشک کریں گے جو انہیں اللہ کے یہاں ملے گا۔''
لوگوں نے کہا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کون لوگ ہوں گے؟''
آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو آپس میں ایک دوسرے کے رشتہ دار نہ تھے اور نہ آپس میں مالی لین دین کرتے تھے، بلکہ محض خدا کے دین کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہوگا، انہیں کوئی خوف نہ ہوگا، اس وقت جب کہ لوگ خوف میں مبتلا ہوں گے اور نہ کوئی غم ہوگا اس وقت جب کہ لوگ غم میں مبتلا ہوں گے۔''

فوزیہ غزل، رسالہ شیخوپورہ

کم وقت میں زیادہ ثواب

☆ سورۃ الزلزال دو بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ الفاتحہ تین بار پڑھنے کا ثواب دو قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ الاخلاص تین بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ آیت الکرسی چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ القدر چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ الکافرون چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ العصر چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔

زرین اطہر صدیقی، راولپنڈی

باتیں بڑے کام کی

○ آدمی اپنے خیالات سے اپنی زندگی خراب کرتا ہے۔
○ الفاظ جتنے بھی متاثر کن استعمال کرو مخاطب پر اس کا اثر تب ہی ہوگا اگر ان میں خلوص اور سچائی ہو۔
○ دوست کبھی نہیں بچھڑتے جو چلے گئے وہ ہماری یادوں میں زندہ ہیں۔
○ اس خوشی سے دور رہو جو کل غم کا کانٹا بن کر دکھ دے۔
○ رشتے جب اذیت کے سوا کچھ نہ دیں تو ان سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے، خواہ وقتی طور پر ہی۔

فرحین ملک، دھوریہ

اقوال زریں

۱۔ اگر دکھوں کا دریا عبور کرنا ہو تو آنسوؤں کو جذب کرنے کا طریقہ سیکھو۔
۲۔ نظر اس وقت تک پاک ہے جب تک اٹھائی نہ جائے۔
۳۔ زندگی کے ہر لمحے میں خوشیاں بکھیرتے جاؤ تاکہ کسی دن ایک باغ لگا پاؤ دوسروں کو

معاف کرو مگر اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرو۔

۴۔ جو شخص انتقام کے طریقوں پر غور کرتا ہے اس کے دن ہمیشہ برے رہتے ہیں۔

۵۔ دوست کو قیامت آزمائش میں نہ ڈال کہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈال دے۔

۶۔ کتابوں کو زمین پر مت گرنے دو یہ ہی کتابیں آسمان پر لے جاتی ہے۔

۷۔ تسلیم خم ہیں جو بیٹی کی عزت کا محافظ بن جائے۔

۸۔ کسی کا دل مت توڑو یہ نہ ہو تیرے لئے ایک سزا بن جائے۔

محمد سجاد ناز، پاکپتن شریف

شیطان کی واپسی

حضرت حاتم اصمؒ نے ایک روز فرمایا کہ شیطان نے ایک دفعہ مجھے پھسلانا چاہا۔ مگر میں نے اس کو ایسا جواب دیا کہ وہ مایوس ہو کر چلا گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ تو کیا کھائے گا میں نے کہا موت۔ اس نے کہا کیا پیے گا میں نے کہا کفن۔ اس نے کہا کہاں رہو گے میں نے کہا قبر میں رہوں گا۔ میرا یہ جواب سن کر وہ کہنے لگا تم بڑے سخت مرد ہو۔

کنول فریاد، جلالپور جٹاں

غریب مسلمانوں کا حق

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟''

''آپ ﷺ نے فرمایا ''کسی مسلمان کا دل خوش کر دینا بڑے ثواب کا کام ہے، اگر بھوکا ہو تو کھانا کھلا دو۔ اس کے پاس کپڑے نہ ہوں تو کپڑے پہنا دو یا اس کی کوئی ضرورت اٹکی ہوئی ہے تو اسے پوری کر دو۔''

فرمان رسول ﷺ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عید کا دن تھا کچھ کنیزیں بھی اشعار گا رہی تھیں کہ اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔

بولے ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں یہ گانا بجانا کیسا؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ابوبکر رہنے دو، ہر قوم کے لئے تہوار کا ایک دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے۔''

صغریٰ غزل، مظفر گڑھ

خوش بخت

عید کا دن تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عید ادا کرنے جا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بچے کو روتے ہوئے دیکھا اور وجہ دریافت کی۔ بچے نے کہا۔

''میرا باپ خدا کے نبی ﷺ کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارا گیا، اب میرے پاس نہ کپڑے ہیں نہ کھانا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا، اسے گھر لے گئے۔ کپڑے دیئے کھانا کھلایا۔ اس کے بعد وہ بچہ ہنستا ہوا آیا اور بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے لگا۔ دوسرے بچوں نے کہا۔

''ابھی تم رو رہے تھے اور اب خوش ہو؟'' تو اس نے کہا۔

''میں بھوکا تھا، مجھے کھانا مل گیا۔ کپڑے نہیں تھے وہ مل گئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے باپ بن گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری ماں بن گئیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری بہن بن گئیں تو اب میں روؤں تو مجھ سا بد بخت کوئی نہ ہوگا۔''

انشرح نیازی، کراچی

جائیں گے۔

☆ بات الفاظ کی نہیں بات لہجے کی ہوتی ہے۔

☆ ذہن میں اچھے خیالات کو جگہ دیجیے۔ آپ ہر وقت خیر خواہ دوستوں میں رہیں گے۔

☆ بعض رستوں کو برقرار رکھنا ان کو توڑ دینے سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔

لبنیٰ مشتاق، پھول نگر

سالگرہ

سالگرہ کی شام مبارک
شام کے لب پہ
میری یاد
مچلتی رہنے دینا
اپنے حصے کی سب شمعیں
گل کر دینا۔ لیکن
میرے نام کی آدھی شمعیں
جلتی رہنے دینا

صابرہ یاسین، کراچی

سالگرہ مبارک

اب اس کی یاد سے اس کا بدن تراشتے ہیں
وہ خواب تو نہیں تھا کہ ہم اسے بھلا دیتے
اسی کے واسطے محسن کہی ہے تازہ غزل
اب اس کی سالگرہ پر ہم اور کیا کہتے

شبانہ عندلیب، گوجرانوالہ

اقوال زریں

۱- انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا پیٹ ہے۔

۲- دل کی آنکھ عبادت سے کھلتی ہے۔

۳- شک ایسی بیماری ہے جو انسان کا سکون ختم کر دیتی ہے۔

۴- دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔

سمیرا زینب، مکلی

پرکھ

اس بات پر نہ جاؤ کہ کسی شخص کی شکل و صورت کیسی ہے اور اس میں دوسروں کو لبھانے کی صلاحیت ہے یا نہیں بلکہ یہ دیکھو کہ اس میں اپنے اندر چھپے ہوئے شیطان کو مارنے کی کتنی طاقت ہے کیونکہ یہی شیطان انسان کو گمراہ کر دیتا ہے اور گناہ کے راستے پر لے جاتا ہے۔

سمیرا بٹ، ملتان

کچھ لوگ

کچھ لوگ خطوں کی طرح ہوتے ہیں کہ جنہیں بار بار پڑھ کر بھی دل نہیں بھرتا۔

کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں کہ جو اگر ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی منزلیں مل جاتی ہیں۔

کچھ لوگ گھر کی طرح ہوتے ہیں جو چاہے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کو بے چین رہتا ہے۔

بشریٰ ناز، غالب مارکیٹ

تو یوں کر لیں

رمضان صاحب شہر کے ایک اعلیٰ آڈیٹوریم میں میجک شو دیکھنے گئے تو شعبدے باز کا ایک خصوصی شعبدہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"خدا کی پناہ۔" وہ بے اختیار تحسین آمیز لہجے میں چلائے۔

"یہ کام آپ نے کیسے کیا۔ کیا آپ یہ جادو مجھے نہیں سکھا سکتے؟"

"سکھا سکتا ہوں۔" شعبدہ باز نے متانت سے جواب دیا۔

"لیکن میرا ایک اصول ہے کہ جسے سکھاتا ہوں اسے چند دن بعد قتل کر دیتا ہوں۔"

رمضان صاحب نے ایک لمحہ سوچا پھر بولے۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر میری بیوی کو سکھا دو۔"

زاہدہ حسن، راولپنڈی

☆☆☆

Areeba PakistaniPoint

صائمہ مجید

میری ڈائری سے

ثمینہ مجید: کی ڈائری سے ایک غزل

خواب آنکھوں سے ٹوٹ کر چبھنے لگے ہیں
رنگ میرے دامن کے بکھرنے لگے ہیں
اے خدایا مت تڑپا مجھے تو اتنا
دل کے زخم اور گہرے ہونے لگے ہیں
نہیں تھا نصیب میں تو کیوں پیار دیا
اس کے بنا ہم ادھورے لگنے لگے ہیں
ختم کر دے جدائی کے دنوں کو خدایا
کہ اب لمحہ لمحہ بھی سال لگنے لگے ہیں
رہتا ہے دل میں میری دھڑکنوں کی طرح
یاد آنے سے اس کی آنسو چھلکنے لگے ہیں
آ جاؤ کہ خزاں کا موسم بیت گیا ساجن
اب بہار میں نئے پھول کھلنے لگے ہیں

تحسین اختر: کی ڈائری سے ایک غزل

خوشبو سے ہم آغوش ہوئے
جب سے ہم گل فروش ہوئے
خود کو بھلا دیا تیری یاد میں
تیری قربتوں میں مدہوش ہوئے
تجھے دیکھ کر صبا نگاہوں سے ٹپکی
بن پئے جیسے بادہ نوش ہوئے
محفل میں سخن آرائی اس نے کی
لمحات بھی ہمہ تن گوش ہوئے
چہرے نے ہزار داستاں کہی ہے
تیرے آنے پہ بلوری نقوش ہوئے
دل کے زخموں پر کھرنڈ آنے لگا
نشتر جاں مدفن شہر خاموش ہوئے
تو نے اک بار نظر کرم کی تھی
رقیب اپنے مرتبے سے سبکدوش ہوئے
تیرے سحر کو عالم جاں سے منسوب کیا
اور اپنے ہی گھر میں خانہ بدوش ہوئے

عائشہ حسن: کی ڈائری سے تحسین اختر ایک نظم

محبت لہجے میں جب سرسراتی ہے
اک شام در زندگی کو کھٹکھٹاتی ہے
سرخ رنگ میں لپٹا ہوا کندنی بدن
کان میں ہلکورے لیتا قرمزی جھمکا
ہاتھوں پہ لگی سنہری حنا
اور خواب دریچے میں
ہر سو چاندنی نکھری تھی
پھر تیری مانوس خوشبو بکھری تھی
رنگ آنکھوں سے سپنے چراتے تھے
دل میں بسے لفظ دعاؤں میں مسکراتے تھے
کچے گلابوں کی مہک سانسوں میں گھلی تھی
ساون کی رم جھم ہم نے
گلابی ہتھیلیوں پر چنی تھی
محبت لہجے میں جب سرسراتی ہے
راگ ملن کا ہر لمحہ گنگناتی ہے

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک غزل

نیند جاتی ہے آنکھ سے تو جائے
مگر خواب کا آنچل نہ کھونے پائے
اس کے انتظار کی ساعتیں گنتی
وہ شبنمیں لڑکی گھڑی بھر نہ سونے پائے
آہستہ آہستہ چھڑانے لگا ہے وہ ہاتھ
ادراک یہ کسی کو نہ ہونے پائے
بے بسی کہے ڈوبو دوں ہستی میں ساری
خود داری انا کی پلک بھی نہ بھگونے پائے
دست شفا میں اپنے رکھیں خراشیں

مجھ کو رونے کے تحت مگر وہ دھونے پائے
مسکان بکھرانے کا وقت مل نہ سکا
تقدیر میں اپنی اتنے رونے پائے
اک اشارے پہ دلوں کو زیر کرنے والا
مرد ہے تو مجھ سے مجھے بھی تو چرانے آئے
رکھنا خبر تو ہنستے بستے چہروں کی مولا
سیلاب بستی کو میری جو ڈبونے آئے

سپاس گل: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

چلو منظر بدلتے ہیں
نیا چہرہ سجاتے ہیں
ہم اپنے دل کی چوکھٹ پر
اک تختی لگاتے ہیں
اور
الف سے ی تک
جتنے بھی حروف ابجد ہیں
ان سبھی حرفوں سے حسین کچھ حرف چنتے ہیں
اور
تمہارا نام لکھتے ہیں

فیض رسول قیصر: کی ڈائری سے ایک غزل

مجھ کو لگا ہے میرے ساتھی، عجب زمانہ تیرے بعد
نہ وہ نظمیں، نہ وہ غزلیں، نہ وہ ترانہ تیرے بعد
میں تو سب کچھ بھول چکا ہوں مجھ کو تو اب یاد نہیں
کوئی کہانی تجھ سے پہلے کوئی فسانہ تیرے بعد
میں کیسے خواب سجا پاؤں گا، نیند کی ماری آنکھوں میں
سیکھ لیا ہے پلکوں پر، اک برف جمانا تیرے بعد
ہم نے قیصر سوچ لیا ہے، تم سے بچھڑ کر چپکے سے
ان ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں کیا شہر بسانا تیرے بعد

شکیلہ اعظم: کی ڈائری سے ایک نظم

اداس ویراں صبح میں
کسی ٹھہرے ہوئے پل میں
اس نے کہا!
نم آنکھوں کے ساتھ
نہ جانا شہر دل کی گلیوں سے
اور میں!
جو سب کچھ پہلے ہی لٹا چکی تھی
اور بھی تہی داماں ہو گئی
کہ میرے روز و شب میں
اک سفر بھی لازم تھا
دو خاموش سیاہ آنکھیں
چند خوبصورت وعدے
اور کچھ
ابھی بکھری یادیں
فقط!
میری زندگی کا حاصل تھا

مریم ماہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم

تمہیں جانے کی جلدی تھی
ابھی تو خوشیوں کی آمد ہے، مگر تمہیں جانے کی جلدی تھی
مجھے کچھ لمحوں کا اعتبار ہی تو چاہیے تھا
مگر تمہیں تو کچھ اور ہی کی خواہش تھی
پھر کیسے کہوں کہ تم کہاں کے سچے تھے
وہ بات جو تمہارے لبوں پہ اٹکی تھی
کچھ مفہوم بدلے میری نگاہوں سے عیاں تھی
بس سارے کھیل مفہوم کے ہی تو تھے
تمہیں صرف اک دوست کی خواہش تھی
جو تمہاری وقت گزاری کو کام آ جائے
مجھے اک ہمدرد ساتھی کی تلاش تھی
اک ایسا کاندھے کی تلاش میں سرگرداں
کہ جس پر ماتھا ٹیک کر
میں صدیوں کا غم لمحوں میں اتار ڈالوں
پھر تم ہی بولو..... تم کہاں کے سچے تھے؟
تم آزاد پنچھی..... کلی کلی منڈلاتے بھنورے
میں اک سچے ساتھی کی تلاش میں مست
اگر تم سچے ہوتے تو یوں جلدی کیوں چلے جاتے
تمہیں تو بس جلدی جانے کی خواہش تھی

خلیل احمد: کی ڈائری سے ایک غزل

چار سو وحشتوں کا ڈیرہ ہے
کیسے موسم نے آن گھیرا ہے
آپ ملتے رہیں تو بہتر ہے
چار دن کا یہاں بسیرا ہے
اپنی اپنی لگن میں سب گم ہیں
کون تیرا ہے کون میرا ہے
تیری یادوں کے جگنوؤں کی قسم
زندگی میں بہت اندھیرا ہے
جب بھی دیکھا تمہیں لگا ہے مجھے
کوئی بھی وقت ہو سویرا ہے

جمیل زیدی: کی ڈائری سے ایک غزل

مہکا تیرا خیال تو چلنے لگی ہوا
پھر پیکر جمال میں ڈھلنے لگی ہوا
تم آئے تھے تو کیسا سکوں تھا ہر ایک سمت
تم چل دیئے تو پھر سے مچلنے لگی ہوا
بے مروت گفتگو تھی کوئی لفظ ہی نہ تھا
جب کچھ نہ جان پائی تو جلنے لگی ہوا
کچھ دن یہاں پہ سانس بھی لینا محال تھا
تم ہنس دیئے تو پھولنے پھیلنے لگی ہوا
اس واسطے ہوا پہ نظر ہے مرا جمیل
اس کا مزاج دیکھ بدلنے لگی ہوا

عابد محمود: کی ڈائری سے سرور شاذ کی ایک غزل

الجھے بال بھیگے نین دکھوں کی حبس زدہ فضا کچھ بول بھی
وہ جن کے وعدوں پہ تھا یقین اب کیوں ہوئے خفا کچھ بول بھی
خوابوں کے تاج محل وہ سارے تاج محل تو ہو گئے ہیں مسمار
پھر بھی چپ ہے کیا یاد آ رہا ہے اس کا عہد وفا کچھ بول بھی
یہ آنکھیں یہ سانسیں یہ دھڑکتی زندگی تیرے لیے اس نے کئی بار کہا
یہ کیا کہ تیرا دل تو ہے اب صحرا اور تو تنہا کچھ بول بھی
تیری رفاقتوں میں تھیں اس کی رفاقتیں اور تو رفاقتوں میں
تھا بہت پاگل شاید ملی ہے اب تجھے اس کی سزا کچھ بول بھی
نفرتوں کے ہجوم میں سہم زدہ لوگوں کے درمیاں رل گیا ہوں
میں کون ہوں میری منزل کہاں اے میرے خدا کچھ بول بھی
یادوں کے سائے تلے اک تیرا دکھ اک میرا دکھ دونوں مل بیٹھے
تیرے دکھ نے میرے دکھ سے میرے دکھ نے تیرے دکھ سے کہا کچھ بول بھی
کل میں نے تجھے دیکھا قطار میں لگے وہاں جہاں بکتے ہیں دل
کیا اتنی سستی ہو گئی ہے وفا یا تجھے مان لوں بے وفا کچھ بول بھی

سعدیہ ہما: کی ڈائری سے ابن انشاء کی ایک نظم

ہاں اے دل دیوانہ

وہ آج محفل میں
ہم کو بھی نہ پہچانا
کیا سوچ لیا دل میں
کیوں ہو گیا بیگانہ
ہاں اے دل دیوانہ
وہ آپ بھی آتے تھے
ہم کو بھی جلاتے تھے
کس چاہ سے ملتے تھے
کیا پیار جتاتے تھے
کل تک جو حقیقت تھی
کیوں آج ہے افسانہ
بس ختم ہوا قصہ
اب ذکر نہ ہو اس کا
وہ شخص وفا دشمن
اب اپنا ہوا دشمن
اب اس سے نہیں ملنا
گھر اس کے نہیں جانا
ہاں اے دل دیوانہ
ہاں کل سے نہ جائیں گے
پر آج تو ہو آئیں
اس کو نہیں پا سکتے
اپنے ہی کو کھو آئیں
تو باز نہ آئے گا
مشکل تجھے سمجھانا
وہ بھی ترا کہنا تھا
یہ بھی ترا فرمانا
چل اے دل دیوانہ

☆☆☆

رنگِ حنا

مددگار

ایک تاجر اپنی کار میں ایک گاؤں سے گزر رہا تھا اس نے راستے میں ایک کسان کو روک کر پوچھا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ چک چھتیس کی طرف کون سا راستہ جاتا ہے؟''

''نہیں۔'' کسان نے جواب دیا۔

''میں شرمندہ ہوں کہ آپ کے کام نہ آ سکا۔''

یہ جواب سن کر تاجر آگے بڑھ گیا۔ جب وہ وہاں سے تھوڑی دور نکل آیا تو اسے پیچھے سے آوازیں سنائی دیں۔ اس نے دیکھا کہ دو آدمی ہانپتے کانپتے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کی طرف بھاگے چلے آ رہے ہیں اور ان میں سے ایک وہی کسان تھا۔

''کیا بات ہے؟'' تاجر نے کسان سے پوچھا۔

''یہ میرا دوست فیکا ہے۔'' کسان نے جواب دیا۔

''میں نے اس سے پوچھا تھا لیکن اسے بھی چک نمبر چھتیس کا راستہ معلوم نہیں۔'' کسان نے معصوم سے لہجے میں بتایا۔

فرحین ملک، دھوریہ

پولیس والے کی شادی

ہمارے خیال میں ایک پولیس والے کی شادی اس طرح ہونی چاہیے۔

منگنی کی رسم ایک انگوٹھی کے بجائے ہتھکڑی استعمال کی جائے۔

مہمانوں کو شادی کارڈ کے بجائے وارنٹ جاری کر دیے جائیں۔

مہندی کی رسم کوڑوں سے ادا کی جائے۔

بارات پولیس وین میں آئے۔

نکاح تھانے میں ہو۔

حق مہر میں مقدمات لکھوائے جائیں۔

جہیز میں عدالت اور جیل ملے۔

دعوت میں جیل کی دال روٹی کھلائی جائے۔

والدین رخصتی کے وقت یہ دعا کریں جا بیٹی تجھے عمر قید اور بامشقت ہو۔

محمد سجاد ناز، پاکپتن شریف

خرابی

ایک انسپکٹر سکول کے معائنے کے لئے تشریف لائے چھٹی جماعت میں داخل ہو کر انہوں نے بلیک بورڈ پر یہ فقرہ لکھا ہم دودھ پیتا ہے اور پھر ایک لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا بتاؤ اس جملے میں کیا خرابی ہے تو لڑکے نے جواب دیا جناب! آپ کی لکھائی بہت خراب ہے۔

کنول فریاد، جلالپور جٹاں

مکان

ایک آدمی مکان خریدنے کے لئے پراپرٹی ڈیلر کے پاس جا رہا تھا۔ راستے میں ایک مکان کے آگے بورڈ لگا ہوا تھا۔

''مکان برائے فروخت''

اس آدمی نے گھوم پھر کر گھر کو دیکھا۔ اسے پسند آ گیا۔ جب وہ مکان کے مالک سے ملا اور

قیمت طے کی تو پوچھا۔
''بھائی صاحب! یہ گھر کافی پرانا ہے کہیں یہاں کوئی جن بھوت تو نہیں رہتے؟''
''ہمیں کیا معلوم یہاں بھوت رہتے ہیں یا نہیں۔ ہمیں مرے ہوئے تو بیس برس ہو چکے ہیں۔'' مالک نے جواب دیا۔

کوکب رفیق، لاہور

باقاعدہ سرٹیفکیٹ

ایک بوڑھے پنشنر کی پنشن اچانک بند ہو گئی جنوری سے جون تک اسے کچھ نہیں ملا۔ آخر اس نے متعلقہ دفتر سے رجوع کیا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ کاغذات کی رو سے کئی ماہ قبل اس کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس نے درخواست دی کہ میں تو زندہ ہوں۔ جواب ملا باقاعدہ سرٹیفکیٹ بھیجئے۔ بوڑھا کمشنر کے پاس گیا۔ کمشنر اس کی شکایت سن کر بہت ہنسا اور اس نے تصدیق کر دی کہ ''میں ان صاحب کو اپریل سے دیکھ رہا ہوں اور یہ زندہ ہیں۔'' اگلے ہفتے تین ماہ کی پنشن کے ساتھ انہیں ایک خط ملا۔
آپ کے سرٹیفکیٹس کے مطابق اپریل، مئی اور جون کی پنشن ارسال ہے براہ کرم ایک اور سرٹیفکیٹ ارسال فرمائیے کہ آپ جنوری فروری اور مارچ میں بھی زندہ تھے تاکہ آپ کی باقی پنشن بھی بھیج دی جائے۔

فوزیہ غزل، رسالہ شیخوپورہ

نازک رشتے

کبھی کبھی وہ رشتے بھی دم توڑ دیتے ہیں جن سے زندگی کی سانسیں چل رہی ہوتی ہیں۔ لاکھوں آرزوئیں جو منزل تک پہنچنے کے لئے مچل رہے ہوتے ہیں وہی زندگی کو تاریک کر دینے والے ہوتے ہیں۔ جو صدیوں ساتھ رہنے کا عہد تو کرتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ ان جھوٹے وعدوں سے کسی کی زندگی کس حد تک متاثر ہو گی۔ ہمیشہ ان کی زندگی اندھیری راہوں میں بھٹکتی روح کی طرح تڑپتی رہے گی اور سسک سسک کر یہ کہے گی کہ اس دنیا کے تمام رشتے ناطے اور بندھن جھوٹے ہیں۔

محمد ندیم ساجد کھوکھر، پاکپتن شریف

سمجھدار

''آپ نے ٹھیک کہا تھا ڈیڈی۔'' آریان نے سکول سے واپس آ کر بتایا۔
''جب میں نے مس سے کہا کہ میرا ایک بھائی پیدا ہوا ہے تو انہوں نے مجھے فوراً چھٹی دے دی اور کہا کہ تم گھر جا کر اپنے بھائی کے ساتھ کھیلو۔''
''لیکن ہمارے ہاں تو جڑواں بچے پیدا ہوئے ہیں کیا تم نے یہ بات اپنی مس کو نہیں بتائی تھی۔''
''نہیں ڈیڈ! میں ایک بچے کو کسی اور وقت کے لئے بچا کر رکھنا چاہتا ہوں۔''

ثناء قمر الدین، کراچی

امپائرنگ

کھیل کے ذیدان امپائر کے فیصلوں پر مسلسل تنقید ہو رہی تھی سب سے زیادہ شور ایک شخص مچا رہا تھا جب معاملہ امپائر کی برداشت سے باہر ہو گیا تو اس نے شخص کے پاس پہنچا۔
''امپائرنگ میں کر رہا ہوں یا تم کر رہے ہو؟'' اس نے جھلا کر پوچھا۔
''امپائرنگ۔'' اس شخص نے حیرت سے کہا۔
''وہ تو نہ تم کر رہے ہو نہ میں کر رہا ہوں۔''

زاہد زہرا، کہروڑ پکا

بہت برا

دو دوست ایک ہوٹل میں بیٹھے تھے ایک نے سامنے والی میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ آدمی مجھے بہت برا لگتا ہے۔"
"کون سا؟" دوسرے نے پوچھا۔
"اس میز پر تو پانچ آدمی بیٹھے ہیں۔"
"وہ جس نے ٹوپی پہن رکھی ہے۔"
"ٹوپی تو سب نے پہنی ہے۔"
"وہ جس کی داڑھی ہے۔"
"لیکن داڑھی تو سب کی ہے۔"
پہلے دوست نے تاؤ کھا کر پستول نکالا اور ایک ایک کر کے ان میں سے چار کو ڈھیر کر دیا پھر بولا۔
"وہ جو بچ گیا ہے وہ مجھے بہت برا لگتا ہے۔"

عابد محمود، ملکہ ہانس

معجزہ

لارڈز کی زیارت گاہ سے پلٹنے والے ایک عیسائی زائر کو کینیڈی ایئرپورٹ پر کسٹم کے لیے رکنا پڑا۔ جب اس کی باری آئی تو اس نے کہا۔
"میرے پاس کوئی چیز غیر قانونی نہیں ہے۔"
"اس شیشی میں کیا ہے؟" کسٹم آفیسر نے پوچھا۔
"اس میں۔" زائر نے کہا۔
"چاہ بورڈس کا مقدس پانی ہے۔"
کسٹم آفیسر نے بوتل کھول کر اسے سونگھا اور منہ بناتے ہوئے بولا۔
"کون کہتا ہے کہ یہ مقدس پانی ہے۔" اس نے کہا۔
"یہ تو وہسکی ہے۔"
زائر نے اچھلتے ہوئے کہا۔
"کیا بات ہے سینٹ برنارڈ کی۔ ایک اور معجزہ!"

نازیہ عمر، پشاور

تردید

ریس کے شوقین ایک صاحب نے اپنی بیوی کے روز روز کے لڑائی جھگڑے سے تنگ آ کر وعدہ کر لیا تھا کہ آئندہ وہ ریس نہیں کھیلیں گے۔ انہی دنوں ایک پرانا دوست ان سے ملنے آ پہنچا اور باتوں ہی باتوں میں بولا۔
"سناؤ نیلم پر بڑی رقمیں خرچ کر رہے تھے کچھ فائدہ ہوا کہ نہیں۔"
بیوی شعلہ بار نظروں سے شوہر کو گھورتی، پاؤں پٹختی کمرے سے باہر چلی گئی۔ ان صاحب نے دوست پر آنکھیں نکالیں۔
"کیا غضب کر دیا تم نے یار، میں نے بیوی کو بتا رکھا ہے کہ میں آج کل بالکل ریس نہیں کھیل رہا۔"
اس دوران بیوی دوبارہ کمرے میں آئی تو دوست اس سے مخاطب ہوا۔
"میں تو مذاق کر رہا تھا بھابی۔ نیلم کسی گھوڑی کا نہیں یہ تو لڑکی کا نام ہے۔"

شہزیب احسن، سرگودھا

نیند کی گولی

ایک کلرک ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا۔
"مجھے بہت زیادہ نیند آتی ہے، اس لیے وقت پر دفتر نہیں پہنچ سکتا، کوئی ایسی دوا دیجیے کہ بروقت دفتر پہنچا کروں ورنہ اس نیند کی بدولت مجھے نوکری سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"
ڈاکٹر نے اسے چند گولیاں دیں اور کہا۔
"سوتے وقت ایک گولی کھا لیا کرنا۔"
وہ کلرک رات کو گولی کھا کر سویا اور صبح اٹھا تو بہت حیران ہوا کیونکہ وہ وقت سے پہلے اٹھ گیا تھا۔ چنانچہ وہ مقررہ وقت سے دو چار منٹ پہلے ہی دفتر جا پہنچا اور افسر سے کہا۔
"دیکھئے سر! آج میں وقت پر آفس آ گیا ہوں۔"
افسر نے جواب دیا۔

''یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کل کہاں رہے؟''

لائبہ رضوان، فیصل آباد

رنگ حنا

یہ تو صرف ظرف کی بات ہے کوئی سمیٹے رکھتا ہے کس طرح
کہ جتنے دکھ ملتے ہیں اتنے دامن کشادہ نہیں ہوتے
جو خود پر جھیل چکے ہوں کرب ٹوٹے ہوئے دل کا
وہ کسی کا دل دکھانے پر آمادہ نہیں ہوتے

ناصر حسن، خانیوال

قطعہ

بھول جانا بھی اسے یاد بھی کرتے رہنا
اچھا لگتا ہے اس دھن میں بکھرتے رہنا
ہجر والوں سے بڑی دیر سے سیکھا ہم نے
زندہ رہنے کے لئے جان سے گزرتے رہنا

عاصمہ سلیم، ملتان

بکھرے موتی

☆ محبت میں نقصان سے بچنے کے لئے اسے جب بھی محسوس کرو بہت دھیما سبک اور ٹھہرا ہوا کبھی شدت نہ آنے دو۔

☆ اللہ جس کو عاجز کرنا چاہتا ہے اس کی عاجزی چھین لیتا ہے۔

☆ توبہ توفیق کا نام ہے۔

☆ تعریف کئے جانے کی خواہش شرک کی ایک قسم ہے۔

☆ کسی کی ضرورت کو پوری کر کرے احسان کا نام دینا کم ظرفی ہے۔

☆ اخلاق ایک طاقت ہے کیونکہ یہ ضبط کی طاقت کا نام ہے۔

نبیہ طارق، کراچی

''صحت''

1- سگریٹ اور چائے کثرت سے استعمال کریں۔

2- ہمیشہ ٹینشن میں رہنے اور خوشی کے قریب مت جائیں۔

3- صبح کی سیر اور جلدی اٹھنا اور ورزش تو بالکل نہیں کرنا۔

4- رات کو جلدی بالکل نہ سوئیں بلکہ رات گئے تک جاگیں یہ آپ کی صحت کے لئے اچھا ہے۔

5- ان پر عمل کر کے آپ تندرست رہیں گے۔

نازیہ عمر، پشاور

مجھے تم سے محبت ہے

میں تم کو یاد کرتی ہوں
کہ جیسے
غم خوشیوں کے لمحوں کو
محبت بے وفائی کو
بڑھاپا اپنے بچپن کو
مگر تم یہ سمجھتے ہو
کہ یہ دل رکھنے کی باتیں ہیں
یہ جھوٹے رشتے ناطے ہیں
تمہیں کیسے یقین ہوگا
مجھے تم سے محبت ہے

معکنون شاہ، لاہور

اک سوچ

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں
کہ میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں
جتنی پھول میں خوشبو
یا جیسے سیپ میں موتی
یا جس طرح چاند کا ناتا چکوری کے ساتھ
مگر نہیں
میں تو تمہیں اتنا چاہتی ہوں
جیسی دل کا تعلق دھڑکن کے ساتھ

شازیہ ثمن، جھنگ

سیاہ فن

---- دھوریہ

فرحین ملک

کمال اس نے کیا اور میں نے حد کر دی
کہ خود بدل گیا اس کی نظر بدلنے تک

.....

یہی ہے ناں تمہیں ہم سے بچھڑ جانے کی جلدی ہے
کبھی ملنا تمہارے مسئلے کا حل نکالیں گے

.....

راہ حیات میں جذبہ کامل ہو جس کے ساتھ
خود اس کو ڈھونڈ لیتی ہے منزل کبھی کبھی

یاسمین کوثر ---- بہاولنگر

یاد آتے ہیں برسات کے بھیگے ہوئے موسم
پہلے کی طرح کیوں نہیں ساون مینہ بہاتے
یہ چاند ستارے مجھے کرتے ہیں نصیحت
راتوں کو پھرا کرتے ہو سو کیوں نہیں جاتے

.....

جو لوگ چلے جاتے ہیں واپس نہیں آتے
ہم بھولنا چاہیں تو بھلا بھی نہیں پاتے
کیوں ہجر کی دولت ہمیں بن مانگے ملی ہے
ملتا جو تیرا پیار تو آنسو نہ بہاتے

.....

محمد سجاد پرنس ناز ---- پاکپتن شریف

جب تو نہیں تو پھولوں نے مسکرانا چھوڑ دیا
بے رنگ سا میرا شہر بہاروں نے آنا چھوڑ دیا

.....

اس قدر ہو گے دل کے گہرے زخم
کہ ہم نے ناز مرہم لگانا چھوڑ دیا

.....

سباس گل ---- رحیم یار خان

جس شب کی صبح غریب بھی خوشیاں سمیٹ لے
کیا زندگی میں ایسی کوئی رات آئے گی

.....

چاندی سجا کے بیٹھی ہیں بالوں میں بیٹیاں
مفلس کو پھر بھی آس ہے بارات آئے گی

.....

زرین اطہر صدیقی ---- راولپنڈی

عمر بھر جن کی وفاداری کرو!!
ساتھ لمحوں میں چھوٹ جاتے ہیں
خواب تو پل دو پل کے ساتھی ہیں
آنکھ کھولو تو ٹوٹ جاتے ہیں

.....

دل نے تمہیں پکارا ہے اس موڑ پہ کہ جب
مجھ کو تو اپنی بھی کوئی خواہش نہیں رہی
بہت قریب سے نقش دھندلانے لگے
ہوئے جو دور بے طرح یاد آنے لگے

.....

بدلتی رت کے اپنے نئے تقاضے تھے
پرانی یاد کے نئے زخم دل دکھانے لگے
سہمے سہمے ہوئے دن اور غمزدہ راتیں
زندگی اپنے لئے درد لا دوا ٹھہری

کوکب رفیق ---- لاہور

قیمت لگا سکا نہ کوئی دل کی آج تک
خالی ہے مدتوں سے یہ گھر دیکھ لیجئے

.....

پھر تو نے چھیڑ دی ہے گئی ساعتوں کی بات
وہ گفتگو نہ کر کہ تجھے بھی ملال ہو

.....

کنول فریاد حسین ---- جلالپور جٹاں

مجھے جانے سے پہلے روک لو میں دسترس میں ہوں

سفر کے بعد میرے ساتھ میری بے حسی ہو گی
تم کیا جانو اس لڑکی کے دل میں کتنے آنسو ہیں
کسی محفل میں جو سب سے زیادہ مسکرا رہی ہو گی

.....

اس خوف سے وہ میرا ساتھ نبھانے کے حق میں ہے
کھو کر مجھے یہ لڑکی کہیں خوف سے مر نہ جائے
جو میرا نصیب تھا مل گیا، جو چھینا ہے مجھ سے میرا نہ تھا
تیرا دل یہ رمز سمجھ گیا تو کوئی کمی نہ رلائے گی

.....

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

مٹا سکی نہ انہیں روز و شب کی بارش بھی
دلوں پہ جو نقش رنگ حنا کے رکھے تھے
حصول منزل دنیا کچھ ایسا کام نہ تھا
مگر جو راہ میں پتھر انا کے رکھے تھے

.....

اپنے لہو کی تال پہ خواہش کے مور کو
اے دشت احتیاط کبھی ناچنے تو دے
یہ سات آسماں کبھی مختصر تو ہوں
یہ گھومتی زمیں کہیں ٹھہرنے تو دے

.....

اب تو ہر ایک ہاتھ میں کاسہ دکھائی دے
اک آدمی نے قوم کو سائل بنا دیا

شانی سیال ---- مظفر گڑھ

تم اپنے دل کے دروازے مقفل شوق سے کر لو
بس اپنی ذات سے اذن شناسائی مجھے دے دو

.....

تمہارے بعد ہر منظر مجھے بے رنگ لگتا ہے
یہ آنکھیں چھین لو یا اپنی بینائی مجھے دے دو

.....

حنا ---- عمر کوٹ

اب تمہیں کیا بتائیں ہم، کیسے تمہیں دکھائیں ہم
سینے میں کیا اتر گیا، آنکھ پہ کیا گزر گئی

.....

فوزیہ ثمر بٹ ---- گجرات

زندگی نے میری مفہوم جہاں سے پایا
مجھ کو اچھا نہیں لگتا اسے مقتل لکھنا
پیار کے سچے مراسم کا پتا دیتا ہے
خط کے القاب میں اس کا مجھے پاگل لکھنا

.....

ڈھانچے کے ایک ڈھیر کی گنتی سے فائدہ
کیوں ہو رہی ہیں شہر میں مردم شماریاں

مہناز فاطمہ ---- خوشاب

یہ قربتیں ہی بڑے امتحان لیتی ہیں
کسی سے واسطہ رکھنا تو دور کا رکھنا

.....

کھو آؤ گے اک روز کسی موڑ پہ خود کو!
اس دل کی مسافت تمہیں کچھ بھی نہیں دے گی

.....

کیوں مرا ساتھ چھوڑے جاتے ہو
راستہ رہنما نہیں ہوتا !

شازیہ ثمن ---- جھنگ

صحن گل میں خاک اڑاتی آ گئی باد سموم!
باغ نے پھولوں کا گہنا بھی ابھی پہنا نہ تھا
شاخ کی آنکھیں خزاں کے رت جگے سے چور تھیں
برگ کے سینے میں دل تھا جو ابھی دھڑکا نہ تھا

.....

پتھر پہ لکیروں کی طرح دل میں تیرا نام
اور لوگ کہیں مجھ سے اب اس کو بھلا دو

.....

اک غفلت تمام نے بینا بنا دیا
اک ساعت تمام پھر بینائی لے گئی
جذبے حصول رزق کے رستوں میں چھل گئے
خوابوں کو میرے عہد کی شناسائی لے گئی

نعیمہ رانا ---- ملتان

رستوں کو دھواں، شہروں کو سنسان نہ کرتے
کرنا ہی تھا تو یہ کام انسان نہ کرتے
کچھ دیر ہمیں رہنے دیا ہوتا گھروں میں

کچھ دیر ہمیں بے سرو ساماں نہ کرتے

.....

ہمارے قول و عمل میں تضاد کتنا ہے
مگر یہ دل ہے کہ خوش اعتماد کتنا ہے

.....

ہجر کے بھی پہلو، رنجشوں کے سارے دکھ
کتنے اچھے لگتے ہیں چاہتوں کے سارے دکھ
مسئلہ انا کا تھا، فاصلے دلوں کے تھے قربتوں سے کیا
مٹتے دوریوں کے سارے دکھ

عطیہ شیخ ---- کہروڑ پکا

پھولوں سے گر بہار نے بھر بھی دیا تو کیا
دامن میرا اداس رہا خار کے بغیر
اس شوخ سے بچھڑ کے ظفر اپنی زندگی
جیسے مکاں ہو کوئی دیوار کے بغیر

.....

ہمیں معلوم ہے ہر جیت بالآخر ہماری ہے
سو ہم وقتی شکستوں پہ دل تھوڑا نہیں کرتے

.....

زندگی درد کا عنوان کہاں تھی پہلے!
مبتلا رنج میں یہ جان کہاں تھی پہلے
دل جو ٹوٹا تو کھلا سب کی محبت کا بھرم
اپنے بے گانے کی پہچان کہاں تھی پہلے

رضوان علی ---- ساہیوال

ساری بات تعلق کی ہے جذبوں کی سچائی تک
میل دلوں میں آ جائے تو گھر ویرانے ہو جاتے ہیں
ہر اک چیز بدل جاتی ہے عشق کا موسم آتے ہی
راتیں پاگل کر دیتی ہیں، دن دیوانے ہو جاتے ہیں

.....

جوتے سے لگ کر مٹی محل تک پہنچ گئی
ہم فطرتاً پہاڑ تھے رستے میں رہ گئے

.....

درد دل کی اساس ہو شاید
غم جوانی کو راس ہو شاید
کہہ رہی ہے فضا کی خاموشی

کوئی مہربان ہو ایسا جو گلے لگا کر روئے
میں اسے رلا کر روؤں وہ مجھے رلا کر روئے
بے بس تھے دونوں یکساں بس فرق اس قدر تھا
میں نظر اٹھا کے رویا وہ نظر جھکا کر روئے

.....

اب بھی وہ ہجر کے لمحات میں کھویا ہو گا
اس کے دامن کو بھی اشکوں نے بھگویا ہو گا
ایک میری چشم میں تر غم تنہائی میں
ہاں ذرا دیر کو وہ شخص بھی رویا ہو گا

شازیہ نواب ---- علی پور

بڑی دلچسپ غفلت ہو گئی ہے
اچانک ان سے الفت ہو گئی ہے
انہیں کچھ علم ہے کہتی ہے دنیا
مجھے ان سے محبت ہو گئی ہے

.....

چراغوں کو آنکھوں میں محفوظ رکھنا
بڑی دور تک رات ہی رات ہو گی
میں ہر حال میں مسکراتی رہوں گی
آپ کی محبت اگر ساتھ ہو گی

.....

یہاں چہروں پہ حیرانی بہت ہے
شہر دل میں ویرانی بہت ہے
دشمن کا بھلا کیوں خوف ہو مجھ کو
مجھے رب کی نگہبانی بہت ہے

افشاں اشرف ---- عارف والا

اس نے ہم سے بے وجہ ترک تعلق کر لیا
زندگی بھر یہ خطا ہم سے مگر نہ ہو سکی
رابطے نہ کر سکے ہم لشکر طاغوت سے
اس لئے اپنی کہیں اب تک گزر نہ ہو سکی

.....

اک عمر میں نے کی ہے رنج و الم سے جنگ
اب تو خوشی کی مجھ کو کوئی خبر ملے

.....

کرتا رہا تلاش جن کو میں عمر بھر

وہ پرسکون لمحے مجھے دار پر ملے
سعدیہ وہاب ---- سرگودھا

کھوئے ہوئے رہنا دن کو، روئے پھرنا راتوں کو
جو ہیں عاقل وہ کیا سمجھیں عشق و جنوں کی باتوں کو

.....

عشق لامحدود جب تک رونما ہوتا ہے
زندگی سے زندگی کا حق ادا ہوتا ہے
اس سے بڑھ کر دوست کوئی دوسرا ہوتا نہیں
سب جدا ہو جائیں لیکن غم جدا ہوتا نہیں

.....

میری تاریک راتوں کا جگنو ہو تم
روشنی میں نہ آنے کا وعدہ کرو
روٹھنا ہے ضروری تو روٹھو مگر
بعد میں مان جانے کا وعدہ کرو
ناصر حسن ---- خانیوال

ایسا کیوں کہ جانے سے صرف ایک انسان کے
ساری زندگانی ہی بے ثبات ہو جائے
ایک بار کھیلے تو وہ میری طرح اور پھر
جیت لے وہ ہر بازی مجھ کو مات ہو جائے

.....

اسے پکارا تو ہونٹوں پہ کوئی نام نہ تھا
محبتوں کے سفر میں عجب فضا آئی
کہیں رہے مگر وہ خیریت کے ساتھ رہے
اٹھائے ہاتھ تو یاد ایک ہی دعا آئی

.....

معجزہ دکھلائے گا دست خدا بھی اک دن
وہ میرے دل سے زخم اور آنکھوں سے نمی لے جائے
عاصمہ سلیم ---- ملتان

وقت تمام زخم بھر دیتا ہے
کوئی کب تک اپنا رہتا ہے
آخر اسے لوٹ جانا ہوتا ہے
جو اجنبی دیس سے آیا ہوتا ہے

.....

جب میں سوچوں کی گرفت سے نکل آؤں گی
تب کوئی نہ کوئی خواب آنکھوں میں سجاؤں گی
وقت گزر جائے بے شک اپنی رفتار سے
میں یقین محبت کے سہارے آؤں گی

.....

رفاقتیں کبھی زنجیر پا نہیں ہوتیں
نہ مل سکو بچھڑ جاؤ دوستوں کی طرح
نبیہ طارق ---- کراچی

کیسے نامانوس لفظوں کی کہانی تھا وہ شخص
اس کو کتنی مشکلوں سے ترجمہ میں نے کیا

.....

جنگل میں اس طرح کی اداسی کبھی نہ تھی
اے کارواں ٹھہر کوئی ساتھی بچھڑ گیا

.....

کتنی سادگی سے تیرے حسن و جمال میں
شوخی بھی تجھ کو دیکھ کر سنجیدہ ہو گئی
نازیہ عمر ---- پشاور

کوئی رت ہے زمانے میں ہمیں کیا معلوم
اپنے دامن میں لئے پھرتی ہے مسرت ہم کو
زخم یہ وصل کے مرہم سے بھی شاید نہ بھرے
ہجر میں ایسی ملی اب کے مسافت ہم کو

.....

ہم نے غم سے نجات مانگی تھی
مسکراتی حیات مانگی تھی
دینے والے یہ برہمی کیسی
ہم نے کیا کائنات مانگی تھی

.....

نگاہ اپنے لئے ایک معجزہ چاہے
ہر آئینے میں تیرا عکس دیکھنا چاہے
معکنوں شاہ ---- لاہور

پرانے عہد کو جب زندہ کرنے کا خیال آئے
مجھے بس اتنا لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی

☆☆☆

جناں کی محفل

کنول فریاد حسین ---- جلالپور جٹاں

س: السلام علیکم! کیا پہلی دفعہ حاضری کی اجازت ہے؟

ج: وعلیکم السلام خوش آمدید اس میں اجازت والی کیا بات ہے۔

س: میں آپ سے کیا سوال پوچھوں؟

ج: جو دل میں آئے۔

س: کیا آپ کو میری آمد اچھی لگی؟

ج: بری بھی نہیں لگی۔

س: اچھا اب اجازت چاہوں گی؟

ج: اللہ حافظ۔

س: آپ کو سوالوں کے جواب دینا کیسا لگتا ہے؟

ج: اچھا بلکے بہت ہی اچھا۔

س: ہر گھڑی ہے حادثوں کا ایک نیا ہی سلسلہ
لڑکھڑاتی خواہشوں کا، کارواں ہے زندگی

ج: کچھ لمحے گزارنے ہیں ہمیں کچھ لمحوں سے ہم گزارہ کرتے ہیں
کچھ زندگی گزارنی ہے ہمیں کچھ زندگی سے ہم گزارہ کرتے ہیں

محمد ندیم ساجد کھوکھر ---- پاکپتن شریف

س: تمہاری یاد آتے ہی نکل پڑتے ہیں آنسو
یہ وہ برسات ہے جس کا کوئی موسم نہیں ہوتا

ج: جنہوں نے ہار کبھی نہیں دیکھی ہوتی عمر بھر
ایسوں کو تو چھوٹی سی اک مات رلا دیتی ہے

س: یادوں کی باتوں کا یقین کر لیا میں
پھولوں میں چھپا ہوا خنجر نہیں دیکھا

ج: محبتیں تو فقط انتہائیں مانگتی ہیں
محبتوں میں بھلا اعتدال کیا کرنا

س: جانے والے کو بھلا کون روک سکا ہے
تم چلے ہو تو کوئی روکنے والا بھی نہیں ہے

ج: اس نے روکا بھی نہیں
اور میں ٹھہرا بھی نہیں

س: اچھا ہوا جو راہ میں ٹھوکر لگی ہمیں
ہم گر پڑے تو سارا زمانہ سنبھل گیا

ج: راستے بھر کی رفاقتیں بھی بہت ہے اے دوست
ورنہ منزل پہ پہنچ کر کون کس کا آشنا

س: ہم نے تجھ کو لاکھ پکارا لیکن تم خاموش رہے
آخر ساری دنیا سے ہم تیرے بہانے روٹھ گئے

ج: آپ کے ہوتے ہوئے کس چیز کی خواہش کریں
آپ کے ہوتے ہوئے دونوں جہاں موجود ہیں

سعدیہ رحیم ---- ملتان

س: جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟

ج: بھلا کس میں اتنی ہمت ہوگی کہ وہ مور کو ناچتا دیکھنے کے لئے جنگل کا رخ کرے۔

س: یہ شوہر لوگ کب شادی شدہ ہونے پر پچھتاتے ہیں؟

ج: جب سامنے والی کھڑکی کھلنے اور بند ہونے لگے۔

س: عقل بڑی یا بھینس؟

ج: بھینس کیونکہ وہ اپنے فائدے کے لئے دودھ بھی خالص نہیں دیتی۔

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

س: انسان کن لمحات میں چونک اٹھتا ہے؟

ج: جب کسی حسینہ سے ٹکرا جائے۔

س: لوگ خوبصورت چہروں کو چاند سے کیوں تشبیہ دیتے ہیں سورج سے کیوں نہیں؟

ج: چاند رات کے وقت جو نکلتا ہے۔

س: یہ دنیا والے شکل صورت اور پیسے پر کیوں مرتے ہیں؟

ج: صرف پیسے پر کہیں، شکل صورت تو بعد کی

اداکاری سے بزنس تک

پریتی زنٹا نے جنوری میں عمر عزیز کے تیئیس برس مکمل کر لئے خوش قسمتی سے امیر کبیر، نیس واڈیا، ابھی تک مس پریتی سے وفاداری نبھا رہا ہے پریتی جانتی ہے اس کا ایکٹینگ کیریئر سائیڈ لائن لگ چکا ہے اس لئے اس وقت اس کی ساری توجہ بزنس مین گھرانے کی بہو اور بزنس ویمین بننے میں لگی ہے اس کی ایک مثال اس وقت سامنے آئی جب انڈین پریمئیر لیگ کے کرکٹ میچز کے لئے جو نیلامی ہوئی اس میں پریتی اپنے متوقع ہونے والے شوہر نیس واڈیا کے ساتھ شرکت کی اور بڑی سے بڑی بولی لگا کر موہالی میں ہونے والے میچ کے حقوق تین بلین کے عوض حاصل کر لئے اس طرح پریتی نے نہ صرف کرکٹ میں میں اپنا انٹرسٹ شو کیا بلکہ یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ بزنس کی بھی سوجھ بوجھ رکھتی ہے پریتی کا کہنا ہے کہ موجودہ دور کی عورتوں کو بزنس کی طرف آنا چاہیے۔

ہم پریتی کی یہ بات مان لیتے ہیں مگر اس کا کیا کیجئے کہ خود اس کی کاروباری سمجھ بوجھ بھی نیس واڈیا کی وجہ سے ہے اور اب ہر لڑکی کو تو نیس واڈیا ملنے سے رہا۔

خاموش موت

پٹرول میں شامل سیسہ انسانی صحت کے لئے زہر قاتل کا درجہ رکھتا ہے، تاہم تجزیے سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ چھوٹے بچوں کی اموات کی شرح میں اضافے کی ایک وجہ فضا میں سیسے کی بڑھتی ہوئی مقدار بھی ہے بچوں کے نرم پھیپھڑے سیسے کے کیمیاوی بادوں سے زخمی ہو جاتے ہیں جن سے انہیں سانس لینے میں دقت پیش آتی ہے۔ گنجان آباد ترقی پذیر شہروں میں آباد بچوں کی اموات میں اضافہ تشویش کا باعث ہے کیونکہ ایسے شہروں میں گاڑیوں کی افراط تو ہے ہی لیکن تازہ ہوا کی گزرگاہ موجود نہیں، ماہرین نے سیسہ کو ایسا زہریلا کیمیکل قرار دیا ہے جو بچوں کے خون میں سرائیت کر کے انہیں موت سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

ایک اور اعزاز

شان اور ایمان علی کی فلم ''خدا کے لئے'' پانچ مارچ کو بھارت میں عام نمائش کے لئے

Aneela Pakistan Point

پیش کی جارہی ہے اس موقع پر فلم کی پوری کاسٹ شعیب منصور کی قیادت میں فلم کی پریمیئر کے لئے ممبئی جائے گی، چیو فلم کی یہ پیش کش امریکہ، مشرق وسطی اور برطانیہ میں زبردست کامیابی کے بعد بھارتی سینماؤں پر لگ رہی ہے اور فلم کی نمائش کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ انڈیا نے مختلف ممالک میں فلم کا عوامی ریسپانس دیکھنے کے بعد خود فلم کی نمائش میں دلچسپی ظاہر کی ہے ایک طرف جہاں ''لڑکی پنجابن'' ''محبتاں سچیاں'' اور ''سلاخیں'' سنسر کے جانے کے باوجود بھارت میں ریلیز نہیں ہو سکی، فلم ''خدا کے لئے'' کو حاصل ہونے والا یہ اعزاز پوری ٹیم کے لئے باعث فخر ہے۔

ابھی تو میں جوان ہوں

نوجوان دکھائی دینا کسے برا لگتا ہے، مگر جو لوگ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر بھی نوجوان بننے کے جنون میں مبتلا رہتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ بھارتی فلمی صنعت میں دیو آنند اس بات کے لئے مشہور ہیں کہ وہ ہمیشہ خود کو ہیرو ہی سمجھتے ہیں، اپنی بیشتر فلموں میں وہ اپنے سے بہت ہی کم عمر لڑکیوں کے ساتھ عشق لڑاتے ہوئے دکھائی دیں گے، پھر اس سلسلے کو ایک اور سپر اسٹار امیتابھ بچن نے آگے بڑھایا اور اپنے

سے بہت کم عمر لڑکیوں کے ہیرو بننے میں دلچسپی دکھائی اب دیو آنند اور امیتابھ بچن کو دیکھ دیکھ کر ایک اور بوڑھے فنکار دھرمیندر کو بھی جوان بننے کا شوق پیدا ہوا ہے اور انہوں نے بھی اس خواہش کا اظہار کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ کسی نوجوان ہیروئن کے ساتھ ہیرو آنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

دیکھتے ہیں بھارتی بوڑھے فنکاروں میں جوان بننے کا یہ شوق کیا رنگ لاتا ہے۔

شان کی کیا شان ہے

شان کی شان کو کوئی جانے یا نہ جانے، یہ شان دار ہیرو اپنی شان منوانا خوب جانتا ہے اس لئے سال بھر میں، میں بیس فلمیں بھی بنتی ہیں تو ان کا ہیرو شان ہی ہوتا ہے پروڈیوسرز یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی بھی دوسرے ہیرو کے مقابلے میں شان کو کاسٹ کرنے سے ان کا سرمایہ کم از کم ہنڈرڈ پرسنٹ رسک پر نہیں ہوتا اور یہ بات سید نور کو بھی اچھی طرح سمجھ آ گئی ہے جو اب تک اپنی خود اعتمادی پر ناز کرتے آئے ہیں مگر ''مجاجن'' کے بعد ''جھومر'' میں معمر رانا کو لے کر شاہ جی نے فلم بنانے کا انجام دیکھ لیا اس لئے اگلے دو پروجیکٹس میں شان کو کاسٹ کرنے کی خواہش لے کر شان کے پاس پہنچے تو شان نے اپنی بے نیازی دکھاتے ہوئے شاہ جی کو احساس دلایا کہ اب وہ گئے وقتوں والا شان نہیں رہا جو سید نور کے ایک اشارے پر جی حضوری بجا لاتا تھا سید نور نے جب شان کے سیکریٹری شہباز کو دو فلموں کا معاوضہ دس لاکھ ایڈوانس دیا مگر ابھی شاہ جی نے اسٹوڈیوز کی حد بھی نہیں پھلانگی تھی کہ ظل شاہ کے سیکریٹری نے دس لاکھ شاہ جی کے ہاتھ پر جماتے ہوئے شان کا پیغام دیا کہ دو فلموں کے سولہ لاکھ ہو گئے وہ بھی صرف آپ کے لئے پانچ

لاکھ والا دور مجاجن کے ساتھ رخصت ہوا۔ شاہ جی شان کے اس رویے سے ابھی تک حیرت زدہ ہیں کہ وہ اب کہے بھی تو کیا؟

شان کی گلوکاری

اپنے والد ریاض شاہد کا شان نے کتنا اور کیسے نام روشن کیا ہے اس سلسلے میں یقیناً اختلاف رائے موجود ہے، ریاض شاہد مرحوم کبھی بھی ایسی فلموں کا حصہ نہ بنتے جن کے ڈھیر شان نے لگائے ہیں وہ ایک مخلص قوم اور انسانیت کا درد رکھنے والے ایسے انسان تھے جو کہ سماج کی تباہی میں شریک نہیں بن سکتے تھے۔ اس کی ایک بھی فلم اپنے باپ ریاض شاہد کے معیار کو نہیں چھوئی اس سے بھی اتفاق کرتے ہیں۔

حال ہی میں شان نے اپنی ایک اور فلم کی ڈائریکشن دی ہے ''ظل شاہ''۔ ''مجاجن'' کے کردار 'ظل شاہ' سے متاثر ہو کر بنائی گئی فلم ہے جس کی بدقسمتی سے ہیروئن صائمہ ہی ہے۔ اس فلم میں ایک دھمال شان پر پکچرائز کی گئی ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس دھمال کو گایا بھی شان نے ہی ہے وہ کیسے سنگر ہیں یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا تاہم شان نے کہا ہے کہ وہ گاہے بگاہے سنگنگ کرتے رہیں گے تاہم وہ مستقل اس پیشے کو اپنانے سے احتراز کریں گے، چلیے شان نے کسی چیز سے تو احتراز کیا ورنہ؟

کچھ جنون ہے ایسا

''گاڈ فادر'' نامی فلم میں میرا نے ارباز خان کی بیوی کا ایک ایسا معمولی اور قابل تنقید رول کیا ہے کہ اس پاکستانی فلم کی سپر اسٹار اور کچھ بین الاقوامی ٹائپ اداکارہ (کہنے میں کیا حرج ہے) کے اس فیصلے پر حیرانی ہوتی ہے، جب کہ اس فلم میں انڈیا کی سی کلاس اداکارائیں رشمیا

بھٹ اور پریتی جانگیانی کے سامنے میرا کو مکالمے تک بولنے کو نہیں دیئے گئے۔ ایسی مٹی خراب تو میرا نے فلم ''نظر'' اور اپنی دوسری فلم میں بھی نہیں کرائی تھی جیسی ''گاڈ فادر'' میں کرائی ہے لوگ کہتے ہیں میرا پاگل ہے یا پھر اسے انڈین فنکاروں کے ساتھ کام کرنے کا جنون ہی اتنا ہے کہ وہ اس سلسلے میں نہ کسی کی سنتی ہے اور نہ خود ہی کچھ سوچتی ہے۔ اس فلم کو دیکھ کر یہ یقین ہونے لگتا ہے کہ لوگ غلط نہیں کہتے، میرا واقعی کوئی بھی حماقت اور کہیں بھی کر سکتی ہے، اب ایک تو فلم ڈبہ اوپر سے میرا کا رول؟ سچ ہے جب عقل پر پتھر پڑتے ہیں تو کچھ ایسے ہی واقعات جنم لیتے ہیں۔

☆☆☆

کیسی قیامت کے یہ نامے

آپ کی خوشیوں اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہیں، شام و سحر کی گردش کے ساتھ موسم نے پھر کروٹ بدلی ہے، زرد رتوں کے بعد سبز موسموں کی آمد سے نئے رنگ کھل اٹھے ہیں مرجھائے ہوئے پودوں اور پیڑوں پر نئی کونپلیں سر اٹھا رہی ہیں قدرت نے اس کائنات کی تخلیق بہت خوبصورت رنگوں سے کی ہے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اس کی نعمتوں کا شکریہ ہر حال میں ادا کریں۔

آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہ سب سے پہلا خط ہمیں ام عمارہ کا ساہیوال سے ملا ہے۔

وہ لکھتی ہیں۔

اس ماہ بھی حنا نے لیٹ آنے کی روایت کو جاری رکھا اور گیارہ تاریخ کو خوبصورت رنگوں سے سجے ٹائٹل کے ساتھ ہمارے ہاتھوں کی زینت بنا دیکھئے ہم تمام شکوے شکایت بھول گئے سب سے پہلے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے دل کے نگر کو منور کیا پھر انشا جی کی خیریت پوچھتے ہوئے عدنان خان سے علیک سلیک کی، معذرت کے ساتھ اپنی فلم دنیا کی یہ نئی انٹری کچھ خود پسندی لگی ابھی تو ایک فلم کی ہے تو یہ حال ہے اگر کوئی دو چار فلمیں کر لیں تو موصوف یقیناً ساتویں آسماں پر جا پہنچیں گے اس کے بعد ہم سعدیہ امل کاشف کے سلسلے وار ناول کی طرف بڑھے "نیلا موسم" اچھا جا رہا ہے بلکہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ سعدیہ کا لکھنے کا انداز اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ ناول حقیقت کے قریب لگتا ہے۔ دوسرا سلسلے وار ناول فوزیہ غزل صاحبہ کا "عجب سلسلے ہیں وفا کے" تو یقین مانیئے حنا کی روح ہے اس مرتبہ کی قسط پڑھ کر بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے فوزیہ صاحبہ نے اتنی خوبصورتی کے ساتھ منظر نگاری کی ہے کہ میں خود کو اس کہانی کا حصہ سمجھنے لگی یقین کیجئے میں پورا مہینہ اتنی شدت سے حنا کا انتظار کرتی ہوں کہ بتا نہیں سکتی اور اس کی وجہ صرف اور صرف فوزیہ غزل کا ناول ہے بہت اچھا لکھ رہی ہیں وہ ہماری طرف سے بے حد مبارک باد کی مستحق ہیں اس کے بعد ہم نے مکمل ناول ثناء ظفر کا "مجھے اپنے ملن کا غرور دو" پڑھا، ثناء ظفر بھی بے حد اچھا لکھ رہی ہیں آخری قسط پڑھ کر ہی اس ناول پر رائے دیں گے، دوسرا مکمل ناول سعدیہ امل کاشف کا تھا "تم آخری محبت ہو" یہ تحریر بھی سعدیہ کی بے حد اچھی تحریر تھی اس سے زیادہ اور کیا کہیں متعاہل تناوش کا مکمل ناول "اگر تم ساتھ رہو" کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ سکا، ناولٹ میں تحسین اختر اور ام مریم نظر آئیں، تحسین اختر کا ناولٹ تھوڑا مایوس کن تھا جب کہ ام مریم کی تحریر اچھی تھی افسانوں میں ٹاپ پہ ہمیں کنول ریاض نظر آئیں۔

مستقل سلسلے بھی بے حد اچھے تھے حاصل مطالعہ ہو یا رنگ حنا، بیاض یا میری ڈائری اور حنا کی محفل سب کے سب چٹ پٹے تھے۔

ام عمارہ کیسی ہیں آپ؟ کہاں رہی اتنا عرصہ فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی پسندیدگی مصنفین کو پہنچا دی ہے آئندہ بھی ہم تمہاری محبتوں اور پر خلوص رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

نزہین بٹ: گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں۔

بارہ تاریخ کو مجھے حنا ملا ٹائٹل بس ٹھیک تھا اور اس کے اندر سب کو زبردست اور فیٹ کا اس تھا سب سے پہلے "کس قیامت کے یہ نامے" پڑھے اپنے خط کے شائع ہونے کی امید نہ تھی پر جب اپنا نام پڑھا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ اس کے بعد حنا کی محفل میں گئے جوابات سب زبردست تھے۔ اس کے بعد ہماری نظر کی کہانیوں کی طرف تو سب ایک سے بڑھ کر ایک تھی کسی کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہو گی۔

سب نے ایک سے بڑھ کر ایک لکھا تھا "تم میری آخری محبت ہو" تو بہت بہت اچھا لگا بہت اچھا سعدیہ امل کاشف "عجب سلسلے ہیں وفا کے" اور فوزیہ غزل "مجھے اپنے ملن کا غرور دو" بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ "نیلا موسم" سعدیہ جی بھی بہت اچھی لکھ رہی ہیں۔ "اے دھند بھری شام" "محبت کی تتلی، وفا کے جگنو" وغیرہ سب نے کمال کر دیا کسی کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہو گی سب نے بہت بہت اچھا لکھا۔ ان سب کو بہت بہت مبارک باد ان سب کے بعد بیاض پڑھا کچھ شعر بہت اچھے لگے کچھ بس ٹھیک تھے میری ڈائری سے غزل پڑھی سب اچھی تھی۔ سب سے آخر میں، میں آپ کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں جو آپ نے مجھے حنا میں آنے کی اجازت دی۔

نزہین بٹ فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ تمہاری محبتیں ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچا دیں ہیں ان کی طرف سے بھی شکریہ قبول کرو اس محفل میں اب شامل ہوتی رہیں ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

ثمینہ شیخ: نہ معلوم مقام سے لکھتی ہیں۔

آج بڑی مدت کے بعد حنا سے ملاقات ہوئی، پہلے سے زیادہ نکھرا اجلا اور خوبصورت تحریروں سے مذین ایک شان تفاخر سے اپنے

ابن انشاء کی کتابیں
طنز و مزاح
• اردو کی آخری کتاب
• آوارہ گرد کی ڈائری
• دنیا گول ہے
• ابن بطوطہ کے تعاقب
• چلتے ہو تو چین کو
• نگری نگری پھرا مسا
شعری مجم
• چاند نگر
• اس بستی کے ا
• دل وحشی
طنز و م
• باتیں انشا
• دخل در مع
• آپ سے
• بقلم خود
لاہور

رنگ دکھا رہا تھا دو سال پہلے دسمبر 2005ء کو حنا میں میرا ایک افسانہ شائع ہوا تھا اور پھر حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ میرا رابطہ حنا سے تقریباً ختم ہو گیا لیکن زندگی پھر سے پرانی ڈگر پر آ نکلی ہے نئے خواب نئے ولولے اور نیا عزم لے کر حنا کے ساتھ اپنا رشتہ دوبارہ جوڑنا چاہتی ہوں، لیکن اگر آپ میرا ساتھ دیں گے تو اب آتے ہیں شمارے کی طرف۔

''یہ باتیں ہماریاں'' بہت خوبصورت باتوں سے بجی تھیں، فوزیہ غزل اور سعدیہ امل کاشف کے سلسلے وار ناول دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی میری طرف سے انہیں بہت بہت مبارک۔ ثناء ظفر کی تحریر ''مجھے اپنے ملن کا غرور دو'' ایک بہترین تحریر تھی۔ باقی تمام مستقل سلسلے بھی اچھے تھے رنگ حنا میں کامیڈی کمال کی تھی۔ خاص طور پر میری ڈائری میں بہت اچھی شاعری پڑھنے کو ملتی ہے۔

ثمینہ شیخ خوش آمدید اس محفل میں آپ ایک طویل عرصے سے آئیں ہیں ہم تو آج بھی آپ کی تحریروں کے منتظر ہیں آپ نے دوبارہ رابطہ ہی نہیں رکھا اب آپ آئیں ہیں تو غائب نہ ہو جائیے گا جلدی سے ہمیں کوئی اچھی سی تحریر لکھ کر بھجوائیں ہم منتظر ہیں، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔

نبیلہ نعمان: لاہور سے لکھتی ہیں۔

فروری کا شمارہ حنا ایک خوبصورت سرورق سے مذین ملا، پہلے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھ کر دل کو منور کیا، انکل سردار محمود کی دل موہ لینے والی باتیں قابل ستائش تھیں اس کے بعد اداکار عدنان خان سے ملاقات کی جو کہ کچھ خاص پسند نہیں آئی۔

''مجھے اپنے ملن کا غرور دو'' ثناء ظفر ''اگر تم ساتھ رہو'' متعابل تناوش اور سعدیہ امل کاشف کا ''تم ہی آخری محبت ہو'' تین مکمل ناول جو کہ تینوں ہی بہترین تھے خاص طور پر ثناء ظفر کے ناول میں محبت کا بڑا خوبصورت انداز نظر آیا۔ ناولٹ ''اے دھند بھری شام'' ام مریم کی بہترین کاوش تھی جب کہ تحسین اختر کے ناولٹ کا عنوان بہت خوبصورت تھا لیکن سٹوری بہت عام سی تھی، افسانہ اس مرتبہ تین تھے سب سے بہترین تحریر کنول ریاض کی تھی ہماری طرف سے ان تمام لکھنے والی مصنفین کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔

اب ہم مستقل سلسلوں کی طرف چلتے ہیں۔ حاصل مطالعہ اور میری ڈائری سے سب کی تحریریں اچھی تھیں بیاض اور رنگ حنا میں کسی ایک کو نمبر ون کہنا باقی ساتھیوں کے ساتھ زیادتی ہو گی پھر ہم حنا کی محفل میں عین غین سے ہیلو ہائے کرنے کے بعد عبداللہ صاحب سے خبرنامہ سنا اور حنا کے دستر خوان میں تانک جھانک کرتے ہوئے کس قیامت کے یہ نامے میں پہنچے اور حسب روایت اپنا تبصرہ نہ پا کر صبر کے گھونٹ بھر کر رہ گئے۔ آپی ایک فرمائش ہے آپ سے کہ پلیز پلیز اداکارہ ناہید شبیر کا انٹرویو شائع کریں۔

نبیلہ نعمان کیسی ہیں آپ؟ بہت شکریہ فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا تمہاری فرمائش نوٹ کر لی ہے انشا اللہ جلد پوری کریں گے ہم اگلے ماہ بھی تمہارے پرخلوص تبصرے کے منتظر رہیں شکریہ۔

☆☆☆

خوبصورتی ہے طاقت

یقین کریں خوبصورتی کی طاقت پر۔ خوبصورتی ہے
کامیابی۔ اس طاقت سے آپ دنیا بدل سکتے ہیں۔
بدل سکتے ہیں بہت کچھ۔

Neela
Pakistani Point